جآءَ الحق پر وہابیوں کے بیجا اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نُصرتُ الحق

فی ردّ الوہابیۃ وتائید جآءَ الحق

مصطفےٰ غلام رضا

مولانا محمد محبت علی قادری

مکتبہ قادریہ سکندریہ
حزب الاحناف
گنج بخش روڈ۔ لاہور

جاء الحق پر وہابیوں کے بیجا اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب

نُصرتُ الحق

فی ردِّ الوھابیۃِ و تائیدِ جاء الحق

عبد مصطفی غلام رضا محمد محبت علی قادری

سید اعجاز علی شاہ گیلانی

زیب سجادہ آستانہ عالیہ حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ

مکتبہ قادریہ سکندریہ حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

نام کتاب ---------- نصرۃ الحق فی رد الوہابیہ وتائید جاء الحق
موضوع ---------- کتاب جاء الحق پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ
تصنیف ---------- حضرت علامہ مولانا محمد محبت علی قادری مدظلہٗ
صفحات ---------- ۳۷۶
سرورق ---------- محمد آصف عطاری
کمپوزنگ ---------- ورڈ میکر لاہور
طابع ---------- میاں جمیل پرنٹرز لاہور
تاریخ اشاعت ---------- بدھ ۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۶ھ
مطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۵ء
تعداد ---------- ایک ہزار
ناشر ---------- مکتبہ قادریہ سکندریہ لاہور
[illegible] ---------- [illegible]

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ سکندریہ

حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

انتساب

امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج الامہ مقتداء الامہ عظیم الشان وارفع المقام جلیل القدر والعظمت افضل الافضلین واشرف الاشرافین واکمل الاکملین حجۃ المجتہدین و سند الآئمہ اصولیین مجتہد اعظم وامام اعظم ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ
کے نام

جس نے شریعت مطہرہ کے بحر عمیق میں غوطہ زنی واجتہاد سے امت کے لئے فقہ کی صورت میں اصول موتی تلاش کئے اور افراط وتفریط سے پاک طریق السویہ متعین کیا اور جن کی شان میں اکثر ومعتبر شارحین کے نزدیک حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَذَھَبَ بِہٖ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسٍ اَوْ قَالَ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ حَتّٰی یَتَنَاوَلَہٗ ۔ (مسلم ج ۲ بخاری ج ۲) کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ۔ اگر دین ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو فارس سے ایک شخص یا فرمایا فارس کے بیٹے اسے وہاں سے پالیں گے۔ اور حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں امام عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ آپ گود میں ایک نورانی چہرہ والی ہستی کو لئے ہوئے ہیں۔ عرض کرنے پر فرمایا کہ یہ تیرا امام اور تیری قوم (مسلمانوں) کا امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہے۔ (کشف المحجوب)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول بندہ کے صدقے ہمیں علم نافع کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد محبت علی قادری

فہرست مضامین

فہرست مضامین

تقریظ سعید

نائب محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ترجمان اہل سنت پاسبان مسلک رضا

حضرت علامہ الحاج ابوداؤد **محمد صادق** صاحب خطیب اعظم زینت المساجد گوجرانوالہ

محقق اہل سنت مولانا علامہ محبت علی صاحب قادری کی تالیف ''نصرۃ الحق فی رد الوہابیہ وتائید جاء الحق'' کو طائرانہ نظر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ الحمد للہ! شہرۂ آفاق کتاب ''جاء الحق'' کی مدلل طور پر تائید فرمائی ہے اور غیر مقلدین کے اعتراضات وشبہات کا محققانہ رد فرمایا۔ مولیٰ تعالیٰ بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ''نصرۃ الحق'' کو بھی ''جاء الحق'' کی طرح نافع ومقبول بنائے۔ مولانا محبت علی صاحب کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کی عمر صحت اور علم وعمل میں برکت فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

ابوداؤد **محمد صادق**

امیر جماعت رضائے مصطفیٰ پاکستان گوجرانوالہ

۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

تقریظِ سعید

شیخ الحدیث والتفسیر شرف اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

اللہ تعالیٰ نے عظیم محدث اور نامور مفسر حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (گجراتی) کی تصانیف کو بے مثال مقبولیت عطا کی ہے' خصوصاً ان کی تصنیف لطیف جاء الحق کو تو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ بعض باخبر لوگوں کے مطابق اس کی اشاعت ''بانگ درا'' سے بھی زیادہ ہے' اس کتاب کا نام حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تجویز کیا تھا' ان کے علاوہ بھی علماء اور اصفیاء اس کتاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

اس کے دوسرے حصے میں ان مسائل میں علماء احناف کا موقف دلائل سے پیش کیا گیا ہے' جن میں غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں' اسی لئے کچھ عرصہ قبل ایک غیر مقلد مولوی محمد داؤد ارشد نے اس کے جواب میں ''دین الحق فی تنقید جاء الحق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس میں غیر علمی انداز اختیار کیا۔

مولانا محبت علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ''نصرۃ الحق'' کے نام سے اس کا جواب بڑی محنت سے لکھا ہے اور ارشد صاحب کے اعتراضات کا محاسبہ کیا ہے' راقم کے نزدیک مسائل پر جادلہ خیال میں کوئی حرج نہیں ہے' اس طرح حق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ البتہ اندازِ گفتگو دونوں طرف سے علمی ہونا چاہیے' نہ کہ تند و تیز۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مولانا محبت علی کو اس ملک کی غالب اکثریت احناف کی تائید کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری

بانی مکتبہ قادریہ' لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ/ ۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء

تقریظِ سعید

محقق اہل سنت خطیب پاکستان پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

مہتمم دار العلوم جلالیہ مظہر الاسلام داروغہ والا' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علماء کو یہ منصب عطا فرمایا ہے کہ وہ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔ چنانچہ تاریخ میں جب کسی نے حق کو پس پردہ کرنے کی کوشش کی تو علماء حق نے حق کا آشکار کیا۔

اہل سنت و جماعت کے معتقدات و نظریات اسلامی تاریخ کے مستند تسلسل ہیں۔ جس کا ایک سرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم سے اور دوسرا آج کے مسلمان کے سینے سے ملا ہوا ہے۔

حکیم الامت حضرت قبلہ مفتی محمد احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''جاء الحق'' میں انہیں حقائق کے حدائق کو شبنم تحقیق سے سیراب کیا۔ آج تک افق مطالعہ کے سورج کی کرنوں سے ان شبنمی موتیوں سے روشنیاں پھیل رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے اندھیروں کے سوداگروں کو بڑی تشویش ہوئی تو انہوں نے ''دین الحق'' نامی کتاب لکھ کر ان تجلیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

ایسے میں بزرگ مگر جواں ہمت عالم دین حضرت مولانا محبت علی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ سابق مدرس حزب الاحناف لاہور نے دلائل و براہین کی تپش سے ان کوتاہ

پردوں کو جلا کے راکھ کر دیا۔ حق کو زیر حجاب لانے والوں کے خواب اس جواب سے سراب بن گئے ہیں۔

میں نے چند مقامات سے ''نصرۃ الحق فی ردّ الوہابیہ وتائید جاء الحق'' کا مسودہ دیکھا ہے کافی تحقیق مواد اس میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی قلم کے اجالوں میں اور برکتیں دے۔ والسلام

محمد اشرف آصف جلالی

مسجد رضائے مجتبیٰ گوجرانوالہ

۱۳ رمضان رات ۲ بجے ۱۴۲۶ھ

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۵ء

تقریظ سعید

جانشین شارح بخاری سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی

ناظم دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف جاء الحق شہرۂ آفاق مدلل کتاب ہے جس پر غیر مقلدوں کے اعتراضات سورج پر تھوکنے کے مترادف ہیں۔ مولانا محمد محبت علی قادری صاحب نے اس کی تائید میں ''نصرت الحق فی ردّ الوہابیہ وتائید جاء الحق'' کے نام سے مدلل کتاب لکھ کر اس کی حقانیت وصحت کو مزید اجاگر کیا ہے اور اس پر اعتراضات میں لکھی گئی۔ داؤد ارشد غیر مقلد وہابی صاحب کی کتاب نام نہاد دین الحق فی تنقید جاء الحق کا عقلی ونقلی دلائل سے ردّ وابطال کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ان کا یہ کام لائق صد تحسین وتعریف ہے۔ مولانا موصوف ہمارے دارالعلوم کے استاد ہیں۔ ان کی قبل ازیں چند کتابیں وہابیوں کے ردّ میں مارکیٹ میں موجود ہیں۔ ماشاء اللہ مولانا کا طرزِ استدلال وبیان بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو مزید قوت عطا کرے اور مذہب ومسلک اہل سنت وجماعت کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے ردّ میں ان کے قلم کو ہمیشہ متحرک فرمائے اور جاء الحق کی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نصرت الحق کو مقبول عام اور نافع الخلائق فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی

خادم حزب الاحناف لاہور

تقریظِ سعید

سرمایہ اہل سنت استاذ العلماء حضرت علامہ الحافظ القاری مولانا مفتی غلام حسن قادری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا

حضرت العلام شمشیر بے نیام مولانا محبت علی قادری صاحب نہایت جفاکش، مسلک کا درد رکھنے والے اور انتہا درجہ کے محقق واقع ہوئے ہیں۔ آپ اپنی بات بلا خوف لومۃ لائم کہہ دینے والے اور راسخ العلم عالم دین ہیں۔ ان کا قلم حقیقت رقم باطل کی سرکوبی اور حق کی تائید و حمایت میں ہمیشہ متحرک رہتا ہے اس سے پہلے آں جناب کی ایک درجن کے قریب تصنیفات چھپ کر منظر عام پہ آچکی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "نصرۃ الحق فی ردّ الوہابیہ و تائید جاء الحق" ایک غیر مقلد (داؤد ارشد) کی کتاب بلکہ "ناکام کوشش" دین الحق فی تنقید جاء الحق کا نہایت ہی دندان شکن اور مسکت جواب ہے۔ جس میں حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب مستطاب جاء الحق کے دوسرے حصے کے پہلے چھ ابواب پہ کئے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات میں یقیناً یہ کتاب مندرجہ ذیل آیت کا کامل مصداق ثابت ہوگی۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ. (سبا:۴۹)

کہہ دیجئے: حق آگیا اور باطل نہ پہل کر سکے گا اور نہ پھر آئے گا۔ امید ہے کہ مولانا بالفضل اولانا جاء الحق کے باقی ابواب پر بھی وہابیہ خائبہ خاسرہ کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور دشمنانِ دین و ملت کا محاسبہ کرتے رہیں گے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

غلام حسن قادری

دار العلوم حزب الاحناف لاہور ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء

تقریظِ سعید

سرمایہ اہل سنت مناظر اسلام محمد عبد الستار قادری نقشبندی

خطیب اعظم دفتوہ ضلع قصور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا

فاضل جلیل عالم نبیل ادیب اہل سنت فخر العلماء والصلحاء حضرت علام شمشیر بے نیام مولانا مفتی محمد محبت علی صاحب قادری علائی دامت برکاتہم العالیہ برادرم و محترم آنجناب زمانۂ طالب علمی میں ہی بڑے محقق و جفاکش تھے۔ ہمارے کلاس فیلو ہیں۔ حضرت قبلہ شیخ الحدیث محدث قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اور منظور نظر شاگردوں میں سے ہیں۔

جب دورۂ حدیث کا امتحان ہوا تو آپ اچھے نمبروں میں پاس ہوئے۔ علامہ موصوف کا قلم بدمذہبوں اور گستاخوں و باطل فرقوں کے عقائد باطلہ و اعمال شاطرہ کے لئے ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ قبل ازیں آپ تصنیفات کثیرہ کے مصنف ہیں۔ زیرِ نظر کتاب "نصرۃ الحق فی ردّ الوہابیہ و تائید جاء الحق" جو کہ ایک غیر مقلد (داؤد ارشد) کی کتاب بلکہ ناکام کوشش دین الحق فی تنقید جاء الحق کا نہایت ہی عالمانہ و فاضلانہ و مہذبانہ دندان شکن و مسکت جواب ہے۔ جس میں مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ کی کتاب مستطاب جاء الحق کے دوسرے حصے کے مقدمہ اور پہلے چھ ابواب پر کئے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات ہیں، بلکہ لطف یہ ہے کہ حضرت موصوف نے جوابات دیتے وقت قرآن و حدیث اور غیر مقلدین کے اکابرین کی کتب سے حوالہ جات فراہم کرنے کا خاص خیال رکھا ہے۔ قارئین حضرات آپ دیکھیں گے کہ غیر مقلد کے

ہوئے اعتراضات کو تار عنکبوت کی طرح پاش پاش کر دیا گیا ہے۔ ماشاء اللہ علامہ موصوف نے جوابات دیتے وقت مہذبانہ انداز میں ایسے بچے تلے الفاظ جو کہ قاری کے دل میں اُترتے جائیں ان کا استعمال کیا ہے، جبکہ غیر مقلد نے اعتراضات کرتے ہوئے غیر مہذب عامیانہ و جاہلانہ انداز اپنایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ انہیں وراثت میں ملا ہے۔

الحمد للہ! یہ کتاب اہل سنت و جماعت کے عقائد کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ محبت علی صاحب کو باقی جاء الحق کے ابواب پر وہابیہ کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ علامہ موصوف کو اجر جزیل اور عمر طویل عطا کرے اور آپ کے علم و عمل میں برکت کرے تاکہ دین محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید پاسبانی و ترجمانی فرماتے رہیں۔ آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین۔ صلی اللہ علیہ وسلم

راقم الحروف

محمد عبد الستار بن حکیم برکت علی
ساکن دفتوہ تحصیل و ضلع قصور

تقریظ سعید

خطیب پاکستان صاحبزادہ پیر ضیاء المصطفیٰ حقانی سیالوی
چیئرمین پاکستان مسلم فرنٹ ناظم تعلیمات دار العلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ شیر اکوٹ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مورخہ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۶ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بروز منگل بعد نماز فجر فاضل جلیل عالم نبیل ادیب اہل سنت فخر العلماء حضرت علامہ مولانا صوفی مفتی محبت علی قادری دامت برکاتہم العالیہ میرے پاس تشریف لائے۔ ہاتھ میں ایک کتاب کمپوز شدہ پکڑی ہوئی تھی، فرمانے لگے اس کو چیک کریں۔ فقیر نے کافی وقت لگا کر طائرانہ سا جائزہ لیا تو دل نے گواہی دی کہ کتاب بڑی مضبوط ہے اور پڑھو تو پھر اور زیادہ صفحات کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ! دیابنہ اور وہابیہ کے رد میں اور اہلسنت کے عقائد پر معتبر کتاب جاء الحق کی ترجمانی میں یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ ماشاء اللہ بچے تلے الفاظ جو قاری کے دل میں اُترتے چلے جاتے ہیں۔ مفتی محبت علی صاحب قبلہ نے جو حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی کی تصنیف پر اعتراضات غیر مقلد مولوی نے اپنے خبث باطن سے کیے ہیں منہ توڑ جواب دندان شکن جواب دیا ہے۔ حوالہ جات کا انبار لگایا اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا محبت علی قادری کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ مدتوں بعد ایسے علماء پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب علیہ السلام کے توسل سے مولانا محبت علی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ اور دیگر علماء کو بھی مسلک اہلسنت پر تحریری کام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

راقم الحروف

پیر ضیاء المصطفیٰ حقانی سیالوی
چیئرمین پاکستان مسلم فرنٹ ناظم تعلیمات دار العلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ شیر اکوٹ لاہور

اسمائے گرامی علمائے مصححین

☆ پیر طریقت استاذ العلماء صاحبزادہ والا شان ابوالعلی مفتی محمد سعادت علی قادری
شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ مرکزی دارالعلوم جامعہ حنفیہ قصور

☆ استاذ العلماء، جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ مولانا محمد عبدالغفور گولڑوی
خطیب جامعہ مسجد حنفیہ چوبان روڈ لاہور

☆ استاذ العلماء، الحافظ القاری حضرت علامہ مولانا رضاء المصطفیٰ علوی صاحب
ناظم دارالعلوم رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

☆ استاذ العلماء، جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں چشتی
خطیب اعظم اسلام پورہ لاہور

☆ استاذ العلماء فخر اہلسنت رئیس العلماء زبدۃ الصلحاء عالم باعمل
حضرت علامہ الحاج محمد حسین رضوی صاحب، خطیب اعظم موڑ کھنڈا

☆ صاحبزادہ والا شان حضرت علامہ صاحبزادہ محمد حامد علی قادری صاحب
خطیب اعظم جامع مسجد رضویہ قصور

☆ محترم المقام سید نورالحسن گیلانی ناظم تعلیمات دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

☆ استاذ القراء الحافظ القاری حضرت علامہ مولانا غلام فریدالحسینی
صدر مدرس جامعہ ہجویریہ دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

☆ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا خلیل احمد مدرس شعبہ درس نظامی

جامعہ ہجویریہ دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

☆ فخر الخطباء خطیب پاکستان حضرت علامہ مولانا عطا محمد گولڑوی
بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ عطاء القرآن اکرم پارک سانده خورد بند روڈ لاہور،
خطیب مرکزی جامع مسجد اقصیٰ بیرون شیرانوالہ گیٹ لاہور

☆ الحافظ القاری حضرت علامہ مولانا منیر احمد نقشبندی قادری
خطیب اعظم جامع مسجد مدینہ جلال پور بھٹیاں ضلع حافظ آباد

☆ استاذ الحفاظ الحافظ القاری محمد جمال الخیری
مدرس شعبہ حفظ حزب الاحناف لاہور

☆ محترم جناب حافظ سید منور حسین شاہ قادری گیلانی ایم اے اسلامیات
کھڈہ قلندر شاہ ضلع شیخوپورہ

☆ خطیب اہل سنت جناب علامہ مولانا محمد عارف نقشبندی
خطیب جامع مسجد دھوپ سڑی ضلع قصور

☆ خطیب اہل سنت جناب محترم مولانا نور حسن نقشبندی
خطیب جامع مسجد چک نمبر ۶۰ ضلع قصور

☆ جناب محترم رائے محمد شریف صاحب کھرل برادر اصغر مصنف

☆ صاحبزادہ والا شان حضرت علامہ مولانا محمد اشفاق صاحب
خطیب جامع مسجد و مہتمم دارالعلوم لنڈا بازار لاہور

اعترافِ احسان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا

علماء حق اہل السنت والجماعۃ کا بے حد مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے دینی مصروفیات و مشغولیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت دے کر کتاب ہذا کا مطالعہ فرمایا اور جہاں اصلاح کی ضرورت تھی اصلاح فرمائی اور دین متین و مسلک حق سے قلبی خلوص و محبت کا اظہار فرما کر اپنی عالمانہ فاضلانہ تقاریظ سے اسے زینت بخشی اور بندہ ناچیز کی اس مساعی پر اظہار پسندیدگی فرما کر حوصلہ افزائی کی۔ بالخصوص محسن اہل سنت و ترجمان اہل سنت پاسبان مسلک امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نائب محدث پاکستان مولانا محمد سرداراحمد رحمۃ اللہ علیہ الحاج مولانا ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی مدظلہ العالی خطیب زینت المساجد اور سرپرست رسالہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس خادم پر بے حد شفقت فرمائی اور مصروفیات کثیرہ کے باوجود تقریظ سعید عطا فرمائی۔ اور استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر سرمایۂ اہل سنت شرف اہل سنت حضرت العلام مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کا نہایت مشکور ہوں کہ خادم پر شفقت فرماتے ہوئے اپنا گراں قیمت وقت دے کر کتاب ہذا کا مطالعہ فرمایا اور نورانی تقریظ اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ اور محقق و ادیب اہل سنت خطیب پاکستان حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی دامت برکاتہم العالیہ فاضل بغداد شریف یونیورسٹی اور شیخ الحدیث و ناظم دارالعلوم جامعہ جلالیہ مظہرالاسلام داروغہ والا لاہور کا بے حد شکرگزار ہوں کہ آپ نے عالمانہ تقریظ سے کتاب کو مزین

فرمایا۔ اور فخر السادات جانشین شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ ناظم اعلیٰ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سید مصطفیٰ اشرف رضوی مدظلہ العالی کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے تقریظ سعید لکھ کر بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فخر و نازش اہل سنت عالم نبیل فاضل جلیل استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا الحافظ القاری مفتی غلام حسن قادری مدظلہ العالی مفتی و صدر مدرسین حزب الاحناف کا قلباً و لساناً شکرگزار ہوں جنہوں نے عالمانہ خوب الفاظ میں تقریظ لکھ کر فقیر کی دلجوئی فرمائی۔ اور علامہ ابن علامہ خطیب پاکستان مقرر خوش الحان و شیریں بیان ضیاء اہلسنت مولانا پیر صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ حقانی مدظلہ العالی ناظم تعلیمات دارالعلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ شیراکوٹ کا ممنون ہوں کہ آپ نے نہایت فاضلانہ تقریظ عنایت فرمائی۔ اب یہاں ان علماء اہل سنت کا ذکر نہ کرنا ناشکری اور حق ناشناسی ہوگا' جنہوں نے دوران تصنیف بندۂ ناچیز کے لئے اپنی لائبریریوں کے دروازے کھول دیئے اور حوالہ جات کے لئے کتب فراہم کیں۔ فقیر کو جو تصنیف سے متعلق کتب کی کمی محسوس ہو رہی تھی اسے پورا کیا۔ یوں بندہ کی حوصلہ افزائی فرما کر دین حق اور مسلک اہلسنت سے خلوص و وفاداری کا ثبوت دیا انہیں حضرات میں سے محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ ہیں جنہوں نے خادم کو یہاں تک فرمایا کہ مولانا لائبریری آپ کی ہے آپ جب چاہیں آئیں۔ دعا ہے کہ اللہ مجدہ الکریم ان کے درجات بلند کرے اور دینی مسلکی خدمات پر انہیں بہترین صلہ عطا فرمائے اور صاحبزادہ والا شان حضرت صاحبزادہ مولانا رضاء المصطفیٰ علوی دامت برکاتہم العالیہ (ناظم جامعہ رسولیہ شیرازیہ) کا مشکور ہوں کہ انہوں نے جامعہ کی عظیم لائبریری کا دروازہ فقیر کے لئے کھلا رکھا ہوا ہے اور جب جاؤں بہت شفقت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر اجر عظیم عطا کرے اور جانشین محدث قصوری رحمۃ اللہ علیہ جناب صاحبزادہ ابوالعلی پیر مفتی محمد سعادت علی قادری مدظلہ العالی شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامعہ حنفیہ قصور کا ممنون ہوں کہ انہوں نے جامعہ کی لائبریری سے حوالہ جات لینے اور کتب ساتھ رکھنے کی کھلی اجازت

عطا فرمائی اور اپنے ہم کلاس فخر اہل سنت مناظر اسلام حضرت العلام مولانا محمد عبد الستار نقشبندی قادری دامت برکاتہ و فیوضہ خطیب اعظم دفتوہ ضلع قصور کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی عظیم لائبریری فقیر کے حوالے کر رکھی ہے جتنی کتب چاہوں مطالعہ کے لئے ساتھ لے جا سکتا ہوں اور تصنیف سے متعلقہ مسائل میں بھی تعاون رکھتے ہیں اور عالمانہ فاضلانہ تقریظ سعید سے بھی نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس پُر خلوص تعاون پر انہیں اجر جزیل عطا فرمائے اور دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان علماء حق کے فیوض و برکات میں اور اضافہ فرمائے اور ان کے خلوص و دینی جذبہ اور مسلک حق اہل سنت سے محبت و ہمدردی کو اور زیادہ فرماتے اور ان کا سایہ اور سرپرستی کو اہل السنّت والجماعۃ پر ہمیشہ رکھے۔

آمین یا رب العالمین بحرمت رسولک الکریم الامین

خادم علمائے اہل سنت

فقیر محمد محبت علی قادری غفر اللہ عنہ

مقدمہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

محدث عظیم مفسر جلیل حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف جاء الحق جو کہ اسم بامسمّٰی اور مبنی بر حقائق ہے اس میں اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی مسلک کے ان عقائد و معمولات کا بیان ہے جو قرآن و حدیث اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور کتب سلف سے ثابت ہیں اور ان عقائد و معمولات کو کما حقہ اپنا کر افراد امت نے تقرب الی اللہ کے منازل طے کئے اور عند اللہ درجات علویہ و مراتب رفیعہ پر فائز ہوئے اور بڑے بڑے آئمہ و مجتہدین فقہاء و محدثین اسی جماعت میں ہوئے جنہیں علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ بھی حاصل اور مقام ولایت پر فائز تھے تو یہی حق و باطل میں امتیاز ہے کہ وہی جماعت حق و ہدایت پر ہے جس میں اللہ کے انعام یافتہ بندے ہوں اور یہ مقام و مرتبہ صرف احناف کو ہی حاصل نہیں بلکہ دیگر آئمہ ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے مقلدین کو بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ آئمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم عقائد میں سب اہل السنّت والجماعۃ ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف فقہی مسائل میں اور وہ بھی حصول حق اور طلب رضا مولیٰ تعالیٰ کے لئے لہٰذا ان کے اختلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا مصداق ہیں کہ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ ۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ مگر فرق باطلہ کا اہل السنّت والجماعۃ سے عقائد و معمولات میں اختلاف فتنہ و فساد کا سبب اور بحث و مباحث

شرانگیزی کا ذریعہ ہے انہیں فرقوں میں سے فرقہ وہابیہ غیر مقلدہ ہے جو کہ بے امامے بے پیرے بے مرشدے ہیں۔ یہ لوگ اسی کو ایمان پر جانتے ہیں جو ان کی خود ساختہ توحید و عقائد کا قائل اور معمولات کا فاعل ہو۔ اگر اس بات کو ملاحظہ کرنا ہو تو طائفہ وہابیہ کے عقائد کی بنیادی کتب نام نہاد صراط مستقیم و تقویۃ الایمان وغیرہما کو دیکھیں جن میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی توہین کا نام توحید اور ان نفوس قدسیہ کی تعظیم کا نام شرک رکھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے گندے اور گستاخانہ عقائد پر پردہ ڈالنے کو سنیوں سے فروعی مسائل پر ٹانگ اڑاتے ہیں اور پھر ایسا سخت رویہ اپناتے ہیں کہ سادہ لوح مسلمان سمجھیں کہ اصل اختلاف ان فروعی مسائل کا ہی ہے۔ یہی بات ہے کہ ماضی قریب میں جاء الحق پر اعتراضات میں لکھی گئی نام نہاد اہلحدیثوں کی کتاب نام نہاد دین الحق فی تنقید جاء الحق۔ کے مصنف نے علماء حق اہل سنت کی توہین اور عقائد و معمولات اہل سنت کو برا کہنے میں اپنی بدباطنی و خبث اعتقادی کا خوب اظہار کیا ہے جب راقم الحروف نے اس کا رد و ابطال اپنے ذمہ لے لیا تو غیرت و حمیت ایمانی کا تقاضا تھا کہ ایسے کو جو اخلاقی و انسانی حدود سے گزر گیا ہو جواب سخت لہجہ میں دیا جائے کیونکہ یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں کہ عفو اور درگزر سے کام لیا جاتا اس بدباطن نے تو شاید ہی اپنی کتاب کا کوئی صفحہ چھوڑا ہو جس پر علماء حق و مسلک حق اہل سنت کی توہین کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ فقیر نے زیر نظر کتاب کی تحریر میں یہ طریقہ اپنایا کہ جاء الحق شریف کی پوری عبارت کو تھوڑا تھوڑا موقع محل کے مطابق لکھا تا کہ قارئین حضرات حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی و نقلی دلائل اور محققانہ تحریر سے بھرپور استفادہ کریں اور ساتھ ہی غیر مقلد (وہابی) کے اس پر اعتراضوں کو لکھ دیا تا کہ پڑھنے والوں کو دونوں عبارتیں دیکھ کر حقائق جاننے میں آسانی ہو اور فقیر نے بفضلہ تعالیٰ غیر مقلد صاحب کے ہر اعتراض و دلیل اور دعویٰ و چیلنج کا اسی جگہ عقلی و نقلی دلائل اور الزامی جوابات سے رد و ابطال کیا ہے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ قارئین دیکھ کر مطمئن ہوں گے اور بندہ ناچیز کی اس مساعی کو پسند فرمائیں گے اور سنی حنفی بریلوی مذہب و مسلک سے ہمدردی

رکھنے والے فقیر کے حق میں دعا فرمائیں گے۔ کیونکہ قدردان ضرور قدر کرتے ہیں۔

اللہ مجدہ الکریم سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل پاک اور اصحاب پاک کے صدقے بندہ ناچیز کی اس سعی قلیل کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرما کر اس پر اجر عظیم عطا فرمائے اور فقیر کی تصنیف کو خاص و عام کے لئے نافع بنائے۔

آمین یا رب العالمین بحرمة حبیبك الكريم

فقیر محمد محبت علی قادری غفر اللہ عنہ

۱۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۸ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سبب تالیف

اہلسنّت و جماعت میں سے جن علمائے کرام نے اپنے دین و مسلک حق کی تدریسی و تقریری و تحریری طور پر خدمت کی اور راہ حق کی طرف انسانوں کی رہنمائی کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خلوص و محبت کا درس دیا اور اہل بیت و صحابہ اور اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم و تکریم کی تاکید کی اور عقائد اہلسنّت کی حقانیت اور معمولات حنفیہ کی صحت کو دلائل سے ثابت کیا اور فرق باطلہ کے چہرہ سیاہ کو بے نقاب کیا کہ ان کے مکر و فریب سے عوام الناس کو آگاہ کیا انہیں میں سے ترجمان اہلسنّت پاسبان مسلک رضا حجۃ الشارحین والمفسرین حکیم الامت حضرت علامہ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں کہ جنہوں نے مختلف موضوعات پر مایہ ناز و قابل فخر کتب تصنیف فرمائیں جن میں خواص و عوام میں شہرت یافتہ معرکۃ آراء کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ہے اس میں آپ نے دلائل قاطعہ و نصوص واضحہ سے نجدیہ کے دونوں فرقوں دیوبندیہ و وہابیہ کا رد و ابطال فرمایا اور سنی حنفی بریلوی مذہب و مسلک کی حقانیت کو ثابت فرمایا جس سے نجدی صدور مثل تنور نار غیظ سے بھڑکنے لگے یہاں تک کہ اس کتاب کا نام سننا بھی ناگوار ہوا کیونکہ ان حضرات کی عادت راسخہ ہے کہ اپنے خود ساختہ مذہب و عقائد کے خلاف قرآن و حدیث کو بھی برداشت نہیں کرتے بلکہ کسی طرح کے بہانوں سے فرار کی راہ نکالتے ہیں۔ بہر حال اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جاء الحق کو شائع ہوئے 2004ء تک تقریباً 48 سال کا عرصہ ہوا ہے اور اس کے مصنف علیہ الرحمۃ کو بھی وصال فرمائے تقریباً 32 سال ہو چکے ہیں۔ اس دوران وہابیہ کی دونوں شاخوں مقلدہ و غیر مقلدہ کی طرف سے مذکورہ کتاب کے کچھ جواب لکھے جا چکے ہیں مگر ان جوابوں سے ان کا قلبی اضطراب دور نہیں

ہوا یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہ لوگ اپنے قلوب غیر مطمئن کے اطمینان کو نئے نئے جواب گھڑ رہے ہیں۔ ابھی ماضی قریب کی بات ہے ایک غیر مقلد وہابی مولوی محمد داؤد ارشد نامی نے جاء الحق پر تنقید میں دین الحق فی تنقید جاء الحق نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں نجدی عادت و خصلت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے وہابی تہذیب کے خوب نمونے پیش کئے ہیں۔ جاء الحق کو جاء الحق لکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ اسے معاذ اللہ جاء الباطل لکھتا ہے اور حنفی فقہاء و مجتہدین رحمہم اللہ کی جا بجا توہین و تحقیر کرتا ہے بالخصوص سنی حنفی بریلوی علماء کی شان میں نہایت گندی و کمینی زبان استعمال کرتا ہے نیز جگہ جگہ دعوے کرتا ہے کہ وہابی مذہب کے سب معمولات قرآن و سنت کے عین مطابق ہیں اور حنفی حضرات قرآن و سنت چھوڑ کر قیاس و تقلید کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور بریلوی حضرات پر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کو انہیں قبر پرست اور قبر چاٹنے والے کہا اور ان کے مسلک کو قبوری شریعت کہا اور امام اہلسنّت مجدد دین و ملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ دشمن توحید اور مجدد بدعات کہا اور حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو جا بجا نام نہاد مفتی اور خود ساختہ مفتی لکھا۔ الغرض اس نے اپنی خبیث فطرت و گندی ذہنیت کا خوب خوب اظہار کیا تو فقیر راقم نے جب اس دل سوز و دل آزار کتاب کا مطالعہ کیا تو غیرت ایمانی اور محبت دین و مسلک نے مجبور کیا کہ اس کا رد لکھا جائے جس میں جاء الحق پر غیر مقلدوں کے اعتراضات کے جوابات اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ دلائل کی صحت اور جہاں مناسب ہو ان کی تائید میں مزید دلائل پیش کئے جائیں۔ اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام نُصْرَةُ الْحَقِّ فِيْ رَدِّ الْوَهَابِيَّةِ وَتَاْيِيْدِ جَاءَ الْحَقِّ رکھا۔ وسائل کی کمی اور جسمانی ناتوانی ضرور ہے مگر اللہ پر بھروسہ ہے اور وہی کارساز و مسبب الاسباب اور قوت و توانائی بخشنے والا ہے اور اسی سے ہی توفیق ہے اور اس کی مدد و توفیق میرے لئے کافی و وافی ہے۔ دعا ہے کہ از آغاز تا اختتام کتاب اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب رہے، آمین۔ بجاہ رسولہ الکریم الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اضعف العباد و احقر الناس فقیر محمد محبت علی قادری۔

خطبۃ الکتاب

نَحْمَدُہٗ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی مَامَنَّ عَلَیْنَا بِالنَّبِیِّ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَرَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ وَالطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْھَادِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ وَتَابِعِیْھِمْ وَتَبِعِھِمْ مِنَ الْاَئِمَّۃِ الْمُجْتَھِدِیْنَ ۔ اَمَّابَعْدُ :

فقیر عرض گزار ہے کہ اس کے باب اول میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جاء الحق حصہ دوم کے مقدمہ پر غیر مقلد نام نہاد دین الحق کے مصنف کے اعتراضات اور ان کے جواب دیے جائیں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْوَھَّابِ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ بِالصَّوَابِ صاحب جاء الحق رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ میں حدیث کی اقسام و قواعد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد کا اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں یہ قواعد بہت ہی کار آمد ہیں۔

حدیث کی اقسام و تعریف

قاعدہ نمبر1:- اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں۔ (۱) حدیث صحیح (۲) حدیث حسن (۳) حدیث ضعیف۔

حدیث صحیح:- وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔ اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر مولف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو، اس کے سارے راوی اول درجہ کے متقی پرہیز گار ہوں، کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو، تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے

کی وجہ سے کمزور نہ ہو، وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حدیث حسن:- وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

حدیث ضعیف:- وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی حافظہ نہ ہو یعنی جو حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر2:- پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں لیکن ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

تنبیہ:- ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گھڑی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کرا دیا ہے کہ لوگوں نے اسے گھڑا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔ مذکورہ عبارت پر نام نہاد دین الحق کے مصنف کا پہلا اعتراض، مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ ضعیف احکام میں معتبر نہیں پھر آگے چل کر فرمانا کہ اعمال میں ضعیف معتبر ہے۔ جمع نقیضین ہے کیونکہ احکام رب تعالیٰ کی بجا آوری کا نام ہی اعمال (صالحہ) ہے۔ ہاں اگر مفتی صاحب کی اعمال سے مراد فضائل ہے تو بات اور ہے۔ (نام نہاد دین الحق صفحہ 53) الجواب) اولاً فقیر کہتا ہے کہ وہابی جی مفتی صاحب کے بیان سے اجتماع نقیضین لازم نہیں آتا اسے اجتماع نقیضین کہنے کا سبب جناب کے حافظے کی کمزوری ہے ورنہ دو سطر اوپر خود تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کر رہے ہو کہ حدیث ضعیف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں۔ جب اس میں واضح طور پر ایک طرف یعنی احکام ثابت کرنے میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے کی نفی کر دی اور دوسری طرف یعنی فضائل میں مقبول ہونے کا اثبات کیا تو جمع نقیضین کیسے لازم آیا جمع نقیضین تو تب لازم آتا جب کہ نفی کا اثبات یا اثبات کی نفی کی جاتی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہابی بیچارے نے جمع نقیضین کو سن رکھا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ اجتماع نقیضین

کیا ہوتا ہے۔ ثانیاً بات صرف اتنی ہے کہ اوپر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے اور نیچے صرف اعمال کہہ دیا اس سے عقل کے اندھے کے سواسب کو معلوم ہو رہا ہے کہ اعمال سے مراد فضائل اعمال ہے اور یہ نحوی کلیہ بھی ہے کہ جب قرینہ دلالت کرتا ہو تو جملہ سے جزء کا حذف جائز ہے۔ ثالثاً وہابی صاحب کا احکام اور اعمال کو ایک ہی چیز کہنا بھی کم عقلی ہے کیونکہ جو چیز واحد الحقیقت ہو وہ واحد التعریف ہوتی ہے حالانکہ احکام کی تعریف اعمال کیلئے جامع و مانع نہیں کیونکہ حکم فرض یا واجب کو کہتے ہیں جبکہ عمل اگر صالح کو ہی لیں تو وہ چار اقسام پر ہے۔ فرض، واجب، سنت اور مستحب۔ پھر حکم طلب کا نام ہے عمل مطلوب ہے۔ حکم فرض ہے عمل ادا ہے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ اگر مفتی صاحب کی مراد فضائل اعمال ہے تو تب بھی یہ بات درست نہیں کیونکہ کتب مصطلح الحدیث پر نگاہ رکھنے والے علماء پر مخفی نہیں کہ علماء و محققین کے مابین اس امر پر اختلاف ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ:

وَاَمَّا الْعَمَلُ بِالضَّعِيْفِ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ فَدَعْوَى الْاِتِّفَاقِ فِيْهِ بَاطِلَةٌ نَعَمْ هُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُوْرِ لٰكِنْ مَشْرُوْطٌ بِاَنْ لَّا يَكُوْنَ الْحَدِيْثُ ضَعِيْفًا شَدِيْدَ الضُّعْفِ فَاِنْ كَانَ كَذٰلِكَ لَمْ يُقْبَلْ فِي الْفَضَائِلِ اَيْضًا.

یعنی فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ اگرچہ جمہور کا مذہب یہی ہے مگر مشروط ہے کہ روایت میں ضعف شدید نہ ہو ہاں البتہ اگر روایت سخت ضعیف ہو تو تب فضائل میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ (نام نہاد دین الحق ص 53 الجواب) اولاً: وہابی صاحب کی عقل اس قدر کمزور ہے کہ دعویٰ کچھ کرتا ہے دلیل کچھ دیتا ہے۔ دعویٰ تو یہ تھا کہ جو مفتی احمد یار خان نعیمی نے فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں مقبول ہے یہ درست نہیں مگر اس پر دلیل میں عبدالحی لکھنوی صاحب کی عبارت پیش کی جس سے ثابت ہوا کہ جمہور علماء کے نزدیک ضعیف حدیث

فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو اور یہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں فرمایا کہ شدید ضعف کے ہوتے ہوئے بھی حدیث فضائل اعمال میں قابل قبول ہے۔ حقیقت میں یہ دلیل وہابی جی کے خلاف ہے۔ اب اس پر یہ مقولہ ٹھیک آیا کہ خود اپنے جال میں صیاد آ گیا۔

وہابی کی اپنے غیر مقلدوں کی کتب سے بے علمی

ثانیاً کاش! کہ غیر مقلد اپنے گھر کے بزرگوں کی کتابیں پڑھ لیتا تو اس پر واضح ہو جاتا کہ مفتی صاحب کا موقف درست ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قابل قبول ہوتی ہے۔

حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے

چنانچہ عبداللہ روپڑی غیر مقلد صاحب اپنے فتاویٰ اہل حدیث ص 473 پر لکھتا ہے بہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے۔ اب وہابی صاحب کو اپنے گھر کے امام عبداللہ روپڑی صاحب پر بھی اعتراض کرنا چاہئے کیونکہ اس نے بھی مطلق حدیث ضعیف کو فضائل اعمال میں قابل عمل کہا ہے کسی قید سے ضعیف شدید کا اخراج نہیں کیا مگر اب تو اس کی زبان گنگ ہو جائے گی۔ انہیں غیر مقلدوں کے حافظ محمد بن مولوی بارک اللہ احوال الاخرت میں لکھتے ہیں۔

حدیث ضعیف فضائل عملاں وچ قبول آئی
بھی وچ اخبار قیامت برزخ جنت دوزخ بھائی

قارئین حضرات دیکھیں کہ اگر نام نہاد دین الحق کے مصنف کے بقول یہ بات درست نہیں کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں مقبول ہو تو پھر ان کے بڑوں نے اسے فضائل اعمال میں قابل قبول کیوں کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہابی صاحب اپنے بزرگوں کی کتابوں سے بھی ناواقف ہے ورنہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر ایسا اعتراض نہ کرتا۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی مقدمہ میں قائدہ نمبر 3 کے تحت

لکھتے ہیں اگر حدیث ضعیف کسی وجہ سے حسن بن جائے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام وفضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض ملاحظہ ہو۔ فقط متعدد طرق کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرنا کہ اگر کسی حدیث کی متعدد اسنادیں ہوں تو اس کا ہر طریق دوسرے طریق کو تقویت پہنچاتا ہے اور ضعیف روایت درجہ ضعف سے اٹھ کر حسن کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے جو کہ محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ نہایت غلط اور مہلک بات ہے متاخرین میں اکثر مؤلفین نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یہ غلطی کی ہے کیونکہ اگر کوئی حدیث راوی کے کذب یا فسق کی وجہ سے ضعیف ہو تو خواہ اس سے مماثلت رکھنے والے کتنے ہی طرق کیوں نہ موجود ہوں۔ وہ قوت ضعف کے باعث ایک دوسرے کیلئے تقویت کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اس کے ضعف کو مزید مؤکد کرتے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق صفحہ 54 الجواب) اول۔ وہابی صاحب بے تکا اعتراض کر کے اس مقولہ کا مصداق ہوا ہے کہ مولوی آں باشد کہ چپ نہ شود۔ یہ اس لئے کہ جاء الحق کی عبارت گواہ ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ دعویٰ کیا ہی نہیں کہ رواۃ حدیث خواہ کذاب وفساق ہوں پھر بھی مختلف طرق سے وہ حسن بن جاتی ہے بلکہ مفتی صاحب نے تو مطلق کہا ہے کہ اگر حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو جائے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔ اب فقیر کہتا ہے کہ مفتی صاحب کا یہ ذاتی موقف نہیں کہ اس پر اعتراض کیا جائے بلکہ کتب اصول حدیث سے بھی یہی موقف ثابت ہے ملاحظہ ہو۔

اول:۔ مقدمہ مشکوٰۃ پر ہے کہ وَالضَّعِيْفُ اِنْ تَعَدَّدَ طُرُقُهٗ وَانْجَبَرَ ضُعْفُهٗ يُسَمّٰى حَسَنٌ لِغَيْرِهٖ اور ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو اور اس کا ضعف جاتا رہے تو اس کا نام حسن لغیرہ رکھا جائے گا۔

دوم:۔ مقدمہ طحاوی مطبوعہ ایجوکیشنل پریس ادب منزل پاکستان چوک کراچی پر یوں ہے وَالضُّعِيْفُ اِنْ تَعَدَّدَ طُرُقُهٗ وَانْجَبَرَ ضُعْفُهٗ يُقَالُ لَهٗ حَسَنًا لِغَيْرِهٖ اور ضعیف حدیث کے اگر متعدد طریقے ہوئے اور اس کا ضعف دور کر دیا اسے حسن لغیرہ کہا

جائے گا۔

سوم:۔ امام المحدثین الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:۔ اگر در حدیث ضعیف تعدد طرق جبر آں نقصان ضعف دے کردہ آنرا حسن لغیرہ گویند۔ یعنی اگر ضعیف حدیث میں متعدد اسناد مل کر اس کے ضعف کو دور کر دیں تو اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

چہارم:۔ وہابی صاحب کو تو مفتی صاحب کے اس کہنے پر اعتراض تھا کہ متعدد طرق سے حدیث ضعیف حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے غیر مقلد پیشوا عبداللہ روپڑی صاحب تو حدیث ضعیف کے متعدد طریق کے سبب صحت کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنے فتاویٰ اہل حدیث ص 473 پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام سیوطی نے ان کے مجموعہ پر حسن یا صحیح ہونے کا حکم اس لئے نہیں لگایا کہ ان میں ضعف زیادہ ہے۔ اگر ضعف کم ہوتا تو مجموعہ مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا۔ خیر ان پر عمل سے روکا نہیں جاتا خاص کر جب کہ امام بھی اس طرف گئے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ضعیف کو حسن بنانے والی وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں علمائے کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے یعنی اگر حدیث ضعیف پر علمائے دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی۔ حسن ہو جائے گی۔ اسی لئے امام ترمذی فرماتے ہیں هٰذَا الْحَدِيْثُ غَرِيْبٌ ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ۔ یہ حدیث تو غریب یا ضعیف ہے مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض، مفتی صاحب نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا جو (غلط) ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جی غریب حدیث کو بھی ضعیف کی ایک قسم تصور کرتے تھے حالانکہ مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ غریب ہونے سے صحیح یا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا بلکہ غریب حدیث اسے کہتے ہیں جو ایک ہی راوی بیان کرے۔ اگر بیان کرنے والا ثقہ راوی ہے تو روایت صحیح ہوگی اور اگر راوی

ضعیف ہے تو روایت بھی ضعیف ہوگی۔ (تام نہاد دین الحق ص 56 الجواب) اولاً: امام ترمذی کی عبارت کا جو ترجمہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وہ وہابی صاحب نے بھی لکھا ہے اور فقیر نے بھی اوپر لکھ دیا ہے۔ اسے جو بھی صاحب شعور پڑھے گا اسے واضح ہو جائے گا کہ اس کے ترجمہ سے ہرگز یہ پہلو نہیں نکلتا کہ مفتی صاحب غریب حدیث کو بھی ضعیف کی قسم جانتے تھے کیونکہ ترجمہ میں وضاحت ہے چنانچہ لکھا ہے یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ ڈھیر جو ہے یا گندم تو اس سے مفہوم نکلتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز ہے اس سے ان کا کسی کی قسم ہونا مفہوم نہیں بنتا بلکہ وہابی جی کی عقل کا تماشا دیکھو کہ جو الزام مفتی صاحب پر لگا رہا ہے وہ خود اس پر ثابت ہوتا ہے۔ بریں وجہ کہ اس کے ترجمہ میں ہے۔ یہ روایت ضعیف اور غریب ہے۔ اس میں غریب کا ضعیف کے ساتھ تعین ہوا حالانکہ یہ صاحب خود تعین کا انکار کر رہے تھے یہ کیسا تضاد ہوا یہ ہے کہ وہابی صاحب کی عقل کا حال۔

ثانیاً۔ یہ تو درست ہے کہ حدیث کو صرف غریب کہنے سے صحیح یا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت میں قوی امکان اس بات کا ہے کہ غریب اور ضعیف دونوں حدیث کی صفتیں ہوں اور ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ راوی ایک ہونے کے سبب غریب اور راوی کے ضعف کے سبب ضعیف ہو اور یہی مقصد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کیونکہ وہ بتانا یہ چاہتے ہیں دیکھوں غریب ضعیف حدیث امام ترمذی کے نزدیک علماء کے عمل کی وجہ سے قابل اعتماد و استدلال بن گئی۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض مفتی صاحب نے مذکورہ عبارت جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی ہے اس کا کوئی حوالہ وغیرہ نہیں دیا تا کہ مفتی صاحب کے کشیدہ کردہ معنی پر تعاقب (نقد) کیا جا سکے۔

(تام نہاد دین الحق ص 56 الجواب)

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی کا حوالہ دیا ہے اگر معترض تھوڑی سی تکلیف کرتے تو اسے جامع ترمذی میں ایسی عبارتیں مل جاتیں جن میں امام ترمذی نے

حدیث کو غریب اور ضعیف کہنے کے بعد فرمایا کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے۔

اہل علم کے عمل سے حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

قَالَ اَبُوْعِيْسىٰ حَدِيْثُ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ الْجُهْنِيْ حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَانَعْرِفُهُ اِلَّامِنْ حَدِيْثِ رِشْدِيْنِ بْنِ سَعْدٍ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَاَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوْا اَنْ يَّتَخَطَّى الرَّجُلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ رِقَابَ النَّاسِ وَشَدَّدُوْا فِيْ ذٰلِكَ وَقَدْتَكَلَّمَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ رِشْدِيْنِ بْنِ سَعْدٍ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهٖ.

جامع ترمذی جزء اول باب کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ ابوعیسیٰ (امام ترمذی) نے فرمایا کہ سہل بن معاذ بن انس الجہنی کی حدیث غریب ہے ہم رشدین بن سعد کے طریق کے علاوہ اس کی سند نہیں جانتا اور اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ وہ جمعہ کے روز (مسجد میں بیٹھے لوگوں) کی گردنیں پھلانگ کر گزرنا مکروہ جانتے ہیں اور اس مسئلہ میں سختی کرتے ہیں حالانکہ بعض اہل علم نے رشدین بن سعد کے بارے کلام کیا ہے اور حافظہ کی کمزوری کے سبب ضعیف کہا ہے۔ اب تو معترض کا اعتراض دور ہوا جس کا سبب محض جہالت تھا۔ اسے چاہئے ضد چھوڑ دے اور مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا سچا موقف تسلیم کرے کہ علماء کے عمل سے ضعیف حدیث کو تقویت مل جاتی ہے اور قابل عمل ہو جاتی ہے۔

دوسرا حوالہ:۔ قَالَ اَبُوْعِيْسىٰ هٰذَا حَدِيْثٌ لَانَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ اِلَّامِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ وَقَدْ ضَعَّفَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ الْحَارِثَ الْاَعْوَرَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُوْنَ الْاِقْعَاءَ.

ہیں جملہ تین:۔ امام ترمذی ابوعیسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ہم علی کی سند سے نہیں جانتے سوا اس سند کے جو حارث کے طریق سے علی کی روایت

ابو اسحاق سے مروی ہے اور تحقیق الحارث الاعور کو بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے مگر اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل ہے وہ نماز میں کلائیاں چھونا مکروہ جانتے ہیں۔

تیسرا حوالہ:- جامع ترمذی جز اول باب ما جاء فی طلاق المعتوہ میں ہے هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا اِلَّا مِنْ سَنَدِ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ اِنَّ طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوبِ عَلٰى عَقْلِهٖ لَا يَجُوزُ اِلَّا اَنْ يَكُونَ مَعْتُوهًا يُفِيقُ الْاَحْيَانَ فَيُطَلِّقُ فِي حَالِ اِفَاقَتِهٖ ۔ یعنی امام ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کو ہم عطاء بن عجلان کی سند کے علاوہ مرفوع نہیں جانتے اور عطاء بن عجلان ضعیف حدیث کو بھولنے والے ہیں اور اصحاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اہل علم اور ان کے بعد والوں کا اس حدیث پر عمل ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق جائز نہیں مگر جبکہ اسے بعض اوقات افاقہ ہوتا ہو تو وہ بوقت افاقہ طلاق دے۔ چوتھا حوالہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جامع ترمذی سے حدیث اور امام ترمذی کا قول نقل کرنے کے بعد ساتھ ہی اس پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ یوں لکھتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ اِلَّا مَا رُوِيَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ قَالَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ النَّوَوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيفٌ نَقَلَهٗ مَيْرَكُ فَكَانَ التِّرْمِذِيُّ يُرِيدُ تَقْوِيَةَ الْحَدِيثِ بِعَمَلِ اَهْلِ الْعِلْمِ ۔

مرقات ج 2 ص 98 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے آئے تو جس حال پر امام ہو اس کے ساتھ شامل ہو جائے پھر اسی طرح کرے جس طرح امام کرتا ہو۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب

ہے۔ ہم کسی کو نہیں جانتے جو اس کی سند بیان کرتا ہو مگر وہی جو اس سند سے روایت کی گئی ہے اور کہا کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ اسناد اس کی ضعیف ہے۔ اسے میرک نے روایت کیا ہے۔ پس گویا کہ امام ترمذی اہل علم کے عمل کے ذکر سے حدیث کی تقویت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ پانچواں حوالہ:- حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

مِنْ جُمْلَةِ صِفَاتِ الْمَقْبُولِ الَّتِي لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهَا شَيْخُنَا اَنْ يَتَّفِقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى الْعَمَلِ بِمَدْلُولِ حَدِيثٍ فَاِنَّهٗ يُقْبَلُ حَتّٰى يَجِبَ الْعَمَلُ بِهٖ وَقَدْ صَرَّحَ بِذٰلِكَ جَمَاعَةٌ مِنْ اَئِمَّةِ الْاُصُولِ وَمِنْ اَمْثِلَتِهٖ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَا قُلْتُ مِنْ اَنَّهٗ اِذَا غُيِّرَ طَعْمُ الْمَاءِ وَرِيحُهٗ وَلَوْنُهٗ يُرْوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجْهٍ لَا يُثْبِتُ اَهْلُ الْحَدِيثِ مِثْلَهٗ وَلٰكِنَّهٗ قَوْلُ الْعَامَّةِ لَا اَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِيهِ خِلَافًا وَقَالَ فِي حَدِيثِ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ لَا يُثْبِتُهٗ اَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ وَلٰكِنَّ الْعَامَّةَ تَلَقَّتْهُ بِالْقَبُولِ وَعَمِلُوا بِهٖ حَتّٰى جَعَلُوهُ نَاسِخًا لِآيَةِ الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ ۔

النکت علی کتاب ابن الصلاح ج 1 ص 495 اور 494 مطبوعہ احیاء التراث۔ من جملہ صفات میں سے جن کے سبب حدیث مقبول ہوتی ہے ایک وہ صفت ہے جس کا ذکر ہمارے شیخ نے نہیں کیا یہ کہ علماء کا حدیث کے مدلول پر عمل میں اتفاق ہو جائے تو ایسی صورت میں حدیث قبول کی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے اور تحقیق اس کی تصریح ائمہ اصول میں سے ایک جماعت نے کی ہے اور اس کی مثالوں میں سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ فرمایا اور جو میں نے کہا کہ جب پانی کا مزا بو اور رنگ بدل جائے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جو محدثین کے نزدیک ثابت نہیں لیکن عامۃ العلماء کا یہی قول ہے اور میں ان کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں جانتا اور

جو ایک روایت میں آیا ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نہیں اہل علم اسے حدیث کے ساتھ ثابت نہیں کرتے لیکن عامۃ العلماء نے اسے قبول کیا ہے اور اس کے مدلول پر عمل کیا ہے یہاں تک کہ اسے وارث کیلئے وصیت کی آیت کا ناسخ ٹھہرایا ہے۔

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ ضعیف حدیث علماء کے عمل کرنے سے ضعف سے نکل کر قوی ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ علامہ نووی کے نزدیک بھی امام ترمذی کے کہنے کا کہ حدیث ضعیف ہے مگر اس پر اہل علم کا عمل ہے مقصد حدیث کی تقویت ثابت کرنا ہوتا ہے۔ مگر وہابی جی کی عادت ہے کہ جس بات کو خود نہ سمجھے اس کا سرے سے ہی انکار کر دیتا ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قاعدہ نمبر 4 کے 3٪ کے تحت لکھا ہے کہ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ اس پر غیر مقلد صاحب کا پہلا اعتراض۔ اکثر علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ کسی فرد کے مکاشفات الہامات منامات کو شرعی دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان سے شریعت مطہرہ کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث (من رانی فی المنام فقد رانی) کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان حالات اور تلبیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی کا اثبات جائز نہیں کیونکہ نیند کی حالت میں سننے والے کیلئے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی اور محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ راوی بیدار ہو نہ کہ وہ مغفل سئی الحفظ کثیر الخطاء اور مختل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی اس لئے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا ضبط مختل ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ص 18 ج 1) تقریباً انہیں الفاظ میں یہی بات ملا علی قاری حنفی شرح الفقہ میں اور علامہ عینی حنفی نے کہی ہے (کذا فی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص 153) محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خواب میں تصحیح کی نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کشف والہام سے بھی وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول

سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تصحیح حدیث کا دارومدار اسناد ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص 153) حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں گویا اجماع اہل شرع است برآنکہ ہیچ حکم از احکام شریعت بواقعات ومنامات احتیاط ثابت نمی شود (قرۃ العینین ص 326) ان عبارات اکابر سے یہ ثابت ہوا کہ خواب میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی فرمان سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ اس لئے نہیں کہ وہاں تلبیس کا کچھ اثر و دخل ہے اور نہ ہی نعوذ باللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان حجت نہیں بلکہ فقط اس لئے کہ نیند کی حالت میں انسان ضبط کے وصف کمال سے محروم ہوتا ہے اور حدیث کی سند کیلئے راوی کا ضابط ہونا بنیادی شرط ہے۔ (تام نہاد دین الحق ص 57 تا 58 الجواب) اولاً: جاء الحق سے زیر بحث عبارت میں نے اوپر لکھ دی ہے جو شاہد ہے وہابی صاحب نے جاء الحق کی عبارت نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے مگر وہابی صاحب نے خیانتاً تجربہ کا لفظ حذف کر دیا اور لکھ دیا علماء اور اولیاء کے کشف سے۔ ثانیاً مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو قاعدہ کے تحت یہ بیان کیا کہ حدیث موجود ہو لیکن ضعیف ہو تو وہ علماء کے تجربہ اور اولیاء کرام کے کشف سے قوی بن جاتی ہے مگر وہابی جی کی عقل کا تماشا دیکھو کہ اس کے جواب میں حوالے پیش کر رہا ہے۔ حدیث موجود نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی نے خواب میں فرماتے سنا تو اس سے شرعی حکم ثابت نہ ہو گا حالانکہ یہ وہابی صاحب کی طرف سے جواب نہیں بن سکتا۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ قاعدہ نمبر 5 کے تحت لکھتے ہیں، اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں آتا لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی ایک اسناد میں ضعف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح۔ اسی لئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرما دیتے ہیں هٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے، غریب بھی۔ امام ترمذی کے اس قول کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن

دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔ اس پر غیر مقلد صاحب کا اعتراض۔ مفتی صاحب نے مذکورہ عبارت میں امام ترمذی کے کلام سے جو مطلب کشید کیا وہ ان کی علم حدیث اور فنون اسلامیہ میں وسعت معلومات کی دلیل ہے اور گجرات کے بقلم خود حکیم الامت اور مفتی اعظم کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بدایونی صاحب غریب حدیث کہتے ہی اسے ہیں جس کی صرف ایک ہی سند ہو خود امام ترمذی سے ان کی عبارت کا معنی معلوم ہوا کہ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی حَدِیْثُ جَابِرٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی الْمَوَالِیْ وَهُوَ شَیْخٌ مَدِیْنِیٌّ ثِقَةٌ یعنی حدیث جابر حسن صحیح اور غریب ہے۔ ہم اسے نہیں جانتے مگر عبدالرحمٰن بن ابی موالی کی روایت سے وہ مدنی شیخ ثقہ ہیں۔ تو کیا مفتی صاحب مکتبہ فکر کے نام نہاد علماء اس کا اب بھی یہی مفہوم بیان کریں گے کہ یہ روایت تین سندوں سے مروی ہے۔ ایک میں حسن دوسری میں صحیح تیسری میں غریب۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات البریلویت۔ جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ خود فرما رہے ہیں کہ یہ صرف عبدالرحمٰن کے واسطے سے ہمیں پہنچی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 59 تا 60 الجواب) اولاً۔ وہابی جی یہ تو نحو کے ابتدائی طالب علم کو بھی معلوم ہے کہ مضاف پر الف لام نہیں داخل ہوتا جبکہ آپ کی گھڑی ہوئی عربی میں خرافات مضاف ہے اور البریلویت مضاف الیہ اور آپ نے خلاف قاعدہ مضاف پر الف لام داخل کر دیا ہے۔ یہ تمہارے علم نحو سے جاہل ہونے پر کھلی دلیل ہے۔ آپ کو میرا مشورہ ہے کہ ایسی خود ساختہ عربی اپنے جیسے وہابیوں ہی کو سنایا کریں تاکہ داد مل سکے اگر غیروں کو دکھاؤ یا سناؤ گے تو جہالت بے نقاب ہو جائے گی۔ ثانیاً۔ جب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حوالہ دیا تو اہل علم کو جاننے کیلئے کافی ہو گیا کیونکہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایسا کلام امام ترمذی کا جامع ترمذی میں ہی پایا جاتا ہے پھر وہابی صاحب کو امام ترمذی کا اسی طرح کا کلام اس کی جامع سے مل بھی گیا ہے پھر بھی اعتراض سے نہیں ٹلے۔ اپنی وہابی فطرت کا اظہار کر ہی دیا ہے۔ ثالثاً۔ اگر غیر مقلد کا مفتی صاحب پر یہ اعتراض کہ غریب حدیث کی کسی اعتبار سے دوسری سند

آ ہی نہیں سکتی درست ہو تو پھر یہی اعتراض امام ترمذی پر بھی ہو سکتا ہے اور اس کا مفتی صاحب پر صادر کردہ جہالت کا فتویٰ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی لاگو ہو سکتا ہے کیونکہ امام ترمذی نے متعدد مقام پر حسن صحیح اور غریب کہا ہے حالانکہ حسن میں متعدد سندیں ہونا شرط ہے۔ رابعاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر غیر مقلد کے اعتراض کی اصل وجہ قلت مطالعہ ہے ورنہ محدثین عظام نے تصحیح کی ہے کہ جب متن حدیث کے بیان کرنے میں ایک صحابی متعدد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے منفرد ہو تو متعدد کے اعتبار سے وہ حدیث حسن ہوگی اور ایک کے اعتبار سے غریب۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی میں ہے کہ قَوْلُهٗ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا اَیْ لَا مَتْنًا وَالْمُرَادُ بِهٖ حَدِیْثٌ یُعْرَفُ مَتْنُهٗ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَانْفَرَدَ وَاحِدٌ بِرِوَایَتِهٖ عَنْ صَحَابِیٍّ آخَرَ۔ یعنی امام ترمذی کا کہنا کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے غریب ہے مراد یہ ہے کہ متن کے لحاظ سے غریب نہیں مقصد اس سے یہ کہ حدیث کا متن جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے پہچانا جائے اور ایک راوی کسی دوسرے صحابی سے متن کے بیان میں منفرد ہو۔ صاحب مقدمہ تحفۃ الاحوذی نے اپنے بیان کی تائید کیلئے اسی جگہ تدریب الراوی سے یہ عبارت پیش کی ہے۔ قَالَ فِیْ تَدْرِیْبِ الرَّاوِیْ وَیُقْسَمُ اَیِ الْغَرِیْبُ اَیْضًا اِلٰی غَرِیْبٍ مَتْنًا وَاِسْنَادًا کَمَا لَوِ انْفَرَدَ بِمَتْنِهٖ رَاوٍ وَاحِدٌ وَاِلٰی غَرِیْبٍ اِسْنَادًا لَا مَتْنًا حَدِیْثٌ مَعْرُوْفٌ رُوِیَ مَتْنُهٗ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اِنْفَرَدَ وَاحِدٌ بِرِوَایَتِهٖ صَحَابِیٍّ آخَرَ وَفِیْهِ یَقُوْلُ التِّرْمِذِیُّ غَرِیْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔ یعنی تدریب الراوی میں فرمایا کہ حدیث غریب دو قسم پر منقسم ہوتی ہے۔ غریب متناً اور غریب اسناداً جیسا کہ کسی ایک راوی نے متن کو منفرد بیان کیا ہو اور دوسری قسم وہ اسناد غریب ہو متن حدیث غریب نہ ہو جیسے وہ معروف حدیث کہ اس کا متن جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہو اور کسی ایک راوی نے دوسرے صحابی سے اکیلے نے روایت کی ہو۔ اسی میں امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس طریق سے غریب ہے۔

الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے
مقدمہ پر امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت میں ایک اشکال کے جواب میں لکھتے
ہیں، اجتماع در حسن وصحت خود اشکالے ندارد کہ حسن لذاتہ باشد و صحیح لغیرہ چنانکہ گزشت
اما اجتماع غریب وحسن اشکال می آرند کہ ترمذی در حسن تعدد طرق اعتبار کردہ است وآن
در غرابت منافات دارد جواب میں گویند کہ اعتبار تعدد طرق در حسن نزد ترمذی مطلق
نیست بلکہ در قسمے از وست وانجا کہ حسن با غریب جمع کردہ مراد قسم دیگر است وبعض
گویند کہ اشارت باختلاف روایات کردہ کہ نزد بعض غریب ست ونزد بعض حسن۔ یعنی
حسن اور صحت میں اجتماع کچھ اشکال نہیں رکھتا۔ اس طرح کہ حسن لذاتہ ہو اور صحیح لغیرہ
ہو جیسا کہ پہلے گزرا مگر غریب اور حسن کے اجتماع میں لوگوں نے اشکال لایا ہے۔ بریں
وجہ کہ امام ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے اور اس اعتبار کا غریب میں جمع
ہونا منافات رکھتا ہے۔ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ امام ترمذی کے نزدیک حسن میں
تعدد طرق کا اعتبار مطلق نہیں بلکہ حسن کی قسم میں سے ہے اور اس جگہ کہ حسن کو غریب
میں جمع کیا ہے اس سے مراد دوسری قسم ہے یعنی جس میں تعدد طرق کا اعتبار نہیں اور
بعض نے کہا کہ اس سے امام ترمذی کی مراد روایات کے اختلاف کی طرف اشارہ کرنا
ہے کہ بعض محدثین کے نزدیک غریب اور بعض کے نزدیک حسن ہے۔ ان عبارات اور
غیر مقلد کے اعتراض کو پیش نظر رکھنے سے جہاں معترض کی علمی یتیمی کا پتہ چلا وہاں
مخدوم اہل سنت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے وسیع مطالعہ وتبحر علمی کا
مرتبہ واضح ہوا کہ آپ نے کس طرح وسعت نظری سے محدثین کرام کی اصطلاحات و
قواعد کو پیش نظر رکھ کر بیان فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اس مختصر بیان کے
بعد آگے چلتے ہوئے ہم جاء الحق سے قاعدہ نمبر 6 لکھتے ہیں اس قاعدہ کے تحت مفتی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کیلئے مضر نہیں لہٰذا اگر
ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف
شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح سند سے ملی ہو

آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہو۔ لہٰذا کسی وہابی کو یہ
ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا
اعتراض۔ مفتی صاحب کا چٹکلا باطل ہے کیونکہ ماحاصل اس کا یہ ہے کہ بعد کے زمانہ
میں ضعیف راویوں کا اسناد میں وجود ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ پہلے بھی تھا۔ اس
اصول اور مفتی صاحب کے خود ساختہ قانون سے لازم آئے گا کہ ہر وہ حدیث جو کہ
ضعیف ہے وہ صحیح ہے کیونکہ روایت کا ضعف کسی مجروح راوی کی وجہ سے آتا ہے۔
ضعیف راوی تابعی ہوگا یا غیر تابعی اگر بالفرض ضعیف راوی تابعی ہے تو کہا جا سکتا ہے
کہ یہ زمانہ صحابہ میں صحیح تھی کیونکہ ضعف تابعین کے دور میں آیا ہے۔ دوسری صورت
میں کوئی مجروح غیر تابعی ہوگا تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ تابعین میں صحیح تھی کیونکہ
ضعف زمانہ تابعین کے بعد آیا۔ الغرض اگر لازم باطل ہے تو ملزوم بھی باطل ہے۔
(تام نہاد دین الحق ص 60 الجواب) اولاً: حقیقۃً جو اعتراض غیر مقلد نے مفتی صاحب
رحمۃ اللہ علیہ پر کیا ہے اس کا کوئی وزن نہیں۔ اس کی بات میں وزن تب آتا کہ محدثین
کرام سے ثابت کرتا کہ بعد کا ضعف اس پہلے محدث ومجتہد کو مضر ہے جس نے اس
روایت کو دلیل بنایا ہو یہ ثابت نہ کرنا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہابی
جی کے ہاتھ دلیل سے خالی ہیں۔ ثانیاً۔ اس بانکو وہابی صاحب بھی مانتے ہیں کہ روایت
میں ضعف اس کے راوی کے ضعف کے سبب آتا ہے۔ اس ضعف کی علت یہ احتمال
ہے کہ کہیں راوی نے متن حدیث میں کچھ کمی یا زیادتی نہ کردی ہو تو جب ایسا ضعیف
راوی سند میں شامل نہ ہوا تو احتمال کس وجہ سے آئے گا۔ لہٰذا مفتی صاحب کا بیان کردہ
قاعدہ بالکل درست اور عام فہم مگر وہابیوں کی ہم نہ ماننے کے والی عادت کا کوئی علاج
نہیں۔ ثالثاً۔ وہابی صاحب کا یہ اعتراض بھی اس کی الٹی سوچ کا نتیجہ ہے کہ مفتی
صاحب کے بیان کردہ قانون سے لازم آتا ہے کہ ہر وہ حدیث جو ضعیف ہے وہ صحیح
ہے کیونکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ قاعدہ کا مفاد تو یہ ہے کہ جب تک
کسی حدیث کی سند میں مجروح راوی شامل نہ ہو وہ صحیح ہے اور اس قاعدہ کو بفضلہ تعالیٰ

سب غیر مقلد مل کر بھی غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ رابعاً وہابی صاحب نے پہلے تو مکاری سے ایسا لازم اپنے پاس سے گھڑا جس کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے کچھ واسطہ نہیں اور پھر خود ہی اس کو بطلان لازم کر دیا۔ یہ فریب کاری کی انتہا ہے۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض۔ فریق ثانی کو یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ جن روایات سے موجودہ دور کے حنفی استدلال کرتے ہیں وہ سب حقیقۃً امام ابوحنیفہ کو مل بھی گئی تھیں کیونکہ امام صاحب سے صحیح سند سے مروی ہے کہ اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ یعنی میرے قول کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے بالمقابل چھوڑ دیجئے آپ کے اس قول کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کو تمام احادیث نہیں ملی تھیں ورنہ امام کے قول کا کذب لازم آئے گا۔ (نام نہاد دین الحق ص 61 الجواب) اولاً: فقیر کہتا ہے کہ دلیل تو مدعی کے ذمہ ہوتی ہے لہٰذا آپ کو اپنا دعویٰ کہ جن احادیث سے موجودہ دور کے احناف استدلال کرتے ہیں یہ سب امام صاحب کو نہ ملی تھیں۔ اس پر دلیل پیش کرنی تھی ایسا نہ کرنا تمہارے دلیل سے خالی دامن ہونے کی دلیل ہے۔ ثانیاً وہابی صاحب امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے پر قیاس مت کرو کہ دعویٰ اہل حدیث ہونے کا کرو مگر علم حدیث کے لغوی و اصطلاحی معنی کا بھی نہ ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فقاہت و اجتہاد اور وسعت علمی کے اس بلند مقام پر فائز ہیں جس کا اعتراف و اقرار آئمہ مذاہب و فقہاء امت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ آپ کی عظمت و رفعت کے قصیدے پڑھے ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ثالثاً۔ امام صاحب کا ارشاد اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ بطور عاجزی و انکساری ہے۔ اس سے یہ دلیل لینا کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ احادیث جن سے احناف استدلال کرتے ہیں نہ پہنچی تھیں۔ عند العقل درست نہیں۔ اب ہم جاء الحق حصہ دوم کے مقدمہ سے قاعدہ نمبر 8 کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا

بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جائے گا اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔ اس پر وہابی کا پہلا اعتراض۔

جرح غیر مفسر کے بالمقابل بلاشبہ تعدیل معتبر ہوگی لیکن جہاں جرح مفسر ہو تو وہاں تعدیل غیر معتبر ہوگی۔ (نام نہاد دین الحق ص 68 الجواب) وہابی کان تو پکڑتے ہیں مگر الٹے ہاتھوں وہ یوں کہ مولانا مفتی نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو بلا قید و شرط مطلق فرمایا کہ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل کو مانا جائے گا نہ کہ جرح کو اب اس قاعدہ کو تو وہابی صاحب بھی مان گیا لیکن ساتھ ہی اپنی طرف سے جرح مفسر کی قید لگا کر اعتراض کی راہ بنا کر اعتراض کر دیا یہ اعتراض اس کا تب بنتا کہ مفتی صاحب نے کہا ہوتا کہ جرح مفسر کے مقابلہ میں بھی تعدیل کو مانا جائے گا۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض:۔ مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ اگر کسی راوی کا فسق واضح ہو جانے کے بعد کسی نے اسے متقی قرار دیا تو وہ متقی ہی ہوگا۔ بلاشبہ اگر کسی نے فسق سے توبہ کر لی ہے تو اس کی روایت قبول ہوگی مگر یہ کہ اس کا کذب احادیث میں ثابت نہ ہو ورنہ توبہ کے بعد بھی فاسق کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ الجواب۔ وہابی صاحب دھوکہ دہی و ہیرا پھیری میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو زیر بحث کلیہ کے تحت لکھا ہے اس کا مفاد تو یہ ہے کہ جب راوی کے ضعف پر محدثین کا اتفاق نہ ہو بلکہ اختلاف ہو تو دریں صورت جرح پر تعدیل کو ترجیح ہوگی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔ اب اگر وہابی جی کو اس کلیہ میں نقص نظر آتا تھا تو محدثین کے اقوال سے اسے ثابت کرتا جب یہ نہ ہو سکا تو اپنی طرف سے اضافہ کر ڈالا کہ فسق واضح ہو جانے کے بعد کسی نے اسے متقی قرار دیا تو متقی ہی ہوگا تاکہ لوگوں کو مغالطہ لگے کہ مفتی صاحب اس کے قائل ہیں کہ فسق واضح ہونے کے بعد کسی کے کہنے سے ثابت شدہ فسق چلا جائے گا اور تقویٰ آجائے گا حالانکہ اصل مقصد وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

وہابی صحابی صاحب کا تیسرا اعتراض۔ رہا مفتی صاحب کا فرمانا کہ مومن میں

تقویٰ اصل ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ یوں تو کافر میں بھی تقویٰ ہی اصل ہے (بخاری 181/1 ، مسلم 332/2) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ۔ (الحدیث) یعنی کوئی پیدا نہیں کیا جاتا مگر فطرت پر۔ اس حدیث کا واضح مفاد یہ ہے کہ ایک کافر بت پرست بھی فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے مگر کافر کفر کے غلبہ کی وجہ سے فطرت پر نہیں رہتا۔ اسی طرح فاسق بھی فسق کے غلبہ کی وجہ سے متقی نہیں رہتا۔ (نام نہاد دین الحق ص 168 الجواب)

غیر مقلد کے جاہلانہ اعتراض کے جواب

اس کے چند جوابات دیے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ اولاً۔ درحقیقت وہابی جی جہالت کی اس انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں کہ اسے فطرت اور تقویٰ میں فرق معلوم نہیں ہوسکا۔ تقویٰ اس کا نام ہے کہ عاقل بالغ مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کو بجالائے اور جس سے روکا اس سے باز رہے تو کیا نومولود بچے میں یہ شرائط عاقل و بالغ مسلم پائے جاتے ہیں کہ اسے متقی مانا جائے؟ مگر کیا کہنا ان نام نہاد اہل حدیثوں کا کہ صبیان کفار کا بھی تقویٰ مان رہے ہیں۔

ثانیاً:۔ مومن میں اصل تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ جب ایک مسلمان شریعت کے ظاہر پر چلتا ہے تو اسے متقی ہی مانا جائے گا پھر اگر اس کے تقویٰ و عدم تقویٰ کا دعویٰ ہوا اور ترجیح دینے کو کوئی مرجح بھی نہیں ملتا تو دریں صورت اصل کو ترجیح دیں گے اور وہ تقویٰ ہے۔ ثالثاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ مومن میں تقویٰ اصل ہے اس کی بنا قرآن وحدیث ہے۔ سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ (اے ایمان والو زیادہ گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں)۔ اسی کی زیر تفسیر درالمنثور میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد یوں منقول ہے قَالَ نَھَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنَ اَنْ یَّظُنَّ بِالْمُؤْمِنِ سُوْءً ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومن کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مومن کے متعلق برا گمان رکھے۔ اب ظاہر

ہے کہ بدظنی تقویٰ کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ اسی آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ وَلَا تَظُنَّنَّ بِکَلِمَۃٍ خَرَجَتْ مِنْ اَخِیْکَ الْمُؤْمِنِ اِلَّا خَیْرًا ۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو بول تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے نکلا اس کے متعلق سوا نیک گمانی کے کچھ نہ سوچ۔ رابعاً۔ وہابی جی کا فرمان کہ کافر کفر کے غلبہ کیوجہ سے فطرت پر نہیں رہتا۔ اسی طرح فاسق بھی فسق کے غلبہ کی وجہ سے متقی نہیں رہتا۔

جواب:۔ اسی لئے تو ہم کہہ رہے ہیں کہ وہابی صاحب میں عقل کی بہت کمی ہے۔ بات سمجھے بغیر اعتراض تھوپ دیتے ہیں کسی نے دعویٰ کیا بھی ہے کہ مسلمان فاسق ثابت ہونے کے باوجود متقی ہی رہتا۔ بات تو یہ تھی کہ راوی پر جرح و تعدیل میں اختلاف کی صورت میں تعدیل معتبر ہوگی اس میں یہ بھی لازم نہیں کہ جرح کا تعلق راوی کے فسق سے ہو کیونکہ کبھی جرح راوی کے حافظہ کے متعلق ہوتی ہے اور حافظہ کمزور ہونا فسق نہیں۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ جاء الحق کے قاعدہ نمبر 9 کے تحت لکھتے ہیں:۔

کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں لہٰذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے ہوسکتا ہے کہ وہ حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت سے درجے ہیں۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض، یہاں ہوسکتا ہے سے بات نہیں بنے گی صریحاً دلیل پیش کی جائے۔ (نام نہاد دین الحق ص 169 الجواب)

اولاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک کلیہ بیان کر دیا کہ کسی محدث کے کہنے سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضعیف ہے ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ اب وہابی کو اگر مذکورہ کلیہ پر اعتراض تھا تو دلیل سے اس کا نقص ثابت کرتے یہ تو ہو نہیں سکا خواہ مخواہ ادھر ادھر کی مار کر فضول صفحے سیاہ کر ڈالے۔ ثانیاً۔ اب ہم مفتی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلیہ کی صحت واضح کرنے اور غیر مقلد کا اعتراض بلا جواز ثابت کرنے کو ایک مثال یوں دیتے ہیں۔

جب ایک ذات کی متعدد صفات ہوں اعلیٰ۔ اوسط۔ ادنیٰ تو اعلیٰ کی نفی اوسط کی نفی کو لازم نہیں ہوگی کہ کوئی کہے اب اس میں صرف ادنیٰ صفت ہی باقی ہے جیسے کہ کوئی کہے زید جید عالم نہیں اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ جاہل ہے بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اسے کثیر علوم دینی پر عبور حاصل نہیں کچھ پر ہے ایسے ہی حدیث کے اعلیٰ درجہ صحت کی نفی سے اوسط درجہ حسن کی نفی لازم نہیں آئے گی۔ ثالثاً اب ہم بفضلہٖ تعالیٰ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف دلائل سے ثابت کرکے غیر مقلد کا مطالبہ پورا کر دیتے ہیں۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی میں ہے کہ۔ قَوْلُهٗ بَعْدَ ذِكْرِ الْحَدِيْثَيْنِ أَوِ الْقَوْلَيْنِ هٰذَا اَصَحُّ مِنْ ذٰلِكَ ظَاهِرُ مَعْنَاهُ اِنَّ الْحَدِيْثَيْنِ أَوِ الْقَوْلَيْنِ كِلَيْهِمَا صَحِيْحَانِ لٰكِنَّ هٰذَا اَقْوٰى وَاَثْبَتُ مِنْ ذٰلِكَ۔ یعنی دو حدیثیں یا دو قول ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی کا کہنا کہ یہ اس سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ بلاشبہ دونوں حدیثیں یا دونوں قول صحیح ہیں لیکن یہ از روئے صحت اقوی و اثبت ہے۔

اسی طرح علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اپنی الموضوعات الکبریٰ کے ص 72 پر زیر شرح اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ۔ محدثین کرام کے اقوال یوں لکھتے ہیں۔ سُئِلَ عَنْهُ الْحَافِظُ الْعَسْقَلَانِيُّ فَاَجَابَ بِاَنَّهٗ حَسَنٌ وَلَا صَحِيْحٌ كَمَا قَالَ الْحَاكِمُ وَلَا مَوْضُوْعٌ كَمَا قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيُّ وَذَكَرَهُ السُّيُوْطِيُّ وَقَالَ الْحَافِظُ اَبُوْسَعِيْدِ الْعَلَائِيُّ اَلصَّوَابُ اَنَّهٗ حَسَنٌ بِاِعْتِبَارِ طُرُقِهٖ لَا صَحِيْحٌ وَلَا ضَعِيْفٌ فَضْلًا عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ مَوْضُوْعًا ذَكَرَهُ الزَّرْكَشِيُّ ۔ یعنی حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے جواب میں کہا بلاشبہ یہ حدیث حسن ہے مگر صحیح نہیں جیسا کہ حاکم نے فرمایا کہ موضوع نہیں اسی طرح ابن جوزی نے کہا جسے علامہ سیوطی نے بیان کیا اور حافظ ابو سعید علائی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ حدیث طرق کے اعتبار سے حسن ہے، صحیح یا ضعیف نہیں چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے اسے علامہ زرکشی

نے بیان کیا۔ اس بیان سے اظہر من الشمس ہوا کہ کسی محدث کے لا یصح کہنے سے حدیث میں ضعف لازم نہیں آتا دیکھیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ صحت کے انکار کے ساتھ حسن کا اعتراف کر رہے ہیں یہ تو نہ کہا کہ اب یہ حدیث ضعیف ہے اسی طرح حافظ ابو سعید علائی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرما دیا کہ اسناد کے اعتبار سے حدیث حسن ہے صحیح یا ضعیف نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدم صحت ضعف کو لازم نہیں کرتی۔ امکان حسن باقی رہتا ہے یہی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے جس کا غیر مقلد جہالت یا ضد و تعصب کی بنا پر انکار کر رہا ہے۔ اب مقدمہ جاء الحق سے قاعدہ نمبر 10 کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح حدیث کا دارومدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں ہمارا ایمان حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ بخاری میں ہو نہ ہو۔ تعجب ہے غیر مقلدوں پر کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو تو شرک قرار دیتے ہیں مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ واضح رہے کہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قاعدہ کو غیر مقلد نے من و عن قبول کر لیا ہے۔ ساتھ ہی اپنی عادت پوری کرنے کو الزام لگایا ہے کہ مفتی صاحب نے اس قاعدہ کے تحت مجہول بحث کی ہے۔ اس کا انصاف قارئین خود کریں گے کہ کیا یہ بحث مجہول ہے یا واضح المفہوم ہے پھر وہابی صاحب سے پوچھیں کہ مجہول بحث تو وہ ہے جس کا اتا پتہ نہ چلے۔ اگر تمہیں مضمون کا پتہ نہیں چلا تو من و عن قبول کیسے کر لیا۔ امنا وصدقنا تب کہا جاتا ہے جب یقین کا فائدہ حاصل ہو۔ اب مقدمہ جاء الحق حصہ دوم سے قاعدہ نمبر 11 ملاحظہ ہو۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر

کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہوجائے گی۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں وَاِنِّیْ اِذَا اَسْنَدْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْهِمْ كَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کردیا تو گویا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کردیا۔ ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں کوئی ضعیف نہیں ہوسکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے۔ ان کو علماء و فقہاء نے قبول فرمالیا ہے۔ ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیونکہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنادیتی ہے۔

الجواب:- مفتی صاحب کی یہ بدایونی دریافت بھی نرالی ہے اور اس سے صحیح حدیث کے انکار کا چور دروازہ تلاش کرنا مقصود ہے ورنہ ایک اناڑی بھی بادی النظر میں تاڑ جاتا ہے کہ روایت میں ضعف تو آتا ہے۔ راوی ضعیف ہونے کی وجہ سے ہے فقہی کا عمل راوی کے نقصان ضعف کو کیسے دور کرسکتا ہے علماء بریلی کو اگر اسباب شکم پروری سے فرصت ملے تو ان کے نام دعوت فکر ہے کہ قاضی کے روبرو اگر گواہ جھوٹی گواہی دے اور قاضی اسے سچی گواہی جان کر قبول کرے تو کیا محض قاضی کے قبول سے جھوٹے گواہ کی گواہی بھی قبول ہوجائے گی کہ ایک عالم و قاضی نے اس کی گواہی کو قبول کرلیا اگر آپ قاضی کے قبول کرنے کی وجہ سے ایک جھوٹے گواہ کی گواہی کو سچ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تو ہم ایک غیر معصوم عالم دین کی وجہ سے ضعیف و کمزور بلکہ متروک وضاع اور کاذب کی حدیث کو کیسے قبول کرلیں۔

(نام تہاد دین الحق ص 69 تا 70)

وہابی صاحب کا قاعدہ مسلمہ سے انکار

غیر مقلد کے مذکورہ اعتراض کے بتوفیق اللہ تعالیٰ چند جواب ملاحظہ ہوں اولاً

قاعدہ مسلمہ اور بیان حقیقت کو بدایونی دریافت کہنا وہابی جی کی تعصبانہ زبان ہے اور یہ کہنا کہ فقہی کا عمل راوی کے نقصان ضعف کو دور کیسے کرسکتا ہے۔ خیانت سے مخلوط جہالت ہے۔ خیانت اس لئے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فقہی کا عمل نہیں کہا بلکہ عالم فقیہ محدث مجتہد کہا ہے جہالت اس لئے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی محدث کے نزدیک کوئی راوی ضعیف ہونا آسمانی خبر تو ہوتی نہیں کہ اسے نص قطعی کا درجہ دیا جائے ضعف و صحت کا حکم تو قرآئن و معلومات کی بنا پر کیا جاتا لیکن کبھی یہ قرآئن و معلومات نفس الامر میں کل یا بعض درست نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اس حقیقت کا اظہار ملاں علی قاری علیہ رحمۃ الباری اپنی الموضوعات الکبری میں یوں فرماتے ہیں:

ثُمَّ مَا اخْتَلَفُوْا فِیْ اَنَّهٗ مَوْضُوْعٌ تَرَکْتُ ذِکْرَهٗ لِلْحَذْرِ مِنَ الْخَطَرِ لِاحْتِمَالِ اَنْ یَّکُوْنَ مَوْضُوْعًا مِنْ طَرِیْقٍ وَ صَحِیْحًا مِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ فَاِنَّ هٰذَا کُلَّهٗ لِحَسَبِ مَا یَظْهَرُ لِلْمُحَدِّثِیْنَ مِنْ حَیْثُ نَظَرِهِمْ اِلَی الْاَسْنَادِ وَاِلَّا فَلَا مَطْمَعَ لِلْقَطْعِ فِیْ مَقَامِ الْاَسْنَادِ لِتَجْوِیْزِ الْعَقْلِ اَنْ یَّکُوْنَ الصَّحِیْحُ فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ ضَعِیْفًا اَوْ مَوْضُوْعًا وَالْمَوْضُوْعُ صَحِیْحًا مَرْفُوْعًا اِلَّا الْحَدِیْثُ الْمُتَوَاتِرُ فَاِنَّهٗ فِیْ اِفَادَةِ الْعِلْمِ الْیَقِیْنِیِّ یَکُوْنُ مَقْطُوْعًا.

یعنی جس کے موضوع ہونے یا نہ ہونے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے میں نے احتیاطاً اس کا ذکر چھوڑ دیا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ایک طریق سے موضوع لگتی ہو مگر دوسری سند سے صحیح ہو پس بے شک یہ سب (صحت یا عدم صحت کا جو حکم کیا جاتا ہے) اس اعتبار پر ہے جو محدثین پر اسناد میں غور و فکر کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ اسناد کے مقام میں قطعی و حتمی فیصلہ نہیں ہوتا کیونکہ عقلاً ممکن ہے کہ جسے صحیح کہا نفس الامر میں ضعیف یا موضوع ہو اور جسے موضوع کہا صحیح مرفوع ہو مگر حدیث متواتر میں کچھ مسموع نہ ہوگا کیونکہ وہ علم یقینی و قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ مذکورہ حوالہ سے واضح ہوا کہ محدث کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا یہ لازم نہیں کرتا کہ حقیقت میں بھی وہ حدیث ایسے

ہی ہو ممکن ہے کہ نفس الامر میں صحیح یا حسن ہو لہٰذا اگر کسی محدث نے ایک حدیث کو ضعیف کہا اور کسی عالم فقیہ محدث مجتہد نے اس پر عمل کیا تو اس کا ثبوت ہے کہ اس کی تحقیق میں وہ حدیث ضعیف نہیں ورنہ اس پر عمل نہ کرتا اور صرف محدث کی تحقیق پر محدث فقیہ مجتہد کی تحقیق کو فوقیت حاصل ہے۔ یہی مقصد مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تو پھر یہ بدایونی دریافت کیسے ہوئی۔ ثانیاً جس میں بیک وقت اتنے اوصاف جمع ہوں کہ وہ عالم فقیہ محدث مجتہد ہو وہ تو امام ہونے کی لیاقت رکھتا ہے اور آئمہ کرام کی یہ شان ہے کہ اگر ایک سے ایک امام بھی روایت کرے تو وہ حدیث غریب میں شمار نہ ہوگی۔ چنانچہ حافظ احمد بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا الْمُسَلْسَلُ بِالْاَئِمَّةِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِيْنَ حَيْثُ لَايَكُوْنُ غَرِيْباً كَالْحَدِيْثِ الَّذِيْ يَرْوِيْهِ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَثَلاً وَيُشَارِكُهُ فِيْهِ غَيْرُهٗ عَنِ الشَّافِعِيِّ وَيُشَارِكُهٗ غَيْرُهٗ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَاِنَّهٗ يُفِيْدُ الْعِلْمَ عِنْدَ سَامِعِهٖ بِالْاِسْتِدْلَالِ مِنْ جِهَةِ جَلَالَةِ رُوَاتِهٖ وَاَنَّ فِيْهِمْ مِنَ الصِّفَاتِ اللَّائِقَةِ الْمُوْجِبَةِ لِلْقَبُوْلِ مَايَقُوْمُ مَقَامَ الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنْ غَيْرِهِمْ. (نخبة الفكر ص 27)

یعنی صحیح حدیث کی اقسام میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کا تسلسل ائمہ حفاظ متقنین سے ہو وہ غریب نہ رہے گی مثلاً وہ حدیث جسے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا اور پھر اپنے ساتھ امام شافعی کو شامل کرلیا اور انہوں نے اپنے ساتھ امام مالک بن انس کو شریک کرلیا پس بلاشبہ یہ حدیث راویوں کی جلالت و عظمت کی وجہ سے سامع کو استدلال کرنے میں علم یقینی کا فائدہ دے گی کیونکہ ان میں وہ صفات لائقہ ہیں جو قبولیت کو لازم کرتی ہیں جو ان کے غیر کے مقابلہ میں عدد کثیر کے قائم مقام ہیں۔

الغرض ہم نے یہ ثابت کرنا تھا اگر ایک امام سے ایک امام بھی روایت کرے تو وہ حدیث غریب اور ضعیف نہیں رہتی بلکہ حجت و یقین کا فائدہ دیتی ہے تو مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تو حدیث میں حصول قوت کیلئے امام فقیہ مجتہد کے عمل کی قید لگا

رہے ہیں پھر بھی وہابی صاحب ماننے کو تیار نہیں یہ ضد یا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ ثالثاً وہابی کا یہ کہنا قاضی اگر جھوٹی گواہی قبول کرلے تو محض قبول کرلینے سے جھوٹی گواہی سچی نہ ہوگی۔ جواب فقیر کہتا ہے کہ یا تو غیر مقلد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ قاعدہ سمجھا ہی نہیں یا پھر خواہ مخواہ غلط بیانی پر تلا ہوا ہے کیونکہ ضعیف روایت کے قوی ہونے کا یہ معنی نہیں کہ نفس الامر میں بھی ضعیف تھی بلکہ یہ مراد ہے کہ ضعف کے ساتھ صحت کا بھی امکان موجود تھا تو فقیہ محدث مجتہد کے عمل نے صحت کی تائید کردی لہٰذا اس میں اجتماع ضدین نہ ہوا مگر غیر مقلد نے جو اس قاعدہ کو غلط ثابت کرنے کو مثال گھڑی اس میں اجتماع ضدین لازم آتا ہے جو محض باطل ہے اس لئے کہ جو گواہی نفس الامر میں ہی جھوٹی تھی اس کا سچا ہونا اجتماع ضدین ہے گو کہ مقیس جھوٹی گواہی اور مقیس علیہ ضعیف مع الامکان صحت میں علت مشترک نہیں لہٰذا قیاس مع الفارق ہوا جو باطل ہے مگر ان چیزوں کو وہابیوں کی بلا جانے جو اجتہاد و قیاس کے ہی منکر ہیں۔

وہابی صاحب نے دوسرے اعتراض کے ضمن میں لکھا ہے کہ خطیب تبریزی نے یہ کہاں لکھا ہے کہ کوئی عالم دین جب کسی حدیث پر عمل کرے تو وہ قوی بن جاتی ہے۔

الجواب اولاً۔ وہابی جی یہ تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں لکھا کہ کوئی عالم دین عمل کرلے تو حدیث قوی بن جاتی ہے۔ مفتی صاحب نے کہا ہے کہ عالم فقیہ محدث و مجتہد کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہوجاتی ہے۔

ثانیاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب مشکوٰۃ کی عبارت سے جو اپنے موقف پر استدلال کیا اور معنی بیان فرمایا درست اور آپ کی ذہانت و فطانت پر دلیل ہے۔

وضاحت اس اجمال کی یہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا جب میں نے حدیث کی نسبت ان ائمہ محدثین کی طرف کردی تو گویا کہ میں نے اس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کردی۔ واس کے دو مفاد ہیں ایک یہ کہ اب ہمیں اسناد میں نظر و فکر کی حاجت نہیں کیونکہ ان ائمہ حدیث کی اسناد میں نظر ہمیں کفایت کرتی ہے جب کہ کتب علماء میں

شہرت پا چکی ہیں۔ دوم یہ کہ ائمہ حفاظ محدثین میں سے کسی کا اپنے اصول و شرائط کے ساتھ کسی حدیث کو قبول کر لینا ہی اس کی صحت و قوت کی دلیل ہے تو یہی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فقیہ محدث مجتہد کا کسی حدیث کو بلا اعتراض قبول کر کے اس پر عمل کرنا اس کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اب جاء الحق سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ قاعدہ نمبر 12 ملاحظہ ہو۔ اگر قرآن و حدیث میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنا چاہئیں کہ جس سے دونوں میں موافقت ہو جائے تعارض جاتا رہے۔ ایسے ہی اگر حدیثیں کہ آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالفت نہ رہے اور سب پر عمل ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔ لیکن حدیث شریف میں ہے لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ حدیث اس آیت کے مخالف معلوم ہوتی ہے لہٰذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی مطلقاً قرأت نماز میں فرض ہے اور سورۃ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا نیز رب فرماتا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو لیکن حدیث شریف میں ہے لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے لہٰذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کیلئے ہے۔ مقتدی کو امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرأت ہے غرض کہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنے سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ہے کہ کسی طرح مطابقت ہو نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی یہ حدیث منسوخ مانی جائے گی یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی خصوصیت میں شمار ہوگی اس کی بہت مثالیں ہیں۔ مذکورہ قاعدہ پر وہابی مصنف کا پہلا اعتراض۔ کیا قرآن و حدیث میں تعارض ہے؟ مفتی صاحب نے قاعدہ نمبر 12 کے تحت لکھا ہے کہ قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو موافقت کیلئے حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے حدیث قرآن کے موافق ہو۔ پھر آگے مثال دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر حدیث قرآنی آیت کے موافقت نہ ہو تو یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی یا منسوخ مانی جائے۔ حالانکہ بات صاف اور سیدھی تھی کہ قرآنی آیت کا جو معنی و مفہوم صاحب قرآن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کر دیا ہے وہی مراد قرآنی ہے کسی نام نہاد مفسر قرآن کی تفسیر بالرائے کی وجہ سے فرمان نبوی کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ (نام نہاد دین الحق ص 72 الجواب) اولاً۔ وہابی صاحب نے خیانتاً جاء الحق کی عبارت کو اس طرح توڑ مروڑ کر لکھا ہے کہ دھوکہ دہی کی راہ بن سکے جس کو حقیقت مطلوب ہو ہم نے ابھی پیچھے جاء الحق کے قاعدہ نمبر 12 کو لکھ دیا ہے ملاحظہ کرے۔

ثانیاً:- وہابی جی کا یہ کہنا کہ قرآنی آیت کا جو معنی و مفہوم صاحب قرآن نے بیان کر دیا ہے وہی مراد قرآنی ہے کسی نام نہاد مفسر قرآن کی تفسیر بالرائے کی وجہ سے فرمان نبوی کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ فقیر کہتا ہے وہابی صاحب اس کا تو کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا کہ آیت قرآنی کی تفسیر میں حدیث موجود ہو اسے چھوڑ کر مفسر کی بات کو عمل میں لایا جائے بات تو تعارض کی ہے کہ جب قرآنی آیت اور حدیث کے درمیان تعارض معلوم ہو اور مطابقت کی کوئی راہ نظر نہ آئے تو پھر ترجیحاً آیت پر عمل کریں گے اور اس حدیث کو عمل میں نہ لائیں گے۔ اگر حدیث کا زمانہ آیت سے پہلے ہے تو حدیث کو منسوخ سمجھا جائے گا ورنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاصہ یہ بات وہابی صاحب کی عقل میں آئی نہیں تو خواہ مخواہ اعتراض کر دیا۔ ثالثاً۔ معترض جس جاء الحق پر اعتراض کر رہا ہے اگر اس کے حصہ اول کا بھی مطالعہ کر لیتا تو اس پر واضح ہو جاتا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں کہ قرآن کی تفسیر بالحدیث کو چھوڑ کر کسی مفسر کی بات کو مانا جائے چنانچہ آپ جاء الحق حصہ اول کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ قرآن کی تفسیر

اپنی رائے سے کرنا حرام ہے بلکہ اس کیلئے نقل کی ضرورت ہے۔ اسی صفحہ پر کچھ آگے
چل کر فرماتے ہیں تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں تفسیر بالقرآن یہ سب سے مقدم ہے
اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحب
قرآن ہیں ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ ہے پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول
سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین
کے قول سے یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر۔ اس عبارت کے مطالعہ سے
قارئین بخوبی جان جائیں گے کہ غیر مقلد کے اعتراض میں حقیقت نام کی کوئی چیز
نہیں۔ رابعاً۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے قاعدہ نمبر 12 کے ضمن میں جو
بیان فرمایا اہل اصول کے ہاں قاعدہ مسلمہ ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الاتقان
فی علوم القرآن جلد ثانی ص 64 پر فرماتے ہیں۔

نصوص میں تعارض کے وقت حکم

قَالَ الْاُسْتَاذُ اَبُوْ اِسْحٰقَ الْاِسْفِرَائِنِیُّ اِذَا تَعَارَضَتِ الْاٰیَتٰنِ وَتَعَذَّرَ
فِیْهَا التَّرْتِیْبُ وَالْجَمْعُ طَلَبَ التَّارِیْخَ تُرِكَ الْمُتَقَدِّمُ بِالْمُتَاخِرِ
وَیَكُوْنُ ذٰلِكَ نَسْخًا .

استاد ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا کہ جب دو آیتیں آپس میں متعارض ہوں اور
ان میں مطابقت وموافقت دشوار ہوجائے تو تاریخ کو دیکھا جائے اور پہلی کے عمل کو بعد
والی کے ساتھ ترک کردیا جائے اور یہ نسخ ہوجائے گا یاد رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ
علیہ نے تو فرمایا تھا جب آیت قرآنی اور حدیث کے درمیان اتفاق ممکن نہ رہے تو
حدیث کو چھوڑ کر قرآنی آیت پر عمل کیا جائے گا۔ اس پر مخالف شور مچا رہا تھا اب مذکورہ
صورت میں تو آیت قرآنی چھوڑنے کا ثبوت ہے کیونکہ بوقت مجبوری ہی چارا ہے۔
دوسرا حوالہ۔ التوضیح مع التلویح ج ثانی باب المعارض میں ہے۔

اِذَا وَرَدَ دَلِیْلَانِ یَقْتَضِیْ اَحَدُهُمَا عَدَمَ مَا یَقْتَضِیْهِ الْاٰخَرُ فِیْ مَحَلٍّ
وَاحِدٍ فِیْ زَمَانٍ وَاحِدٍ فَاِنْ تَسَاوَیَا قُوَّةً اَوْ یَكُوْنُ اَحَدُهُمَا اَقْوٰی

بِوَصْفٍ هُوَ تَابِعٌ فَبَیْنَهُمَا مُعَارِضٌ وَالْقُوَّةُ الْمَذْكُوْرَةُ رُجْحَانٌ وَاِنْ
كَانَ اَقْوٰی بِمَا هُوَ غَیْرُ تَابِعٍ لَا یُسَمّٰی رُجْحَانًا .

یعنی جب دو دلیلیں ایک محل اور ایک وقت میں وارد ہوں ایک نفی کرتی ہو جس
کے ثبوت کا دوسری تقاضا کرتی ہے تو اگر قوت میں دونوں برابر ہوں یا ایک دونوں میں
سے ایسے وصف کے ساتھ قوی ہو جو تابع ہے پس دونوں کے درمیان معارض کیلئے
مذکورہ قوت ترجیح ثابت کردے گی اور اگر غیر تابع وصف کے ساتھ اقوی ہو تو اسے ترجیح
نہیں کہا جائے گا۔ تیسرا حوالہ اسی توضیح کی شرح تلویح میں ہے کہ:

فَفِی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ . اَیْ مُعَارَضَةُ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
بِالسُّنَّةِ یُحْمَلُ ذٰلِكَ عَلٰی نَسْخِ اَحَدِهِمَا الْاٰخَرَ اِذْ لَا تَنَاقُضَ بَیْنَ
اَدِلَّةِ الشَّرْعِ لِاَنَّهٗ دَلِیْلُ الْجَهْلِ . وَاعْلَمْ اَنَّ فِی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
حَقِیْقَةَ التَّعَارُضِ غَیْرُ مُحَقَّقَةٍ لِاَنَّهٗ اِنَّمَا یَتَحَقَّقُ التَّعَارُضُ اِذَا اتَّحَدَ
زَمَانُ وُرُوْدِهِمَا وَلَا شَكَّ اَنَّ الشَّارِعَ تَعَالٰی تَقَدَّسَ مُنَزَّهٌ عَنْ تَنْزِیْلِ
دَلِیْلَیْنِ مُتَنَاقِضَیْنِ فِیْ زَمَانٍ وَاحِدٍ بَلْ یُنَزِّلُ اَحَدَهُمَا سَابِقًا وَالْاٰخَرَ
مُتَاَخِّرًا نَاسِخًا لٰكِنْ لَمَّا جَعَلْنَا الْمُتَقَدِّمَ وَالْمُتَاَخِّرَ تَوَهَّمْنَا
التَّعَارُضَ لٰكِنْ فِی الْوَاقِعِ لَا تَعَارُضَ .

پس کتاب میں تعارض اور سنت میں یعنی کتاب کا کتاب کے ساتھ اور سنت کا
سنت کے ساتھ تعارض۔ دونوں میں سے ایک کو نسخ پر محمول کیا جائے گا کیونکہ شرع کی
دلیلوں میں حقیقی تعارض نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ جہالت کی علامت ہے۔ جاننا چاہئے
کہ کتاب اور سنت میں تعارض حقیقتاً تعارض غیر محقق ہے کیونکہ تعارض تو تب ثابت ہوگا
جب دونوں دلیلوں کا زمان ایک ہو اور اس میں شک نہیں شارع سبحانہ تعالیٰ پاک ومنزہ
ہے کہ دو مخالف دلیلیں ایک ہی زمان میں اتارے بلکہ ایک پہلے اتاری ہوگی۔ دوسری
بعد میں اور بعد کی پہلی کی ناسخ ہوگی لیکن ہم جب متقدم ومتاخر کو دیکھا تو تعارض معلوم
ہوا اگر حقیقت میں تعارض نہیں ہوتا۔ مذکورہ تینوں حوالوں سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے زیر بحث قاعدہ کی حقانیت اور غیر مقلد کے اعتراض کا ابطال ثابت ہوا۔ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قاعدہ نمبر 12 کے توڑنے کیلئے وہابی مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سورۃ النساء کی آیت (23) میں اللہ تعالیٰ جن عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے ان سے بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی بھی عورت حرام نہیں ہے حالانکہ احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ اپنی بیوی کی پھوپھی اور خالہ بھی حرام ہے اور بیوی کی موجودگی میں ان سے نکاح نہیں کرسکتا۔

(بخاری مسلم مشکوٰۃ کتاب النکاح باب المحرمات) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رضاعی ماں اور دودھ شریک بہن سے نکاح حرام ہے لیکن اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے زائد حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز بسبب نسب کے حرام ہے وہی چیز رضاعت سے بھی حرام ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ان کے مقلدین کا مذہب ہے۔ اب انصاف سے کہنا کہ یہاں قرآن پر عمل کا جھوٹا دعویٰ کہاں چلا گیا اور کیوں حدیث کو منسوخ جان کر قرآنی حکم کو تسلیم نہیں کیا گیا اور کیوں اپنے وضع کردہ اصول کو ترک کر دیا گیا کہ آیت قطعی ہوتی ہے۔ حدیث ظنی قطعی کے ہوتے ہوئے ظنی پر عمل جائز نہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص 72 الجواب) وہابی صاحب نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قاعدہ کے توڑ پر جو بے تکی بحث کی اس سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کو سمجھ ہی نہیں سکا ورنہ ایسی بے تکی بحث و بے جوڑ دلیلیں نہ لاتا۔ مفتی صاحب نے تو یہ بیان فرمایا کہ بوقت تعارض جب کسی طرح آیت و حدیث میں مطابقت نہ ہو سکے تو معارضہ حدیث چھوڑ کر حکم قرآنی پر عمل کریں گے وجہ بھی بیان کی کہ ممکن ہے کہ حدیث منسوخ ہو۔ یہ اس وقت ہے جبکہ آیت کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو۔ ثابت ہو تو تعارض نہ رہا۔ اب مقتضائے حدیث پر عمل کیا جائے گا اور جس آیت و احادیث کا سہارا لے کر مخالف مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کا نقض ثابت کر رہا ہے کہ یہاں قاعدہ پر عمل کرتے

ہوئے احادیث کو چھوڑ کر آیہ قرآنی پر عمل کیوں نہیں کیا گیا وہاں تو آیت و احادیث میں سرے سے تعارض ہی نہیں۔ وہاں تو یہ بات ہے کہ جس حکم سے کلام اللہ نے توقف کیا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بیان کر دیا تعارض تو تب ہوتا ہے کہ دو شرعی دلیلوں کا مقتضاء ایک دوسرے کے خلاف ہو نیز وہابی صاحب کا اس بات کو مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا کہ حدیث ظنی ہوتی ہے اس کی اپنی کذب بیانی یا جہالت ہے۔ مفتی صاحب اس کے قائل نہیں کہ حدیث مطلقاً ظنی ہے حدیث کے ذریعے تو ہم نے اللہ تعالیٰ کو مانا اس کے قرآن کو اور ضروریات ایمان کو مانا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بولنا بھی وحی خدا تعالیٰ ہے۔ اس میں ظن کا احتمال نہیں اگر ظن کا احتمال آتا ہے تو رواۃ حدیث کے سبب آتا ہے مگر اس پر تو امت کا اتفاق و اجماع ہے کہ حدیث متواتر قطعیت و یقین کا فائدہ دیتی ہے اس میں ظن و احتمال کو راہ نہیں پھر حدیث مطلقاً ظنی کیسے ہو سکتی ہے۔

اب جاء الحق سے قاعدہ نمبر 13 ملاحظہ ہو۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کیلئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کا دارومدار روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا مگر حنفیوں کیلئے کچھ مضر نہیں کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں ہاں امام کی دلیل قرآن حدیث ہیں مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسناد میں یہ نہ تھی جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں ڈالے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدیت رب کا عذاب۔

غیر مقلد کا اس پر اعتراض۔ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ضعف سے ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ جان من ضعیف روایت ہمارا مذہب نہیں ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے پہلے ہی ہمارا مذہب نہ تھی۔ فنا وجود کے بعد ہے جب وجود نہ تھا یعنی ہمارا مسلک ہی نہ تھا تو فنا کیسے ہوا؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ صرف ایک ہی عمل ہمارا دکھاؤ جس میں دلیل فقط ضعیف روایت پر ہو۔ تو ہم چھوڑنے کیلئے تیار ہیں۔

اس کے برعکس آپ کا عمل ایسی روایات پر ہے جو کہ من گھڑت ہیں مثلاً مفتی صاحب نے جاء الباطل 390/1 میں مسند فردوسی دیلمی کے حوالے سے ایک روایت سے اذان میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت دیا ہے حالانکہ مسند فردوس الاخبار سے تو کجا پورے ذخیرہ احادیث سے کسی مستند کتاب سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا اور کوئی بریلوی علامہ فہامہ اس کی لولی لنگڑی سند بھی پیش نہیں کرسکتا۔ اس کا ثبوت دینے والے محقق بریلویت کو راقم اپنی جیب سے پانچ ہزار روپیہ انعام دے گا اور اس کی قرآن و حدیث فہمی کے قائل ہونے کے علاوہ یہ مان لے گا کہ انگوٹھے چومنے کی کوئی اصل ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا .

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ تمہارے اس عمل پر امام ابوحنیفہ کا کوئی قول بھی موجود ہے جو بقول مفتی صاحب مقلدین کی اصل دلیل ہے۔

معلوم ہوا کہ ضعیف و موضوع اور من گھڑت روایات کا مذہب اہل بدعت کا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اہلحدیث کا دامن اس سے پاک ہے۔ بریلوی مذہب سے اس طرح کی بیسیوں امثلہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر کتاب کی تنگ دامنی ہمیں لکھنے سے مانع ہے۔

(ص۔73، 74 امام نہادر بن الحق)

غیر مقلد کے ایک دعویٰ کا جواب

فقیر کہتا ہے وہابی صاحب آپ کا کہنا کہ ہمارا ایک عمل بھی ایسا دکھاؤ جس میں دلیل فقط ضعیف ہو تو ہم چھوڑنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ صرف دعویٰ کی حد تک ہے تو جہاں دلیل ضعیف ثابت ہونے پر عمل چھوڑنے کی بات ہے اس کی امید تم وہابیوں سے رکھنا عبث ہے ورنہ آپ تو عمل کی بات کرتے ہیں تمہیں عمل کے علاوہ تمہارے ایسے عقائد

بھی دکھاتے ہیں جن کی بنا ضعیف دلیل تو دور کی بات سرے سے اصل ہی موجود نہیں اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

وہابیوں کے خود ساختہ عقائد

اول:۔ طائفہ وہابیہ دیابنہ کا مشترکہ پیشوا اسماعیل دہلوی صاحب یک روزہ ناشر فاروقی کتب خانہ کے ص 17 پر لکھتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو بندے کی قدرت اللہ سے بڑھ جائے گی۔ یہ ہے ان کے پیشوا کی ذہنیت۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال وقدرتوں کا خالق ہے مگر جب تک وہ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو بندوں سے کمزور رہے گا ان سے پوچھو کہ فرشتے جھوٹ پر قادر نہیں تو بندوں سے کمزور ہیں اگر نہیں تو جو قدرتوں کے عطا اور پیدا کرنے پر قادر ہے اس کی قدرت بندے سے کیسے کم ہوجائے گی۔ دوم یہی دہلوی صاحب اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے ص 67 پر لکھتا ہے کہ اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی جن اور فرشتے جبرائیل اور محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔ اس قائل سے پوچھا جائے کہ جو محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کروڑوں پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن کہہ رہا ہے وہ سب اوصاف وکمالات وخصوصیات ومراتب میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہوں گے یا کم۔ جواب ثانی کی بنا پر تمہارا دعویٰ درست نہیں رہے گا کہ دعویٰ برابری کا تھا اور جواب اول دو تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے خاتم النبیین بھی ہے جس کی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود تفسیر فرمائی کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مقصد بیان یہ ثابت کرنا تھا کہ وہابی کا دعویٰ ہے کہ ہمارے کسی عمل کی دلیل ضعیف ثابت کرو ہم وہ عمل چھوڑنے کو تیار ہیں حال یہ ہے کہ ان کے عقائد جو کہ ایمان کی اصل ہوتے ہیں وہ بھی قرآن وحدیث سے متضاد وخلاف ہیں۔ انہیں کیوں نہیں چھوڑتے۔ سوم:۔ انہیں کے امام وپیشوا اور ان کے گھر کے شہید اور اسماعیل دہلوی صاحب کے پیر ومرشد سید احمد شہید اپنی کتاب صراط مستقیم کے ص 136 پر لکھتے ہیں اور

شیخ یا اس جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر و ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

اب اس قائل کے پیروکاروں پر لازم ہے کہ اپنے گھر کے پیشوا کے بیان کردہ عقیدہ کو قرآن وحدیث سے ثابت کریں یا اس سے براءت کا اظہار کریں اگر بقول تمہارے نماز میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آنا شرک ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک کی تعلیم دی جو فرمایا کہ: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ بخاری شریف۔ ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ جب نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال مبارکہ کا تصور لازم ہوا تو یہ محال عقلی ہے کہ صاحب افعال کا تصور نہ آئے۔ اب دیکھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے آقا و مولا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال کرتے تھے یا نہیں ملاحظہ فرمائیں۔

صحابہ کا بحالت نماز میں رسول اللہ کا تصور کرنا

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْنَاهُمْ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَأَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ لَهُمْ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ فِيْ صُفُوْفِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَنَكَصَ أَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ أَنْ يَّخْرُجَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ أَنَسٌ وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ أَنْ يَّفْتَتِنُوْا فِيْ صَلٰوتِهِمْ فَرَحًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَأَرْخَى السِّتْرَ۔

بخاری جلد دوم کتاب المغازی۔ ابن شہاب سے ہے کہ مجھے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک مسلمان پیر کے روز نماز فجر میں تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں نماز پڑھا رہے تھے تو انہیں نہیں تھا انتظار مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور وہ صفوں میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشی سے تبسم فرماتے ہنس دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کو آنا چاہتے ہیں تو وہ پیچھے ہوئے کہ صف میں مل جائیں حضرت انس فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے سوچا کہ وہ نماز میں آزمائش میں ڈالے گئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے کی خوشی سے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز کو پورا کرو پھر حجرہ میں تشریف لے گئے اور پردہ ڈال دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بحالت نماز بوجہ تعظیم و محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور کیا۔ اب نجدی صاحبان کا ان پر کیا فتویٰ ہے۔ نیز نماز میں ہر مسلمان بصیغہ خطاب وندا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا ہے اور آخر نماز میں درود ابراہیمی پڑھتا ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام کا نام آتا ہے اور ان کی آل پاک کا ذکر آتا ہے کیا یہ سب تعظیم نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ نجدیوں کے نزدیک محبوبان خدا کی تعظیم کا نام شرک ہے ان کو چاہیے کہ اپنی شیطانی توحید اپنے پاس رکھیں۔ ہمارے کسی عمل کی بنیاد ضعیف دلیل پر نہیں اس کی حقیقت دیکھیں اولاً پوری وہابیہ قوم کو چیلنج ہے کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت پر کوئی ایک حدیث ہی صحیح الاسناد دکھادیں (ثانیاً) فی الزمانہ دیکھا جاتا ہے کہ وہابی اپنی تنظیم کو مصروف جہاد ثابت کرنے کیلئے پہلے کسی کی شہادت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں پھر اشتہارات و اعلانات سے بتایا جاتا ہے کہ فلاں دن فلاں شہید کی اس وقت غائبانہ نماز

جنازہ ادا کی جائے گی۔ اگر ایسا فعل سنت مسلوکہ فی الدین ہے تو پھر زمانہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم میں جو صحابہ جہادوں میں وطنوں سے دور شہید ہوئے جہاں ان کے رشتہ دار اور گھر والے جنازوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ثابت کرو ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی تھی نیز جب خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے اپنے وقت میں وصال ہوا تو اس وقت دور دراز تک علاقے فتح ہو چکے تھے اور دائرہ اسلام وسیع ہو چکا تھا بتاؤ ان کی غائبانہ نماز جنازہ کس کس ملک و شہر میں پڑھی گئی؟ نہیں تو پھر تمہارے خود ساختہ شہید تمہارے نزدیک ان سے اچھے ہیں پھر اگر غائبانہ جنازہ سنت جاریہ فی الدین تھی تو صحابہ نے اس پر عمل کیوں نہ کیا۔ (ثالثاً) کئی عمل وہابیوں کے احادیث منسوخہ پر ہیں جیسے کہ نماز میں رفع یدین (رابعاً) غیر مقلد 8 رکعت تراویح پڑھتے ہیں حالانکہ یہ ایک بھی صحیح واضح حدیث نہیں دکھا سکتے جس سے ثابت ہو جائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم 8 رکعتیں تراویح پڑھتے تھے۔ اب اس طرف آتے ہیں کہ وہابی کہتا ہے انگوٹھے چومنے کے ثبوت کی روایت جو مفتی صاحب نے مسند الفردوس دیلمی کے حوالہ سے لکھی ہے وہ مسند الفردوس میں موجود نہیں اور کسی مستند کتاب میں اس کا وجود نہیں اور کوئی بریلوی اس کی لولی لنگڑی سند نہیں دکھا سکتا۔ الجواب) اولاً۔ چمگادڑ کو اگر دن میں بھی سورج نظر نہ آئے تو اس میں سورج کا کیا قصور۔ اسی طرح حقیقتہً روایت مسند الفردوس میں ہو وہابی جی کو نظر نہ آئے تو مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا قصور کہ اسے مورد الزام ٹھہرایا جائے یاد رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کو خود فردوس دیلمی سے نہیں لیا بلکہ انہوں نے فتاوی شامی اور علامہ سخاوی کی مقاصد الحسنہ کی عبارت نقل کی ہے۔ انہوں نے کتاب الفردوس دیلمی کا حوالہ دیا دیکھنا یہ ہے کہ اگر بقول وہابی صاحب فردوس دیلمی میں روایت نہیں تو پھر اتنے بڑے علماء غلط بیانی کر رہے ہیں ان کے علاوہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الموضوعات الکبریٰ کے ص 210 پر فردوس دیلمی کا حوالہ دیا ہے۔ ثانیاً) وہابی جی نے سند کا مطالبہ کیا ہے تو ہم بفضلہ تعالیٰ سند بھی دکھا دیتے

ہیں۔ قوۃ القلوب میں انگوٹھے چومنے کے ثبوت کی روایت کو بسند ابن عیینہ لکھا ہے۔ نیز علامہ امام علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الموضوعات الکبریٰ ص نمبر 210 پر فرماتے ہیں:۔

قُلْتُ اِذَا ثَبَتَ رَفْعُهٗ عَلَى الصِّدِّيْقِ فَيَكْفِي الْعَمَلُ بِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ۔

ترجمہ:۔ یعنی میں کہتا ہوں جب اس حدیث کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچنا ثابت ہوا تو اس پر عمل کرنے کو کافی ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

ثالثاً:۔ وہابی صاحب کو فردوس دیلمی سے زیر بحث روایت نہ ملنے کی مندرجہ ذیل وجوہ ہو سکتی ہے۔ (1) فردوس دیلمی کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کیا ہو۔ (2) اپنے مذہب کے کسی نام نہاد محقق کی بات پر اعتماد کر لیا ہو۔ (3) وہابیوں نے مکاری سے کسی ایڈیشن سے روایت کو نکال دیا ہو۔

رابعاً:۔ علماء محدثین کا تجربہ بھی اس روایت کی صحت کی تائید کرتا ہے۔ شیخ ابوعباس احمد بن ابوبکر رواد الیمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "موجبات رحمت" میں فرماتے ہیں کہ اذان کے وقت اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے اور ساتھ پڑھے "مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ بِمُحَمَّدِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ" تو اس کو آنکھ کا مرض کبھی نہ ہوگا۔ پھر شیخ ابوعباس رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ تیز آندھی چل رہی تھی جس سے میری آنکھ میں کنکر پڑ گیا جس کا خروج دشوار تھا اور درد سخت تھا جب میں نے موذن کو اذان میں کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے سنا تو مذکورہ عمل کیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ یہاں تک بفضلہ تعالیٰ مقدمہ جاء الحق پر غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب ہوئے اب بتوفیقہ تعالیٰ جاء الحق کے بابوں کا آغاز ہوگا اور اس پر ان کے اعتراضوں کا جواب ہوگا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ هُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بحث

اس کے شروع میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ۔ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں: پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل، دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اس کی پہلی فصل میں مفتی صاحب فرماتے ہیں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند بیان کرتے ہیں۔ حدیث نمبر 1 تا 3۔

بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک بن حویرث سے روایت کی۔ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ أُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے مگر دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھائے۔

وہابی مصنف کا اس پر پہلا اعتراض۔ مذکورہ کتب حدیث کی طرف مفتی صاحب نے جو الفاظ کا مجموعہ منسوب کیا ہے وہ ان میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ نام نہاد دین الحق ص 206 الجواب۔

اولاً۔ وہابی صاحب حدیث شریف کے جن الفاظ سے کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے ان سے تو آپ کو بھی کوئی انکار نہیں نیز حدیث کی صحت پر بھی آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو پھر وہابیوں کو اس پر عمل سے کیا مانع ہے؟ ثانیاً۔ غیر مقلد کو اعتراض تب ہو کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دلیل بنانے کیلئے حدیث میں کمی یا زیادتی کی ہو۔ جب حدیث مبارکہ میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا واضح ثبوت ہے تو اعتراض غیر مسموع ہے۔

ثالثاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب خود اس بات کی فصل دوم میں غیر مقلدوں کی دلیلیں لکھ کر ان کے مدلل جواب دیئے ہیں تو اس جگہ نماز میں رفع یدین

کے الفاظ نہ لکھنے پر اعتراض کو کیا گنجائش ہے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ رہا مفتی صاحب کا نصر بن عاصم کی روایت سے استدلال تو سنئے کہ یہ ہمارے مخالف نہیں اور مفتی صاحب کے موافق نہیں۔ اولاً احناف کا نظریہ ہے کہ وَالْمُرَادُ بِالْمُحَاذَاةِ أَنْ يُمَسَّ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ (البحر الرائق ص 305 ج 1) اور برابر کرنے سے کانوں کی لو کو (ہاتھ) لگانا مراد ہے جب کہ مذکورہ روایت میں ذکر تو کجا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔ (نام نہاد دین الحق صفحہ نمبر 207 الجواب)

اولاً: وہابی صاحب کچھ تو شرم کرو۔ بتاؤ کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق کیوں نہیں کیا اس حدیث میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں اور وہابی جی کے مخالف کیوں نہیں کیا وہابیوں کا مذہب کانوں تک ہاتھ اٹھانا ہے؟ ثانیاً۔ احناف کے نزدیک کانوں کی لو کو چھونا شرط نہیں کہ بغیر اس کے سنت ادا نہ ہو جن فقہا نے چھونے کا ذکر کیا ہے انہوں نے بطور تاکید کہا کہ ہاتھ کانوں کی لو کو پہنچنے چاہئیں یا بطور وضاحت کہ کانوں کی لو کو انگوٹھے پہنچیں نہ کہ ہتھیلیاں نیز احناف کی بعض معتبر کتب میں صرف ہاتھ کانوں کے محاذی کرنے کا ذکر ہے چھونے کا نہیں جیسے ہدایہ اور فتاویٰ شامی وغیرہ میں ہے غیر مقلد صاحب کا تیسرا اعتراض۔ احناف کا یہ بھی نظریہ ہے کہ عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے چنانچہ علامہ برہان الدین مرغنانی لکھتے ہیں وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص 646 ج 1) اور عورت کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے اور زیر بحث روایت میں مرد اور عورت کے ہاتھ اٹھانے کا فرق نہیں بتایا گیا بلکہ کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص 207)

غیر مقلد کی حدیث سے بے علمی

الجواب۔ اولاً۔ دراصل یہ اعتراض وہابی جی کی جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ مرد و زن کے تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کے فرق کا ثبوت حدیث میں موجود ہے نہ یقین آئے تو دیکھ لیں۔

مرد وعورت کے تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کا فرق

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ الْحَضْرَمِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَیْمُوْنَۃُ بِنْتُ حُجْرِبْنِ عَبْدِالْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْھَا عَبْدِالْجَبَّارِ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَمِّھَا عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ جِئْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ھٰذَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ جَاءَ کُمْ لَمْ یَجِئْکُمْ رَغْبَۃً وَلَا رَھْبَۃً جَاءَ حُبًّا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَبَسَطَ لَہٗ رِدَاءَ ہٗ وَاَجْلَسَہٗ اِلٰی جَنْبِہٖ وَضَمَّہٗ اِلَیْہِ وَاَصْعَدَ بِہِ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لِاَصْحَابِہٖ اُرْفُقُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ حَدِیْثُ عَھْدٍ بِالْمُلْکِ فَقُلْتُ اِنَّ اَھْلِیْ قَدْ غَلَبُوْنِیْ عَلَی الَّذِیْ لِیْ قَالَ اَنَا اُعْطِیْکَہٗ وَاُعْطِیْکَ ضِعْفَہٗ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ اِذَا صَلَّیْتَ فَاجْعَلْ یَدَیْکَ حِذَاءَ اُذُنَیْکَ وَالْمَرْاَۃُ تَجْعَلُ یَدَیْھَا حِذَاءَ ثَدْیَیْھَا ۔ اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیْرُ للطبرانی ج 22 ص 18 .

کنز العمال ج 7 ص 431 ۔ مجمع الزوائد ج 2 ص 107 ۔ یعنی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا یہ وائل بن حجر ہیں جو تمہارے پاس کسی خوف ولالچ کے سبب نہ آیا۔ اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت لائی۔ پھر اس کیلئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا کر اپنے ساتھ ملایا پھر اس کو اپنے ساتھ منبر شریف پر بیٹھا کر لوگوں سے خطاب فرمایا تو اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو تاکید فرمایا کہ اس کے ساتھ پیار و نرمی سے رہو کیونکہ یہ اس جگہ نیا آیا ہے (وائل بن حجر کہتے ہیں) میں نے عرض کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک میری اہل غالب ہے مجھ پر اور اس چیز کے جو میرے لئے ہے یعنی جو میرے پاس مال ہے وہ میرے اہل پر پورا نہیں اترتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے وہ چیز عطا کرتا ہوں (جس سے تو انکے غلبہ کو دور کرے) اور تجھے اس کا دگنا بھی عطا کرتا

ہوں پھر ارشاد فرمایا کہ اے وائل بن حجر (یہ مسئلہ بھی سن لے) جب تو نماز پڑھنے لگے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے بالمقابل کر اور عورت اپنے ہاتھوں کو چھاتی کے بالمقابل کرے۔ نوٹ مذکورہ حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے صحیح الاسناد کہا ہے۔ کیا۔ شرعاً عورت پر پردہ فرض ہے لہٰذا نماز میں بھی شرع مطہرہ نے عورت کیلئے وہ طریقہ پسند کیا ہے جس میں اس کا پردہ برقرار رہے تو کانوں کے برابر ہاتھ اٹھانے سے دوپٹہ زیادہ اٹھے گا جس سے چھاتی اور کلائیوں کی ہیئت و بناوٹ ظاہر ہوگی جو کہ ابھار و نامناسب ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر 4 ملاحظہ ہو۔ ابوداؤد شریف میں حضرت براء بن عازب سے روایت ہے رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِّنْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ۔

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے پھر رفع یدین نہ فرماتے۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ مفتی صاحب نے ایک ہی روایت کو نمبر بڑھانے کیلئے آٹھ احادیث اور کرانے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ صرف ایک ہی روایت ہے جو مختلف کتب میں ہے۔ (تام نہاد دین الحق ص 208 الجواب) اولاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طول سے بچنے کیلئے کتب حدیث کے حوالے دے کر نمبروں کے اضافہ پر اکتفا کیا ہے ورنہ اب سند مختلف ہو تو حدیث کو تکرار کے ساتھ اصولاً لایا جاسکتا ہے کیونکہ سند گواہی کی طرح ہے اور گواہ جتنے بھی ہوں بے فائدہ نہیں ہوتے بلکہ شہادت کی سچائی و حقیقت کو مؤکد کرتے ہیں۔ ثانیاً اگر آپ کو نمبر بڑھانے پر اعتراض ہے تو اسے ایک ہی حدیث مان لیں کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک روایت سے ثابت شدہ عمل تمہارے نزدیک قابل عمل نہیں؟ غیر مقلد کا اس پر دوسرا اعتراض۔ مذکورہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب اور سند کے اعتبار سے نہایت درجہ کی ضعیف ہے جس کی ضروری تفصیل آگے مسئلہ رفع الیدین میں آرہی ہے۔

(تام نہاد دین الحق ص 208 الجواب) وہابی صاحب فرمارہے ہیں کہ تفصیلی بحث

مسئلہ رفع الیدین میں آ رہی ہے تو وہاں ہم بھی بفضلہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو واضح کریں گے یہاں صرف یہی کافی ہے کہ اگر بقول تمہارے زیر بحث روایت کی سند ضعیف ہے اس سے ہمارا موقف ضعیف نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے موقف کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیثوں کے راوی کثیر ہیں چنانچہ علامہ علاؤالدین علی بن عثمان الماردینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَكَذَا رُوَاةُ الرَّفْعِ اِلَى الْاُذُنَيْنِ اَيْضًا عَدَدٌ وَهُمْ وَائِلٌ وَمَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ وَالْبَرَاءُ عَلٰى مَا ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِهٖ هٰذَا .

الجوہرالنقی مع البیہقی ج 2 ص 25 یعنی میں کہتا ہوں کہ اس طرح کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے ثبوت والی حدیث کے راوی بھی متعدد ہیں ان میں سے حضرت وائل اور مالک بن حویرث اور براء (ابن عازب) ان طرق پر جنہیں بیہقی نے بیان کیا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جاء الحق سے حدیث نمبر 5 مسلم شریف نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی ہے۔ اِنَّهٗ رَءَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ قَالَ اَحَدُ الرُّوَاةِ حِيَالَ اُذُنَيْهِ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ۔

انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لئے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ مذکورہ حدیث میں رکوع کرنے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کا ذکر بھی ہے جسے مفتی صاحب بے ڈکار ہضم کر گئے ہیں۔ اسی روایت میں مفتی صاحب نے آگے چل کر مسئلہ رفع الیدین میں کیڑے نکالے ہیں کہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ ان کو احکام اسلام کی خبر نہ تھی۔ (دوام تہادرین الحق ص 209)

الجواب اوّلاً

جب وہابی صاحب کو اقرار ہے کہ اس روایت کے وہ الفاظ جن کو غیر مقلد اپنی دلیل سمجھتے ہیں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین کی بحث میں بیان کر کے اس کا

جواب دیا ہے تو یہاں نہ لکھنے پر اعتراض کس لئے ہے؟

ثانیاً:- وہابی صاحب نے اپنے پاس سے صحابی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وائل ابن حجر کے حق بے ادبی کے الفاظ لکھے کہ ان کو احکام اسلام کی خبر نہ تھی۔ مفتی صاحب کی طرف منسوب کر دیئے حالانکہ آپ نے یہ لکھا ہے کہ انہیں فسخ کے احکام کی خبر بمشکل ہوئی تھی۔ موازنہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں اور وہابی صاحب کے منسوب کردہ الفاظ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ثالثاً- یہ کہنا کہ مفتی صاحب نے کیڑے نکالے ہیں وہابی جی کا بے ہودہ الزام ہے کیونکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے نہیں کہا انہوں نے تو امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریر بحوالہ مسند امام اعظم بیان کی ہے کہ کسی نے حضرت ابراہیم نخعی سے وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعلق پوچھا جس میں رفع یدین کا ذکر ہے تو آپ نے فرمایا وائل بن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت بیان کی کہ آپ صرف ابتدا نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔ ماجرا جس کو وہابی صاحب کیڑے نکالنا کہہ رہے ہیں یہ اہل اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب دو روایتوں میں تعارض معلوم ہو تو راویوں کی لیاقت و ثقاہت کو دیکھتے ہیں جو ان میں بلند مرتبہ رکھتا ہو اس کی روایت کو دوسری پر فوقیت و ترجیح دیتے ہیں۔ اسی قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے جب وائل بن حجر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایتوں میں تعارض آیا کہ ابن حجر رفع یدین ثابت کرتے ابن مسعود رضی اللہ عنہ ترک رفع یدین کو ثابت کرتے ہیں اور اسی ترک رفع یدین کو اپنا معمول بناتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ کس کی روایت کو ترجیح

دیں تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ اوصاف ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال و معمولات کی تحقیقی خبر رکھتے تھے کیونکہ وہ سفر و حضر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدمت گزار رہتے تھے اور نماز باجماعت میں ان کا مقام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى۔ تم میں سے میرے قریب وہ رہے جو بالغ و عقل والا ہو۔

خامسا: ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام محدثین کی نظر میں۔ صاحب تذکرۃ الحفاظ امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جزء اول ص 13 پر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام یوں بیان فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود بلند پایا صحابی ہیں

اِبْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَبُوْعَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُمِّ عَبْدِ الْهُذَلِيُّ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَادِمُهٗ وَاَحَدُ السَّابِقِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ وَمِنْ كِبَارِ الْبَدْرِيِّيْنَ وَمِنْ نُبَلَاءِ الْفُقَهَاءِ وَالْمُقْرِئِيْنَ كَانَ مِمَّنْ يَتَحَرّٰى فِي الْاَدَاءِ وَيُشَدِّدُ فِي الرِّوَايَةِ وَيَزْجُرُ تَلَامِذَتَهٗ عَنِ التَّهَاوُنِ فِي ضَبْطِ الْاَلْفَاظِ۔

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ کے خدمت گزار اور سابق الایمان کبار بدری صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے تھے اور جید فقہاء و قراء سے جو صحت ادائیگی میں کوشش کرتے اور بیان روایت میں سخت احتیاط کرتے اور شگردوں کو حدیث کے الفاظ ضبط کرنے میں سستی کرنے پر ڈانٹتے۔ اسی طرح صاحب مشکوۃ ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ آخر مشکوۃ اسماء الرجال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں:

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ هُوَ يُكْنٰى اَبُوْعَبْدِالرَّحْمٰنِ الْهُذَلِيُّ كَانَ اِسْلَامُهٗ قَدِيْمًا فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ قَبْلَ دُخُوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دَارَ الْاَرْقَمِ قَبْلَ عُمَرَ بِزَمَانٍ وَقِيْلَ كَانَ سَادِسًا فِي الْاِسْلَامِ ثُمَّ ضَمَّهٗ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ مِنْ خَوَاصِّهٖ وَكَانَ صَاحِبَ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسِوَاكِهٖ وَنَعْلِهٖ وَطَهُوْرِهٖ فِي السَّفَرِ هَاجَرَ اِلَى الْحَبْشَةِ وَشَهِدَ بَدْرًا ثُمَّ مَا بَعْدَهَا مِنْ مَشَاهِدَ وَشَهِدَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيْتُ لِاُمَّتِيْ مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ اُمِّ عَبْدٍ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَكَانَ يُشَبَّهُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن الحذلی ہے۔ آپ کا اسلام قدیم آغاز اسلام میں مسلمان ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے قبل اور کہا گیا ہے کہ آپ اسلام قبول کرنے میں چھٹے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خواص خدام میں سے آپ کے امراز تھے اور سفر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسواک نعلین مبارکہ اور وضو کے پانی کا کوزا اٹھانے والے تھے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر اور اس کے بعد کئی جنگوں میں شریک ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس بات پر اپنی امت سے راضی ہوا جو اس کیلئے ابن ام عبد یعنی ابن مسعود نے پسند کی اور جسے اس نے ناپسند کیا۔ اسے میں نے بھی ناپسند کیا وہ (افعال) میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ مقصد بیان یہ ہے کہ وہابی صاحب کا مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض فضول ہے۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض۔ یہ مفتی صاحب کے دعویٰ کی دلیل قطعی طور پر نہیں بن سکتی کیونکہ نہ تو اس میں کانوں کو ہاتھ لگانے کا ذکر ہے اور نہ ہی مرد و عورت کے محل رفع میں تفریق کی گئی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 209) اولاً اس

کا جواب بفضلہ تعالیٰ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک ادائے سنت کیلئے کانوں کو ہاتھ لگانا شرط نہیں یہ وہابی جی کے حیلے بہانے ہیں نیز مرد و زن کے ہاتھ اٹھانے کے محل کے فرق پر ہم نے کتب معتبرہ سے حدیث پیش کردی ہے مگر نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں ثانیاً اگر بقول وہابی احناف کے پاس کانوں تک ہاتھ اٹھانے پر کوئی معتبر دلیل نہیں تو پھر خود وہابی صاحب نے اسی باب کے آغاز میں اعتراف کیوں کیا ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک نمازی مرد ہو یا عورت تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کندھوں اور کانوں تک اٹھانا دونوں طرح سنت ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 204) اب جاء الحق سے حدیث نمبر 6 تا 8 ملاحظہ ہو۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ نے حضرت ابوقلابہ سے روایت کی۔

إِنَّ مَالِكَ بْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ حَتّٰى يَبْلُغَ فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ.

مالک بن حویرث نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ مالک بن حویرث کی روایت ابوقلابہ کے طریق سے ہم نے مفتی صاحب کی دلیل نمبر 1 کے جواب میں لکھ دی ہے قارئین کرام حدیث کے اصلی الفاظ وہاں سے ملاحظہ کریں۔ مذکورہ روایت ابوقلابہ کے طریق سے نہیں بلکہ نصر بن عاصم مالک بن حویرث سے روایت کرتے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص 209 الجواب) مذکورہ روایت نصر بن عاصم سے ہی ہے اور ابوقلابہ کا ذکر غلطی کا سبب ہے مگر اسے خیانت پر محمول کرنا اور فرار کا راستہ نکالنا درست نہیں کیونکہ خیانت تب کہا جاتا کہ نصر بن عاصم کی سند ضعیف ہوتی اور ابوقلابہ کی سند قوی یہ بات تو یہاں نہیں بلکہ خود وہابی نے بھی زیر بحث روایت کی صحت کو مانا ہے۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض مذکورہ روایت صحیح میں رکوع کرتے اور رکوع سے سر

اٹھاتے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے جس کے ترک کا مفتی صاحب کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ احناف کا موقف ہے کہ پہلے رفع الیدین کیا جائے بعد میں تکبیر تحریمہ کہی جائے چنانچہ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں کہ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلًا ثُمَّ يُكَبِّرُ۔ یعنی پہلے نمازی ہاتھوں کو بلند کرے بعد میں تکبیر کہے۔ علامہ ابن ہمام اسی کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عَلَيْهِ عَامَّةُ الْمَشَائِخِ۔ فتح القدیر الجواب) اولاً۔ فقیر کہتا ہے وہابی صاحب بقول آپ کے مفتی صاحب کے پاس تو اس کے ترک کا کوئی جواز نہیں تو کیا تم وہابیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ جس میں مقصد حاصل ہوتا ہو اسے مان لیا اور جسے خلاف مقصد دیکھا اسے چھوڑ دیا ورنہ اس روایت میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا بین ثبوت ہے اور آپ اسے صحیح بھی مان رہے ہیں۔ ایسے ہی آپ کے غیر مقلد محمد صادق سیالکوٹی صاحب بھی اپنی صلوۃ الرسول کے ص 240 پر اسے بالکل صحیح کہتے ہیں پھر آپ کے پاس اس کے ترک کا کیا جواز ہے۔ ثانیاً۔ احناف اس لئے تکبیر اولیٰ کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے کہ نماز میں رفع یدین منسوخ ہے۔ ثالثاً۔ غیر مقلد صاحب نے ہدایہ سے اپنے مقصد کی عبارت کو نقل کیا۔ باقی کو نہ لکھا ہدایہ کے متن میں یہ ہے کہ يَرْفَعُ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ ۔ یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، پھر فرمایا وَالْأَصَحُّ اَنَّهٗ يَرْفَعُ يَدَيْهِ أَوَّلًا ثُمَّ يُكَبِّرُ لِأَنَّ فِعْلَهٗ نَفْيُ الْكِبْرِيَاءِ عَنْ غَيْرِ اللّٰهِ وَالنَّفْيُ مُقَدَّمٌ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔ اس لئے کہ اس کا فعل غیر اللہ کی کبریائی کی نفی ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔ اس میں والاصح کہنا اس طرف اشارہ ہے کہ پہلا قول بھی صحیح ہے مگر دوسرا اس کی بنسبت زیادہ صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے احناف کے نزدیک تکبیر سے پہلے ہاتھ اٹھانا شرط نہیں کہ شرط کے نہ ہونے سے روایت ہماری دلیل ہی نہ ہو سکے۔ رابعاً اگر وہابی صاحب کو احناف کے تکبیر سے پہلے ہاتھ اٹھانے پر اعتراض ہے تو غیر مقلد پہلے نہ اٹھائیں تکبیر کے ساتھ ہی اٹھا لیا کریں مگر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کانوں تک ہاتھ تو اٹھائے ضد تو نہ کریں۔ زیر بحث روایت پر وہابی صاحب کا تیسرا اعتراض جس کا وہ جہالت کے سبب بار بار تکرار کر رہا ہے اس کا

معقول جواب ہم نے بفضلہ تعالیٰ دے دیا ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر 9 تا 12 ملاحظہ ہو۔ امام احمد، اسحاق ابن راہو یہ دار قطنی طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔ اِذَا صَلّٰی رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی تَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ حَذَاءَ اُذُنَیْہِ۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔ یاد رہے اس حدیث کا وہابی صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر 13 تا 15 ملاحظہ ہو۔

حاکم نے مستدرک میں دار قطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر فرمائی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ روایت مذکورہ کو علاء بن اسماعیل عطار نے حفص بن غیاث سے روایت کیا ہے اور یہ علاء بن اسماعیل کون ہیں راقم کو اپنے وسائل کی حد تک اس کا کوئی پتہ نہیں چلا لہٰذا فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ اس کی عدالت و ثقاہت بیان کرے ثانیاً۔ حفص بن غیاث گو ثقہ ہیں لیکن آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور میزان ص 567 تقریب اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب یہ علم نہ ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے خرابی حافظہ کے بعد سنا ہے یا پہلے تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی بلکہ ساقط ہوتی ہے اور جبکہ علاء ہی مجہول ہے تو یہ روایات کیونکر حجت ہوئی (نام نہاد دین الحق ص 210 الجواب) اولاً۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہابی جی کے نزدیک صرف وہی مسئلہ درست ہے جس تک اس کے علم و فہم کو رسائی ہو اور مطلب بھی حاصل ہوتا ہو جس تک اس کے علم شریف کو رسائی نہ ہو یا مطلب برآری نہ ہو وہ مسئلہ بھی درست نہیں۔ اب دیکھیں علاء بن اسماعیل کو اسی لئے مجہول کہہ دیا کہ اس کے احوال کا اسے علم نہیں ہوا۔ گو وہابی صاحب کا نہ جاننا ہی راوی کے مجہول ہونے کی دلیل ہوا حالانکہ اصول یہ ہے کہ کسی

روایت میں علت ضعف کا نہ پایا جانا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ تدریب الراوی جزء 1 ص 81 ثانیاً۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تو زیر بحث روایت کی صحت بیان کردی ہے کہ بر شرط بخاری و مسلم اس کی سند نہایت صحیح ہے۔ اب تمہارا کام تھا کہ ثابت کرتے کہ بخاری و مسلم کی شرائط پر اس کی سند پوری نہیں اترتی آپ خود تو ایسا کر نہیں سکے الٹا کہہ دیا کہ فریق ثانی کی ذمہ داری ہے کہ راویوں کی عدالت و ثقاہت بیان کرے۔ ثالثاً غیر مقلد صاحب کو یہ تو اعتراف ہے کہ حفص بن غیاث ثقہ ہیں اعتراض یہ ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ فقیر کہتا ہے کہ جب اس کی تائید دوسری روایتیں بھی کرتی ہیں تو پھر خرابی حافظہ کو بہانہ بنا کر انکار کرنا مناسب نہیں۔

رابعاً۔ غیر مقلد صاحب نے خیانت کی انتہاء کردی کہ میزان الاعتدال میں سے اپنا مقصد پورا کرنے کو یہ نقل کر لیا کہ آخر عمر میں حفص بن غیاث کا حافظہ خراب ہو گیا تھا مگر اسی جگہ جو کچھ ان کو مدح و خوبی میں لکھا گیا ہے۔ اسے نقل کرنا گوارہ نہ کیا ہم بفضلہ تعالیٰ اسے لکھ دیتے ہیں۔ میزان الاعتدال ج 1 567 پر ہے کہ:

حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ اَبُوْ عُمَرَ النَّخْعِیُّ الْقَاضِیُّ اَحَدُ الْاَئِمَّۃِ الثِّقَاتِ عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ وَھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ وَطَبَقَتِھِمَا وَعَنْہُ اِسْحَاقُ وَاَحْمَدُ وَخَلْقٌ وَثَقَہُ ابْنُ مُعِیْنٍ وَالْعِجْلِیُّ وَقَالَ یَعْقُوْبُ بْنُ شَیْبَۃَ ثِقَۃٌ ثَبَتٌ یَتَّقِیْ بَعْضَ حِفْظِہٖ وَاِذَا حَدَّثَ مِنْ کِتَابِہٖ ثَبَتٌ وَاَبُوْ زُرْعَۃَ سَاءَ حِفْظُہٗ بَعْدَ مَا اسْتَقْضٰی فَمَنْ کَتَبَ مِنْ کِتَابِہٖ فَھُوَ صَالِحٌ۔

حفص بن غیاث ابو عمر نخعی قاضی ائمہ ثقات میں سے ہیں۔ اس نے عاصم الاحول اور ہشام بن عروہ اور ان کے ہم طبقہ سے روایتیں کیں اور ان سے اسحاق امام احمد اور بہت سے محدثین نے روایتیں کیں اور ابن معین و عجلی نے انہیں ثقہ کہا اور یعقوب بن شیبہ نے کہا ثقہ و ثبت ہیں۔ حافظہ میں کچھ کمی آگئی تھی اور دریں حال بھی جب اپنی کتاب سے حدیث بیان کی ہو تو (بلاشبہ) درست ہے اور ابوزرعہ نے کہا کہ قاضی ہونے کے بعد حافظہ میں کمزوری آئی تو اس کے بعد جس نے اس سے ان کی کتاب

سے لکھا درست ہے۔ تقریب التہذیب میں ہے کہ حفص بن غیاث اَبُوْ عُمَرَ الْکُوْفِی الْقَاضِیْ ثِقَةٌ فَقِیْهٌ تَغَیَّرَ حِفْظُهٗ قَلِیْلًا فِی الْاٰخِرِ۔ حفص بن غیاث ابو عمر کوفی قاضی ثقہ فقیہ ہیں آخر عمر میں ان کے حافظہ میں تھوڑی سی تبدیلی آگئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حفص بن غیاث امام ثقہ فقیہ قاضی اور صاحب کتاب تھے آخر عمر میں تھوڑی سے حافظہ میں تبدیلی تھی پھر بھی جس نے ان کی کتاب سے نقل کیا بلاشبہ درست ہے مگر غیر مقلد صاحب نے کس قدر زیادتی کی کہ تمام اوصاف کو نسیاً منسیہ کر کے حافظہ کی خرابی کو سامنے رکھ لیا۔ غیر مقلد صاحب مزید لکھتے ہیں کہ حفص بن غیاث کو امام احمد اور دار قطنی نے مدلس قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے انہیں طبقات کے پہلے درجہ میں شمار کیا۔ طبقات المدلسین ص 20 الجواب اولاً: یہاں بھی وہابی صاحب نے خیانت کی کہ طبقات المدلسین کی پوری عبارت نہ لکھی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔ حفص بن غیاث اَلْکُوْفِی الْقَاضِیْ اَحَدُ الثِّقَاتِ مِنْ اِتْبَاعِ التَّابِعِیْنَ وَصَفَهٗ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالدَّارُقُطْنِیُّ بِالتَّدْلِیْسِ۔ ص 20 یعنی حفص بن غیاث کوفی قاضی ثقات سے ایک تبع تابعین میں سے ہیں امام احمد بن حنبل اور دار قطنی نے ان کی طرف تدلیس منسوب کی ہے۔ عبارت سے واضح ہے کہ حفص بن غیاث کمال درجہ کے ثقات سے ہیں۔ صرف امام احمد اور دار قطنی ان کی طرف تدلیس منسوب کرتے ہیں۔ ثانیاً۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات المدلسین کے طبقہ اولیٰ میں ان کا ذکر کیا ہے جن کی تدلیس پر اتفاق نہیں بلکہ ان کی تدلیس نادر ہے وہابی صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ شاید طبقہ اولیٰ میں بڑے مدلسین کا ذکر کیا ہے۔

زیر بحث روایت پر وہابی صاحب ایک اور اعتراض کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ خود احناف کے خلاف ہے کیونکہ اس میں پہلے تکبیر تحریمہ کہنے کا ذکر ہے اور بعد میں رفع الیدین کا جبکہ احناف کے نزدیک پہلے رفع الیدین کرنا چاہئے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 210 الجواب) اولاً۔ اگر وہابی صاحب کے نزدیک یہ کلیہ معتبر ہے کہ حدیث میں جس چیز کا ذکر پہلے ہو اسے پہلے کرنا چاہئے اور جس کا بعد میں

ہو اس کو بعد میں تو اس پر ہی قائم رہیں۔ اس باب میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت گزری کہ اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْهِ حِیْنَ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ وَكَبَّرَ قَالَ اَحَدُ الرُّوَاةِ حِیَالَ اُذُنَیْهِ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور تکبیر کہتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل کر کے پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لئے اس میں تکبیر اولیٰ کا ذکر نماز میں داخل ہونے کے بعد ہے حالانکہ تکبیر دخول نماز کے لئے شرط ہے۔ ثانیاً: ہم نے ہدایہ سے فقہاء کرام کے دو قول بیان کر دیے ہیں ایک یہ کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دوسرا یہ کہ ہاتھ پہلے اٹھائے جائیں جو دوسرے قول کے قائل ہیں وہ مستحسن کی حد تک ہیں وہابی صاحب کو اسے بہانہ بنا کر حدیث سے فرار کا راستہ نہیں نکالنا چاہئے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر 16 تا 17 ملاحظہ ہو۔ عبدالرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ قَرِیْبًا مِّنْ شَحْمَةِ اُذُنَیْهِ۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابلہ ہو جاتے۔ واضح رہے کہ اس مرفوع حدیث شریف کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا جاء الحق سے حدیث نمبر 18 ملاحظہ ہو۔ ابوداؤد نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی كَانَتْ بِحِیَالِ مَنْكِبَیْهِ وَحَاذٰی بِاِبْهَامَیْهِ اُذُنَیْهِ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ بات کو آگے لے جانے سے پہلے آیئے حدیث کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْهِ حِیَالَ اُذُنَیْهِ قَالَ ثُمَّ اَتَیْتُهُمْ فَرَاَیْتُهُمْ یَرْفَعُوْنَ

اَیْدِیَھُمْ اِلٰی صُدُوْرِھِمْ فِی اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَعَلَیْھِمْ بَرَانِسُ وَاَکْسِیَۃٌ ۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع کرتے تو کانوں کی لو تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت سینوں تک ہاتھ اٹھاتے اور ان کے اوپر جبے اور کمبل تھے۔ قارئین حدیث کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں اس میں مفتی صاحب نے چار عظیم خیانتیں کی ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص 211)

خیانت یا غیر مقلد کی جہالت قارئین خود دیکھ لیں

الجواب-اولاً: اس میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خیانت نہیں بلکہ نام نہاد الحدیث کی جہالت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں دونوں حدیثیں موجود ہیں۔ وہ بھی قلیل تبدیلی کے ساتھ جسے مفتی صاحب نے روایت کیا جس سے نہ احناف کو مزید فائدہ اور نہ مخالف کو حقیقۃً جائے اعتراض اور جسے وہابی صاحب نے لکھا وہ بھی موجود مگر وہابی جی عدم آگاہی کے سبب یا کذب بیانی سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ حدیث کا سرے سے انکار کر رہا ہے۔ مفتی صاحب کی بیان کردہ حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ اَنَّہٗ اَبْصَرَ النَّبِیَّ حِیْنَ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی کَانَتَا بِحِیَالِ مَنْکِبَیْہِ وَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ ثُمَّ کَبَّرَ ۔ ابوداؤد جزء اول ص 112 ترجمہ اس کا گزر چکا ہے۔ فائدہ اس حدیث سے قبل از تکبیر ہاتھ اٹھانا ثابت ہوتا ہے لہٰذا غیر مقلد کا مطالبہ پورا ہوا۔ ثانیاً جس حدیث کو غیر مقلد صاحب نے لکھا ہے وہ بھی احناف کی بیّن دلیل ہے کیونکہ احناف کے نزدیک تکبیر اولیٰ میں ہاتھ کانوں تک اٹھانا سنت ہے اور جن روایتوں میں کندھوں یا سینہ تک ہاتھ اٹھانے کا آیا ہے وہ عذر کے سبب تھا یا مراد ہتھیلیاں ہیں انگلیاں نہیں۔ پہلی شق کی وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جسے غیر مقلد نے لکھا ہے پوری وضاحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ میں ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے تھے پھر جب دوبارہ حضرت وائل بن حجر سردیوں میں آئے تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو

دیکھا کہ تکبیر اولیٰ میں ہاتھ سینوں تک اٹھائے عذر یہ بیان کیا کہ ان پر جبے اور کمبل تھے ہاتھ زیادہ بلند کرنے دشوار تھے۔ لہٰذا اس روایت کے استدلال سے بھی احناف کو ہی فائدہ غیر مقلد کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ غیر مقلد صاحب کا دوسرا اعتراض۔ اس روایت کو بیان کرنے والے شریک بن عبداللہ ہیں جو کہ مجروح ہیں۔ میزان ج 2 ص 270 یہاں تک حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ یُخْطِئُ کَثِیْرًا یعنی کثرت سے غلطیاں کرتا ہے۔ (تقریب ص 109 نام نہاد دین الحق ص 211 الجواب) اولاً۔ جو ہم نے ابوداؤد شریف کی حدیث پیش کی ہے اس کی سند میں شریک بن عبداللہ موجود نہیں۔ ثانیاً۔ صاحب میزان الاعتدال علامہ ذہبی کی اپنی تحقیق شریک بن عبداللہ کے بارے یہ ہے۔ شریک بن عبداللہ النخعی ابوعبداللہ الکوفی القاضی الحافظ الصادق احدالائمۃ یعنی شریک بن عبداللہ نخعی ابوعبداللہ کوفی قاضی حافظ سچے اور اماموں سے ہیں۔ البتہ محدثین کے اقوال اس کے متعلق جرح و تعدیل دونوں میں ہیں۔ میزان الاعتدال ج 2 ص 270 اب تعدیل چھوڑ کر جرح کو بہانہ بنانا انصاف سے بعید ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر 19 دارقطنی نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی اَنَّہٗ رَاٰی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذٰی بِھِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ ۔ انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک انہیں کانوں کے مقابل فرما دیا پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔ واضح رہے کہ اس کا غیر مقلد نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر 20 طحاوی شریف نے ابوحمید ساعدی سے روایت کی اَنَّہٗ یَقُوْلُ لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِذَاءَ وَجْھِہٖ ۔ وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ اس کی سند میں عتبہ بن ابی

حکیم ہے اور یہ متکلم فیہ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں صَدُوْقٌ یُخْطِیُٔ کَثِیْرًا ۔ تقریب ص 173 یعنی سچا تو ہے لیکن کثرت سے غلطیاں کرتا ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 212)

الجواب۔ اولاً۔ غیر مقلد صاحب یہ بتائیں کہ کس محدث نے کہا ہے کہ عتبہ بن حکیم کی روایت قابل حجت نہیں بلکہ یہی فرمار ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں صالح قابل حجت ہے حسن ہے البتہ ابن معین کے ان کے بارے دو قول ہیں ایک جگہ فرمایا ثقہ ہے دوسری جگہ کہا ضعیف ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ عتبہ بن ابی حکیم عَنْ مَکْحُوْلٍ وَغَیْرِہٖ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحٌ وَقَالَ ابْنُ مُعِیْنٍ ضَعِیْفٌ قَالَ مَرَّۃً ثِقَۃٌ وَلَیَّنَہٗ اَحْمَدُ وَھُوَ مُتَوَسِّطٌ حَسَنُ الْحَدِیْثِ قَالَ ابْنُ عَدِیٍّ اَرْجُوْ اَنَّہٗ لَابَاْسَ بِہٖ ۔ میزان الاعتدال۔ ج 3 ص 27 ثانیاً۔ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں متعدد اسناد سے مروی ہیں کوئی سند ان میں سے ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں چنانچہ صاحب الجوہر النقی فرماتے ہیں قُلْتُ وَکَذَا رُوَاۃُ الرَّفْعِ اِلَی الْاُذُنَیْنِ اَیْضًا عِدَّۃٌ وَھُمْ وَائِلٌ وَمَالِکُ ابْنُ حُوَیْرِثٍ وَالْبَرَاءُ عَلٰی مَا ذَکَرَہٗ بَیْہَقِیٌّ فِیْ کِتَابِہٖ ھٰذَا ۔ الجوہر النقی مع البیہقی ج 2 ص 35 یعنی میں کہتا ہوں اس طرح کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیثوں کے متعدد راوی ہیں اور وہ وائل بن حجر اور مالک بن حویرث اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو کہ بیہقی نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ یہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ کے الفاظ ہیں (نام نہاد دین الحق ص 212)

الجواب: ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایتوں میں اختلاف لفظی ہے معنوی نہیں کیونکہ جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہتھیلیاں ہیں اور جس میں چہرے تک اٹھانے کا بیان ہے مراد انگلیاں ہیں۔ غیر مقلد کا تیسرا اعتراض۔ اس میں مفتی صاحب کے مسلک کی قطعاً تائید نہیں ہوتی جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے بلکہ یہ تو ایسی حدیث ہے جس کے بارے میں شارح منیہ جیسے معتبر حنفی

نے اقرار کیا ہے کہ یہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے والوں کی دلیل ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 212 الجواب) اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی غیر مقلدوں کے مذہب کے موافق بات کرے تو بلا سوچے اس کی تقلید کرنے لگتے ہیں ورنہ عقل سے سوچیں کہ تھوڑی کے نیچے سے سر کے بالوں تک سب چہرہ ہے اور کان اس کے وسط میں ہیں لہٰذا چہرے کے ذکر میں کان تو آ جائیں گے کوئی کہے کہ فلاں چیز چہرہ کو پہنچتی ہے تو یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ چہرے کو تو پہنچتی ہے کانوں کو نہیں پہنچتی۔ برعکس اس کے چہرہ بول کر کندھے مراد نہیں لے سکتے اور نہ کندھے بول کر چہرہ مگر وہابیوں کو وہی بات پسند آتی ہے جو ان کے مطلب کی ہو۔ ثانیاً۔ اگر چہرہ سے مراد کندھے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ ۔ اپنے چہروں کو دھو۔ وہابیوں کو چاہیے کہ کندھے بھی ساتھ دھویا کریں۔ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے دلائل کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غیر مقلدوں کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔ (1) مسلم و بخاری نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْہِ ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔ انہیں مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔ جواب یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جائیں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا حنفی جامع ہیں۔ اس غیر مقلد کا اعتراض۔ اوپر ہم نے حدیث کے الفاظ درج کر دیے ہیں۔ ان میں

کندھوں تک ہاتھ برابر کرنے کا ذکر ہے۔ ان میں کانوں کو انگوٹھے لگانے کا ذکر تو کجا
اشارہ تک بھی موجود نہیں جس سے مفتی صاحب کے بے بنیاد استدلال سے ان کے
مذہب کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ثانیاً۔ یہ بھی خوب فرمایا کہ یہ احناف کے خلاف نہیں
حالانکہ اکابر احناف تسلیم کر چکے ہیں کہ مذکورہ حدیث احناف کے خلاف ہے البتہ یہ عذر
ضرور کیا ہے کہ یہ حالت معذوری کی بات ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ
فَمَحْمُوْلٌ عَلٰى حَالَةِ الْعُذْرِ۔ یعنی حدیث ابن عمر حالت عذر پر محمول ہے۔

(نام نہاد دین الحق ص 204)

الجواب۔ اولاً۔ آپ خود نام نہاد دین الحق ص 204 پر لکھ چکے ہیں کہ محدثین کے
نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کندھوں اور کانوں تک اٹھانا دونوں طرح سنت ہیں اگر
مفتی صاحب کے استدلال بے بنیاد ہیں تو محدثین کے نزدیک کانوں تک ہاتھ اٹھانا
کیسے سنت ہوا۔ ثانیاً جس روایت میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانا ذکر ہوا اس میں آپ کو
اشارہ نہیں ملا مگر عقل والوں کو ملتا ہے وہ یوں کہ یَدَیْن یَدٌ کا تثنیہ ہے اور یَدٌ کا اطلاق
انگلیوں سے گھٹنوں تک پر ہوتا ہے جب کہ حدیث میں صراحت موجود نہیں کہ
کندھوں تک انگلیاں ہوتی تھیں اور دوسری طرف متعدد روایتوں میں کانوں کو انگلیاں
پہنچنے کا صراحۃً ثبوت موجود ہے۔ لہذا احتمال ہوا کہ جس روایت میں کندھوں تک
اٹھانے کا ذکر ہے مراد ہتھیلیاں ہیں جب ہتھیلیاں کندھوں تک ہوں تو انگلیاں کانوں کو
پہنچ جاتی ہیں یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کبھی سردیوں میں عذر کے سبب ہوا کیونکہ بھاری
جبوں اور کمبلوں میں زیادہ ہاتھ اٹھانا دشوار ہوتا۔ ثالثاً۔ وہابی صاحب نے خود اپنی کذب
بیانی ظاہر کر دی کہ پہلے تو لکھا اکابر احناف تسلیم کر چکے ہیں جن روایتوں میں کندھوں
تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ ہمارے خلاف ہیں نیچے دلیل یہ دی کہ علامہ ابن نجیم حنفی
نے بحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ حالت
عذر پر محمول ہے۔ جو عذر پر محمول ہے وہ ہمارے خلاف دلیل کیسے ہوئی۔ حالت عذر
میں تو فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے یہ تو سنت ہے فرض واجب نہیں نماز میں قیام فرض ہے

لیکن بوقت معذوری بیٹھ کر لیٹ کر جیسے ہو سکے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی کا تمام غیر مقلدوں کو چیلنج

مولانا حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سارے
غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور اپنے
انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے تھے جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور
جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ
اس طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔
ہم نے کندھوں تک ہاتھ کا بلند کرنا ثابت کر دیا ہے۔ فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ یہ
ثابت کرے کہ انگوٹھے ہاتھوں سے جدا ہیں۔ قرآن میں ہے کہ چوری کرنے والے کا
ہاتھ کاٹ دیا جائے اور ہادی برحق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے چور کا
ہاتھ گٹے سے کاٹ کر دکھا دیا کہ انگوٹھا ہاتھ میں شامل ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص 205
الجواب) اولاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو سب غیر مقلدوں کو چیلنج کیا تھا کہ
مرفوع حدیث سے ثابت کرو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب تکبیر اولی میں ہاتھ
اٹھاتے تو انگلیاں مبارک کندھوں تک ہوتی تھیں وہابی جی سے یہ مطالبہ تو پورا ہو نہیں پایا
اپنی ناکامی چھپانے کو ادھر ادھر کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ ثانیاً۔ جو مفتی صاحب نے
فرمایا تھے غیر مقلد بے بنیاد استدلال کہہ رہا ہے اس کی تائید ابو داؤد شریف کی مرفوع
حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے چنانچہ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اَنَّهُ اَبْصَرَ النَّبِيَّ
حِيْنَ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَ حَاذٰى اِبْهَامَيْهِ
اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ ۔ ابوداؤد جزء اول ص 112 انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
کو دیکھا کہ جب نماز کو کھڑے ہوئے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کندھوں کے
مقابل ہو گئے اور انگوٹھے کانوں کے پھر تکبیر کہی۔ یہی مراد ان روایتوں کی ہے جن میں
کندھوں تک ہاتھ پہنچنے کا ذکر ہے مگر وہابیوں کی نظر صرف اپنے مذہب پر ہوتی ہے یہ
الاختلاف حدیثوں کے درمیان ان کے غیر مقلد وحید الزمان صاحب نے کی ہے ملاحظہ

ہو۔

غیر مقلدوں کا اقرار کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانا بھی سنت ہے

ان کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلی کی پشت مونڈھوں کے برابر آ جائے اور بعض روایتوں میں جو کانوں تک اٹھانا مذکورہ ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ انگلیوں کی پوریں اور انگوٹھے کان کی لو کے قریب ہو جائیں اس صورت میں حدیثوں میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا اور امام شافعی نے اسی طرح تطبیق کی ہے اور یہی حق ہے۔ تیسیر الباری شرح بخاری ج 1 ص 488۔ ان کے گھر کے امام مجتہد العصر عبداللہ روپڑی صاحب فتاویٰ اہلحدیث ج 2 ص 121 پر لکھتے ہیں اور انگلیوں کو کشادہ رکھ کر ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کر کے کانوں کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے۔ یعنی ان کے نزدیک کانوں اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانا دونوں طرح سنت ہے۔ اگر بقول وہابی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایتیں صحیح نہیں تو پھر روپڑی صاحب اسے کیوں کر سنت مانتے۔ غیر مقلدوں کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی صاحب۔ الروضۃ الندیہ ج اول ص 87 پر لکھتے ہیں۔ قَالَ فِی الْحُجَّۃِ فَاِذَا کَبَّرَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلٰی اُذُنَیْہِ اَوْ مَنْکِبَیْہِ وَکُلُّ ذٰلِکَ سُنَّۃٌ اَقُوْلُ اَنَّ الْاَدِلَّۃَ عَلٰی ہٰذِہِ السُّنَّۃِ قَدْ تَوَاتَرَ تَوَاتُرًا لَا یُنْکِرُہٗ مَنْ لَّہٗ اَدْنَی الْمَاسَّۃُ بِعِلْمِ الْاَدِلَّۃِ۔ یعنی حجۃ میں فرمایا کہ جب تکبیر کہے ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں کے مقابل کرے اور یہ سب سنت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سنت پر دلیلیں تواتر کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ اس کا وہ بھی انکار نہ کرے کا جسے دلیلوں کے علم سے کچھ تعلق ہے۔ غیر مقلدوں کے امام شوکانی لکھتے ہیں۔ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِکِ بْنِ حُوَیْرِثٍ اَلْاٰتِیْ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا اُذُنَیْہِ وَعِنْدَ اَبِیْ دَاوٗدَ مِنْ رِوَایَۃِ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّ جَمَعَ بَیْنَھُمَا فَقَالَ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِظَھْرِ کَفَّیْہِ الْمَنْکِبَیْنِ وَبِاَطْرَافِ اَنَامِلِہِ الْاُذُنَیْنِ وَیُؤَیِّدُہٗ رِوَایَۃٌ اُخْرٰی عَنْ وَائِلٍ عِنْدَ اَبِیْ دَاوٗدَ بِلَفْظِہٖ حَتّٰی کَانَتَا حِیَالَ مَنْکِبَیْہِ وَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ وَاَخْرَجَ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالدَّارُقُطْنِیُّ مِنْ طَرِیْقِ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ وَمِنْ طَرِیْقِ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ۔ نیل الاوطار ج ثانی ص 183 مالک بن حویرث سے مروی آگے آنے والی حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل کر دیا اور ابوداؤد کی روایت عاصم بن کلیب کے طریق سے اس نے اپنے باپ انہوں نے وائل بن حجر سے روایت کی۔ بے شک انہوں نے دونوں روایتوں کو جمع کیا تو فرمایا یہاں تک کہ ہتھیلیوں کی پشت کندھوں کے برابر اور انگلیوں کے سرے کانوں کے مقابل ہوگئے اور اس کی تائید دوسری روایت بھی کرتی ہے جو وائل ابن حجر کے طریق سے ابوداؤد نے بیان کی ان لفظوں سے حتی کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوگئیں اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوگئے اور حاکم نے مستدرک میں اور دار قطنی نے عاصم بن احول کی سند سے حضرت انس بن مالک سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تکبیر فرمائی تو انگوٹھے کانوں کے برابر کر دیے اور حمید کے طریق سے انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوئے تو تکبیر فرمائی پھر ہاتھوں کو اٹھایا تو انگوٹھے کانوں کے برابر ہوگئے۔ شوکانی صاحب کے بیان سے واضح ہو کہ تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی روایتوں میں حقیقی تعارض نہیں صرف لفظی تعارض ہے کیونکہ جن روایتوں میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہتھیلیاں ہیں اور ہتھیلیاں کاندھوں تک ہوں انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے ہیں اور یہی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ اب غیر مقلدوں میں انصاف نام کی کوئی چیز ہے تو ضد چھوڑیں اور احناف کا مذہب حق مان کر تکبیر اولیٰ میں کانوں تک ہاتھ اٹھائیں۔ انہیں کے غیر مقلد مولوی وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں وَیُسَنُّ اَنْ یَّرْفَعَ یَدَیْہِ بِحَیْثُ یُحَاذِیْ کَفَّیْہِ بِمَنْکِبَیْہِ وَاَصَابِعُھُمَا اُذُنَیْہِ مُقَارِنًا لِلتَّکْبِیْرِ۔ نزل الابرار من فقہ النبی المختار اور سنت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اس طرح کہ ہتھیلیاں کندھوں اور انگلیاں کانوں کے برابر ہو جائیں۔ یہاں تک ہم نے بفضلہ تعالیٰ

احناف کے موقف کانوں تک ہاتھ اٹھانے پر غیر مقلدوں کے اعتراضوں کا شافی جواب دیا مگر طائفہ وہابیہ کی عادت ہے کہ جو حدیث اپنے مذہب کے خلاف دیکھیں اسے موضوع یا ضعیف کہہ دیتے ہیں لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں اپنے موقف کانوں تک ہاتھ اٹھانے پر وارد احادیث کی صحت بیان کر دوں۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی احادیث کی صحت کا بیان

(اول) مستدرک ج 1 ص 226) پر ہے کہ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ ثُمَّ رَکَعَ حَتّٰی اسْتَقَرَّ کُلُّ مَفْصَلٍ مِنْہُ وَانْحَطَّ بِتَکْبِیْرٍ حَتّٰی سَبَقَتْ رُکْبَتَاہُ یَدَیْہِ ھٰذَا اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ وَلَا اَعْرِفُ لَہٗ عِلَّۃً وَلَمْ یُخْرِجَاہُ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے تکبیر فرمائی تو اپنے انگوٹھے مبارک کانوں کے مقابل کر دیئے پھر رکوع کیا یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ ٹھہر گیا اور پھر تکبیر کہہ کر سجدہ میں گئے حتیٰ کہ گھٹنے آپ کے ہاتھوں پر پہل کر گئے۔ اس حدیث کی یہ سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور میں اس میں کچھ ضعف نہیں دیکھتا اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ واضح رہے کہ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں ابن حاکم کی مذکورہ صحت کی مخالفت نہیں کی جس سے حاکم کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(دوم) عمدۃ القاری شرح بخاری۔ ج 2 ص 7 پر ہے کہ وَعِنْدَنَا مَاذَکَرَہٗ صَاحِبُ الْمُحِیْطِ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حِذَاءَ اُذُنَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْھَامَیْہِ شَحْمَتَیْھِمَا وَبِرُؤُسِ اَصَابِعِہٖ فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ لِمَا رَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ مَالِکِ بْنِ حُوَیْرِثٍ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا اُذُنَیْہِ وَفِیْ لَفْظٍ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ وَعَنْ اَنَسٍ مِثْلُہٗ مِنْ عِنْدِ الدَّارِ الْقُطْنِیْ وَسَنَدُہٗ صَحِیْحٌ۔ اور ہمارے نزدیک وہ (معمول بہ) ہے جسے صاحب محیط نے بیان کیا کہ اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے یہاں تک انگوٹھے لو کے مقابل ہو گئے اور انگلیوں کے

سرے کانوں کی لو تک اور اس بنا پر جو مسلم نے مالک بن حویرث سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح ہاتھ مبارک اٹھاتے تھے کہ ان کو کانوں کے محاذی کر دیتے اور دوسری روایت کے لفظ ہیں کہ دونوں ہاتھ مبارک کانوں کی لو کے برابر کرتے اور دار قطنی کی روایت حضرت انس سے بھی اس کی مثل ہے اور سند اس کی صحیح ہے۔ (سوم) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ کَانَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ اُذُنَیْہِ یَقُوْلُ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ وَرِجَالُہٗ مَوْثُوْقُوْنَ۔ (مجمع الزوائد ج 2 ص 107) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو ہاتھ مبارک اٹھاتے حتیٰ کہ کانوں کے برابر ہو جاتے (الخ) اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور راوی اس کے ثقہ ہیں۔ (چہارم) خود غیر مقلدوں کے مولوی محمد صادق سیالکوٹی صاحب نے صلوٰۃ الرسول کے ص 240 پر حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ الغرض جب کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے ثبوت پر احادیث صحیحہ وارد ہیں تو ان کے مقتضاء و مدلول پر بھی عمل ضروری ہے۔

زیرِ ناف ہاتھ باندھنے پر بحث

اب جاء الحق سے دوسرا باب زیر ناف ہاتھ باندھنے پر بحث شروع ہوتی ہے۔ اس پر غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے بفضلہٖ تعالیٰ جواب ہوں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ پہلی فصل: مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرد کو نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ حدیث نمبر (۱) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔ رَوَاہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ وَرِجَالُہٗ ثِقَاتٌ۔ حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا

کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، ناف کے نیچے۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے روایت کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ غیر مقلد نے اس پر طویل اعتراض کیا ہے۔ اسے پورا لکھنے کے بجائے ہم اس کا مُحصل بیان کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ مرفوع حدیث میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کے الفاظ اصل نہیں بلکہ حنفیوں کے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نے مصنف ابن ابی شیبہ کو شائع کیا اور ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ (نام نہاد دین الحق ص 219 الجواب) اولاً۔ ہر ایک کو آئینہ میں اپنا ہی عکس نظر آتا ہے کیونکہ طائفہ وہابیہ کا خود طریقہ قبیحہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تقلید میں وہ دین میں ہیر پھیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ اپنے خودساختہ عقائد و معمولات ثابت کرنے کو ہیرا پھیری کا حربہ استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اسی لئے وہ اہل سنت و جماعت کو بھی اپنے قلوب قسوہ پر قیاس کرتے ہیں ورنہ ایسا فعل اہلسنت کا طریقہ ہرگز نہیں۔ نیز ایسی حرکتوں کی ضرورت اسے ہوتی ہے جس کے پاس دلائل نہ ہوں مگر بفضلہٖ تعالیٰ اہلسنت وجماعت کثرھم اللہ کے پاس اپنے ہر عقیدہ و معمول پر دلائل موجود ہیں انہیں خودساختہ دلائل کی حاجت ہی نہیں۔

غیر مقلد نے خود ہی اپنا رد کر دیا

ثانیاً۔ خود غیر مقلد کی تحریر ہی اس کا رد کرتی ہے وہ یوں کہ آپ نے مندرجہ بالا سطور میں غیر مقلد کا اعتراض پڑھا کہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نے مصنف ابن ابی شیبہ میں تحت السرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور مذکورہ ادارہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کو ١٤٠٦ ہجری میں شائع کیا۔ جب کہ ساتھ ہی یہ صاحب لکھ رہا ہے کہ:

اہل علم جانتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے اس اضافہ کا ذکر سب سے اوّل حافظ قاسم متوفی ٨٧٩ ہجری نے تخریج الاحادیث الاختیار۔ میں کیا اس کے بعد شیخ محمد قائم سندھی اور شیخ محمد ہاشم سندھی نے اور دوسرے حنفی علماء نے اس کی صحت کا

دعوٰی کیا مگر علامہ محمد حیات سندھی نے اس کی پُر زور تردید کی اور کہا کہ جس نسخہ کی بنیاد پر اس میں اضافہ کا دعوٰی کیا جا رہا ہے وہ نسخہ صحیح نہیں ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ٢٢٠۔ اب اس سے پوچھیں کہ یہ اضافہ ادارۃ القرآن کراچی نے کیا ہے تو اس نے مصنف کی اشاعت ١٤٠٦ ہجری کو کی تو قاسم سندھی جن کی وفات آپ ٨٧٩ ہجری بتا رہے ہیں اس اضافہ کی نشاندہی کس طرح کر دی۔ ثالثاً اسی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو صاحب آثار السنن محمد بن علی نیموی المتوفی ١٣٢٢ ہجری نے آثار السنن مطبع احسن المطابع کے صفحہ نمبر ٢٩ پر مصنف ابن ابی شیبہ سے باسناد صحیح لکھا ہے تو اگر بقول وہابی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ نے تحت السرہ کا اضافہ کیا تو اس کی اشاعت ہی علامہ نیموی کے دور سے کئی سال بعد کی ہے ان کو یہ حدیث مصنف سے کیسے ملی۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ٣ ملاحظہ ہو۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

قَالَ ثَلٰثٌ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَ تَاْخِيْرُ السُّحُوْرِ وَ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سحری میں دیر کرنا نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ مذکورہ روایت حضرت علی خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ سے ہرگز نہیں بلکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہے امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی سند میں علی بن ابی العالیہ ہے جس کو مفتی صاحب نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصور کر لیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ٢٢٢۔ الجواب) وہابی صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی کوئی روایت نہیں جس میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہو اور مفتی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف روایت کو غلطی سے یا جان بوجھ کر منسوب کر دیا ہے۔ اب فقیر وہابی جی کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اٹھا کر دکھا دیتا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے اور آپ خود بھی اسی کے قائل ہیں ملاحظہ ہو۔

دلیل اوّل- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ- المجموع شرح المہذب- ج ٣ ص ٣١٣ پر لکھتے ہیں- وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ الثَّوْرِيُّ وَ اِسْحَاقُ يَجْعَلُهُمَا تَحْتَ سُرَّتِهٖ وَبِهٖ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ الْمَرْوَزِيُّ مِنْ اَصْحَابِنَا كَمَا سَبَقَ وَ حَكَاهُ اِبْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَالنَّخْعِيِّ وَاَبِیْ مجلز - وَعَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رِوَايَتَانِ اَحَدُهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَالثَّانِيَةُ تَحْتَهَا وَعَنْ اَحْمَدَ ثَلٰثُ رِوَايَاتٍ هٰذَانِ وَالثَّالِثَةُ يَتَخَيَّرُ بَيْنَهُمَا وَلَا تَفْضِيْلَ۔

اور امام ابو حنیفہ اور ثوری اور اسحاق رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ دونوں ہاتھ زیر ناف باندھے اور یہی قول ہمارے اصحاب میں سے ابو اسحاق المروزی کا ہے جیسا کہ گزرا اور اسے ابن منذر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام نخعی اور ابو مجلز سے روایت کیا اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں ایک میں ناف کے اوپر اور دوسری میں ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور امام احمد رضی اللہ عنہ سے تین روایتیں ہیں دو تو یہی ہیں اور تیسری روایت ہے کہ ان دونوں طرح ہاتھ باندھنے کا بلا ترجیح اختیار ہے۔ اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہوا کہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

دلیل دوم- (اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْيُمْنٰى عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ هٰذَا قَوْلُ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ البنایہ فی شرح الهدایہ — ج ١- ص ٦٠٩) بے شک سنت دائیں ہاتھ کو بائیں پر زیر ناف باندھنا ہے۔ یہ قول حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت کہتے ہیں۔

تیسری دلیل- خود وہابیوں کے گھر کی گواہی غیر مقلدوں کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی صاحب لکھتے ہیں: رزین در کتاب خود از علی مرتضیٰ رضی اللہ

عنہ روایت کردہ کہ سنت وضع یدین ست زیر سرہ در نماز و از ابی جحیفہ رحمۃ اللہ علیہ آوردہ کہ گفت علی کرم اللہ وجہہ سنت وضع کف ست بر کف در نماز و نہادن آن ہر دو را زیر ناف۔ اخرجہ رزین و ایں حدیث صریح ست در زیر ناف۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام- ج ١- ص ٢٠٢- رزین نے اپنی کتاب میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہاتھوں کو نماز میں ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے زیر ناف باندھنا سنت ہے۔ اس رزین نے روایت کیا اور یہ حدیث زیر ناف ہاتھ باندھنے کے ثبوت میں صریح ہے۔ نوٹ یہی حدیث۔ مسند احمد حنبل ج ١- ١١٣ سنن الکبریٰ للامام بیہقی- ج ٢- ٣١ مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٣٢٧ پر موجود ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ٣ ملاحظہ ہو۔ ابو داؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ اَخْذُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ ۔ ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ہے۔ یہ ابو وائل کا اثر بھی نہیں بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ البتہ ابو وائل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ٢٢٢) الجواب اوّلاً بڑا للعجب کا شکہ نام نہاد اہل حدیث حدیث کی تعریف سے واقف ہوتا تو اس کے حدیث ہونے کا انکار نہ کرتا کیونکہ اہل اصول محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول فعل اور تقریر حدیث ہے اسی طرح صحابی کا قول۔ فعل اور تقریر حدیث ہے فرق یہ ہے کہ اوّل کو حدیث مرفوع کہا جاتا ہے جب کہ ثانی کو موقوف۔ اب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر وہابی کا اعتراض تب درست تھا کہ آپ مرفوع کا دعویٰ کرتے۔ ثانیاً یہ بھی حدیث سے فرار کا جواز نہیں کہ جی یہ ابو وائل کا اثر نہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ اگر اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر بھی فرض کر لیا جائے تو احناف کو کیا نقصان اور وہابی کو دھچکا کیا فائدہ بلکہ احناف کا مؤقف مزید مؤکد ہو جائے گا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر و حضر خلوت و جلوت میں حاضر باش صحابی ہیں جو آپ کے احوال و افعال و اقوال اور راز و نیاز سے خبردار تھے۔ لہٰذا جب وہ زیر ناف ہاتھ باندھنا سنت کہتے ہیں تو اسے ماننا چاہیے ثالثاً۔ زیر بحث حدیث کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ وہ ابو وائل رضی اللہ عنہ سے ہی ہے چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں قَالَ اَبُوْ وَائِل یعنی حضرت ابو وائل نے کہا: یہ تو نہیں کہ قال ابو ہریرہ۔ جب حدیث کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو وائل سے ہے قطع نظر اس سے کہ مرفوع ہے یا موقوف تو پھر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کس کا اعتراض اور ان کا کیا قصور۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ مولانا نیموی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ: فِیْهِ عبد الرَّحمٰن بن اسحاق وَهُوَ ضعیف ۔ یعنی اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحاق ہے جو کہ ضعیف ہے۔ تام نہاد دین الحق ۲۲۳ الجواب اولاً اگر آپ علامہ نیموی کی بات واقعی مانتے ہیں تو انہوں نے اپنی آثار السنن باب وضع الیدین تحت السُّرَّة ۔ میں تین حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہیں جن میں سے دو کو صحیح کہا اور ایک کو حسن۔ پھر آپ ان کو بھی مان لیں اور ان کے مقتضیٰ پر عمل کریں یا اپنے کو اہل حدیث کہنا چھوڑ دیں۔ ثانیاً۔ امام بخاری نے عبد الرحمٰن بن اسحاق کے حافظہ پر اعتراض کیا ہے اس کے علاوہ علامہ عجلی۔ ابو حاتم۔ امام نسائی اور ابن خزیمہ ان سب نے کہا اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ میزان الاعتدال۔ ج ۲۔ ص ۵۴۷ ثانیاً۔ عبد الرحمٰن بن اسحاق کا ضعف بوجہ حافظہ ہے جس کا ارتفاع دیگر مؤیدات و مؤکدات سے ہو جاتا ہے چنانچہ حاشیہ العلاء السنن ج ۲ ۱۶۷ پر ہے۔ فَهٰذَا الْحَدِیْثُ لَا یَنْزِلُ عَنْ دَرَجَةِ الْحَسَنِ وَاَمَّا عِلَّةُ ضُعْفِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحَاق فَقَدْ عَرَفْتَ اِرْتِفَاعُهَا بِقَوْلِ العجلِیِّ اِنَّهُ جَائِزُ الْحَدِیْثِ یُکْتَبُ حَدِیْثُهُ اِنَّهُ قَدْ تَاَیَّدَ بِشَوَاهِد کَمَا اِبْنُ حَزْمٍ رَوَیْنَا عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَى الْکَفِّ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ ثَلٰثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِیْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاخِیْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ یَدِ الْیُمْنٰى عَلٰى یَدِ الْیُسْرٰى فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ کذا فی جوہر النقی۔ یہ حدیث

درجہ حسن سے کم نہیں اور عبد الرحمٰن بن اسحاق کے ضعف کا ارتفاع علامہ عجلی کے بیان سے جانا گیا کہ اس کی حدیث سے استدلال جائز اور اس کی حدیث لکھی جائے نیز اس کی تائید کئی شواہد سے ہوتی ہے جیسا کہ ابن حزم نے ہمیں دو روایتیں بیان کیں۔ ایک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر زیر ناف رکھنا سنت ہے۔ اور دوسری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا تین کام نبوت کی عادات سے ہیں افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر اور نماز میں داہناں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔ اسی طرح جوہر النقی میں ہے۔ ثانیاً۔ اگر بقول معترض عبد الرحمٰن ابن اسحاق کی روایت ضعیف بھی ہو تو احناف کا مذہب ضعیف نہیں ہوتا کیونکہ احناف کا مذہب بفضلہ تعالیٰ اس کے علاوہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ملاحظہ ہو۔

زیر ناف ہاتھ باندھنا سنت ہے

حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ مُوْسَی بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَمِیْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ . اَخْرَجَهُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔ آثار السنن ج ۲ ص ۶۷ علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اس نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ نوٹ اسی حدیث کو صاحب آثار السنن علامہ نیموی نے بھی صحیح کہا اور اس کے علاوہ دو روایتوں میں سے ایک کو صحیح اور ایک کو حسن کہا۔ ثالثاً غیر مقلدوں کو چاہیے کہ اپنے گھر کی خبر لیں کہ ان کے پاس اپنے مذہب کے ثبوت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے پر کون سی قوی دلیل ہے جب کہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ پورا واویلا کرتے ہیں کہ ہمارے پاس سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت پر صحیح ابن خزیمہ کی صحیح حدیث موجود ہے مگر ادھر خود غیر مقلدوں کے مولوی ناصر البانی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے چنانچہ لکھتے ہیں: اِسْنَادُهُ ضَعِیْفٌ

لِاَنَّ مُؤَمَّلًا وَّهُوَ ابْنُ اِسْمٰعِیْلَ سَیِّئُ الْحِفْظِ لٰکِنَّ الْحَدِیْثَ صَحِیْحٌ جَآءَ مِنْ طُرُقٍ اُخْرٰی بِمَعْنَاهُ وَفِی الْوَضْعِ عَلَی الصَّدْرِ اَحَادِیْثُ تَشْهَدُ لَهٗ ۔ یعنی اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں مؤمل بن اسمٰعیل ہیں جس کا حافظہ خراب تھا لیکن حدیث صحیح دوسرے طریقوں سے اس کے ہم معنی آئی ہیں اور سینہ پر ہاتھ رکھنے میں حدیثیں اس کے لیے شواہد ہیں۔ غیر مقلد لبانی صاحب کو چاہیے تھا کہ بتاتا وہ صحیح حدیث جو دوسری اسناد سے اس کے ہم معنی آئی ہے کون سی کتب حدیث میں موجود ہے ایسا نہ بتانے نے پول کھول دیا کہ یہ محض اپنی مذہبی کمزوری پر پردہ ڈالنا تھا۔ حقیقت میں (عَلٰی صَدْرِہٖ) کے الفاظ بیان کرنے میں ضعیف راوی مؤمل منفرد ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۱۶۹ پر ہے کہ: لَمْ یَقُلْ غَیْرُ مُؤَمَّلٍ بْنِ اِسْمٰعِیْلَ فَثَبَتَ اَنَّهٗ مُنْفَرِدٌ فِیْ ذٰلِكَ كَذَا فِی التَّعْلِیْقِ الْحَسَنِ ۔ یعنی مؤمل بن اسمٰعیل کے علاوہ یہ الفاظ کسی سے مروی نہیں ہیں پس ثابت ہوا کہ وہ ان الفاظ کے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ اسی طرح التعلیق الحسن میں ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہی علامہ نیموی کی التعلیق الحسن ہے جس کی عبارت غیر مقلد احناف کے خلاف بطور دلیل پیش کرتا ہے اگر اس میں انصاف ہے تو اپنے مذہب کے خلاف بھی اسے تسلیم کرلے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۴ تا ۵ ملاحظہ ہو۔ دار قطنی اور عبداللہ بن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْكَفِّ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ ۔ نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ اسی روایت کو مفتی صاحب نے ابوداؤد مسند احمد سنن دار قطنی بیہقی کے حوالہ سے حدیث نمبر ۶ تا ۹ کے زیر عنوان بیان کیا ہے پھر مکرر رزین کے حوالہ سے حدیث نمبر ۱۰ کے تحت درج کیا ہے۔ مفتی صاحب نے مختلف کتب حدیث سے الفاظ میں ہیر پھیر کرکے ایک ہی اثر کو چھ احادیث باور کرایا ہے۔

نام نہاد دین الحق ۲۲۳ الجواب۔ اولاً۔ وہابی صاحب کو یہ تو نشاندہی کرنی چاہیے

تھی کہ مفتی صاحب نے سند یا متن حدیث میں کون کون سا ہیر پھیر کیا ہے ایسا نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہابی صاحب بہتان تراشی کے عادی ہیں۔

ثانیاً۔ وہابی صاحب نے زیر بحث حدیث پر اثر کا اطلاق کرکے یہ باور کرایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یا مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے اور پھر آگے چل کر اسے بھی ضعیف اور ناقابل حجت کہہ دیا حالانکہ صحابی جب فرمائے یہ سنت ہے تو اس سے مراد مرفوع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس پر اہل اصول محدثین کی تصریح ملاحظہ ہو۔ نخبۃ الفکر میں ہے۔ قَوْلُ الصَّحَابِیِّ مِنَ السُّنَّةِ كَذَا فَالْاَكْثَرُ عَلٰی اَنَّ ذٰلِكَ مَرْفُوْعٌ وَنَقَلَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِیْهِ الْاِتِّفَاقَ ۔ ص ۹۶ یعنی صحابی کا فرمانا کہ ایسا سنت سے ہے تو اکثر فقہا و محدثین کے نزدیک مرفوع حدیث ہے اور ابن عبدالبر نے اس میں سب علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ اور مقدمہ اشعۃ اللمعات میں الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر گویند در زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چنیں می کردیم یا گویند سنت چنیں است این نیز در حکم مرفوع است وبعض گویند سنت صحابہ وخلفائے راشدین نیز احتمال دارد۔ یعنی اگر صحابہ کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہم یوں کرتے تھے یا کہیں سنت اس طرح ہے تو یہ بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ سنت صحابہ اور خلفاء راشدین کا بھی احتمال ہے۔ مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ صورتیں سامنے آئیں بالاتفاق مرفوع حدیث ہے۔ دوسری صورت اکثر علماء کے نزدیک بلا احتمال مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ تیسری صورت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہو دوسرا یہ کہ صحابہ اور خلفائے راشدین کی سنت مراد ہو۔ اب اوپر کے دونوں صورتیں اتفاقی وقوی چھوڑ کر ضعیف واحتمالی صورت کو اپنی ضرورت کے پیش نظر قاعدہ بنالینا انصاف وعقل مندی سے بعید ہے۔ نیز اگر سنت صحابہ وخلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم بھی لی جائے تو پھر بھی قابل استدلال حجت ہے کیونکہ امام الانبیاء حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

صحابہ کرام ہدایت کے ستارے ہیں

اَلصَّحَابِیْ کَنُجُوْمٍ فَبِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ نیز ارشاد ہے: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ خُلَفَائِی الرَّاشِدِیْنَ ۔ تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ اس کی دوسری سند ثابت نہیں اور اس کے روایت کرنے میں عبد الرحمٰن بن اسحاق واسطی منفرد ہے۔ اس حقیقت کے برعکس مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ ہماری طرف سے دُنیا بھر کے مقلدین کے حنفی ٹولہ کی بریلوی شاخ سے مطالبہ ہے کہ دس تو کجا صرف عبد الرحمٰن بن اسحاق کا ہمیں کوئی متابع دکھا دیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۲۴ الجواب اولاً۔ وہابی جی کا یہ خالص وسفید جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب نے زیر بحث روایت کو دس اسناد سے لکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اصل بات قارئین جاء الحق حصہ دوم کے ص ۱۸ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ وہاں پر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اس باب کی تمام احادیث پر اعتراض کیا کہ یہ ضعیف ہیں جواب دیا کہ ہم نے ان احادیث کی دس اسنادیں پیش کر دیں ہیں۔ مگر وہابی صاحب خوف خدا سے بے نیاز ہو کر مفتی صاحب کے قول دس اسناد کو زیر بحث روایت سے متعلق کر کے جھوٹ بولا پھر صرف یہاں تک اکتفاء نہ کیا اُلٹا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جھوٹا کہہ دیا۔ ثانیاً۔ ہم نے ابھی اسی باب میں عبد الرحمٰن بن اسحاق کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ ان سے روایت لکھنے اور استدلال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ غیر مقلد کا تیسرا اعتراض۔ عبد الرحمٰن بن اسحاق کا استاد زیاد بن زید مجہول الحال ہے اس کا پتہ ہی نہیں کہ یہ کون ہے آیا مسلمان تھا کہ نہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۲۴ الجواب

اولاً۔ اگر وہابی صاحب کو زیاد بن زید کے احوال کا پتہ نہیں چلا اس لیے انہیں شبہ پڑ گیا کہ وہ مسلمان بھی تھا کہ نہیں تو جنہوں نے ان سے روایتیں لیں ان کو تو ان کے ایمان کا علم تھا۔ محدثین حصول احادیث کے لیے غیر مسلموں کے پاس تو نہیں جاتے تھے۔

ثانیاً۔ مجہول الحال کی روایت مخالف مقصود جان کر مطلقاً رد کرنا محض ہوس ہے ورنہ اس میں تین مذہب ہیں۔ بعض فقہاء محدثین نے اسے مطلق قبول کیا ہے۔ بعض نے مطلق قبول نہیں کیا اور بعض انکشاف حال راوی تک توقف کے قائل ہیں۔

ثالثاً۔ بقول وہابی عبد الرحمٰن بن اسحاق کا ضعف اور زیاد بن زید سوائی کا مجہول ہونا بھی تو احناف کو مضر نہیں کیونکہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ خود جلیل القدر مجتہد۔ امام۔ صاحب مذہب تابعی ہیں جب کہ زیاد بن زید جحیفہ تابعی سے روای ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ سند حدیث میں ضعف بعد میں آیا تو بعد کا ضعف پہلوں کو مضر نہیں اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۶ تا ۹ ملاحظہ ہو۔ ابو داؤد نسخہ ابن اعرابی۔ احمد اور دار قطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: اِنَّہٗ قَالَ اَلسُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ ۔ ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ یاد رہے کہ اس حدیث شریف کا غیر مقلد صاحب نے یہاں کچھ جواب نہیں لکھا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۰ ملاحظہ ہو۔ رزین نے حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ السُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ فِی الصَّلٰوۃِ وَیَضَعُھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ ۔ نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔ واضح رہے کہ اس حدیث پر بھی غیر مقلد صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۱ امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔ اِنَّہٗ کَانَ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّۃِ ۔ آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ ابراہیم نخعی تابعی کا قول ہے۔ تابعی کا قول حدیث مرفوع کا معارض نہیں ہو سکتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۲۵ الجواب

اولاً۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر فقیہ محدث تابعی ہیں ان کا

اپنا قول وفعل اس امر کی دلیل ہے کہ نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

ثانیاً- اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی حضرت علقمہ بن وائل بن حجر کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے جسے صاحب آثار السنن نے صحیح کہا۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ اس کی سند میں ربیع بن صبیح ہے۔ اسے امام ابن معین۔ امام نسائی۔ ابن سعد ساجی نے ضعیف کہا ہے۔ امام عفان بن مسلم کا کہنا ہے کہ اس کی احادیث مقلوب ہیں۔ ابن صدیقی فرماتے ہیں کہ یہ احادیث میں پختہ نہیں علامہ جوز جانی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے سیئی الحفظ (زبردست خراب حافظہ والا) قرار دیا ہے۔ الغرض یہ روایت بھی قابل حجت نہیں ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۲۵ الجواب

اولاً۔ حضرت ربیع بن صبیح کے بارے میں غیر مقلد کو تنقید تو نظر آئی مگر امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول نظر نہیں آیا جو فرمایا کہ: لَا بَأْسَ بِهٖ۔ یعنی ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شعبہ رضی اللہ عنہ کا ان کی مدح میں فرمانا۔ هُوَ مِنْ سَادَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ وہ مسلمانوں کے پیشواؤں سے ہے میزان الاعتدال۔ ج ۲ ص ۴۱۔

ثانیاً- اسی روایت کو علامہ نیموی نے آثار السنن میں حسن کہا ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۲ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی: قَالَ يَضَعُ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ اس پر غیر مقلد صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۳-

زیر ناف ہاتھ باندھنا انبیاء کا طریقہ ہے

اَنَّهٗ قَالَ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض بلاشبہ امام ابن حزم نے اسے بیان کیا ہے مگر اس کی سند بیان نہیں کی اور نہ ہی اکابر احناف نے اس کی سند آج تک دکھائی ہے جب اس کی سند ہی نہیں تو اسے دلیل کیونکر بنایا جا سکتا ہے خود امام ابن حزم نے صراحت کی

ہے کہ اس کی سند نہیں ہے یہ بلا سند ہی ہے۔ اور عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہے دیتا۔

نام نہاد دین الحق ص ۲۲۶ - الجواب اولاً - وہابی جی نے حوالہ میں خیانت اور بیان میں کذب کا ارتکاب کیا خیانت یہ کہ کہ المحلی الآثار جلد نمبر ۳ کے بجائے ۲ کا حوالہ دیا تاکہ کوئی تحقیق وتلاش بھی کرے تو دشواری پیش آئے کذب بیانی یہ کہ کہ ابن حزم نے صراحت کی ہے کہ اس کی سند نہیں حالانکہ فقیر نے المحلی الآثار کو دیکھا ہے امام ابن حزم نے ایسا نہیں کہا۔

ثانیاً - ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا زیر بحث حدیث کو بلا قیل وقال بیان کر دینا دلیل ہے کہ اس کی سند ہے کیونکہ جب کوئی محدث حدیث بیان کرتا ہے تو وہ اپنے شیخ سے سن کر بیان کرتا ہے اور اس کا شیخ اپنے استاد و شیخ سے سن کر بیان کرتا ہے تو اسی کا نام ہی سند ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۴ ملاحظہ ہو۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے حجاج بن حسان سے روایت کی: قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ وَسَاَلْتُهٗ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَيَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ۔ اِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ وَرُوَاتُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔ میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔ اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ مفتی صاحب نے متن حدیث میں تحریف سے کام لیا ہے جسے ہم صرف نظر کرتے ہیں البتہ ہم مفتی صاحب کی ایک بد دیانتی کی طرف توجہ دلاتے ہیں وہ الفاظ ہیں۔ اِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ وَرُوَاتُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔ یہ مفتی صاحب کا صریحا جھوٹ ہے کیونکہ امام ابوبکر نے یہ قطعاً نہیں کہا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۳۶ الجواب- اولاً- ہر ایک کو آئینہ میں اپنا چہرہ دکھائی دیتا ہے اگر وہابی جی اپنے دعویٰ میں کہ مفتی صاحب نے متن حدیث میں تحریف سے کام لیا ہے سچا تھا تو نشان دہی کرتا کہ کہاں تحریف کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ خود وہابی صاحب جھوٹا ہے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف ابن شیبہ سے متن و عن حدیث کو

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ' والی حدیث کی سند کتاب کے آخری صفحہ پر ملاحظہ کریں 376

پیش کیا ہے اس میں کچھ کمی و زیادتی نہیں کی تحقیق درکار ہو تو مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱ ملاحظہ کریں۔ ثانیاً زیر بحث روایت کی صحت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے بیان نہیں کی بلکہ اس کی صحت پر علامہ نیموی کی شہادت بھی موجود ہے چنانچہ آثار السنن کے باب وضع الیدین تحت السرۃ۔ میں ابو مجلز رضی اللہ عنہ کی یہی روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ رواہ ابو البکر ابن ابی شیبہ واسنادہ صحیح۔ اسے ابو بکر ابن ابی شیبہ نے بیان کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیر بحث فصل کے اختتام پر عقلی تقاضا کے تحت لکھتے ہیں عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔

نماز میں کیونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہٰذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتا نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے ہیں۔ نیاز مندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض

نماز میں انسان اللہ تعالیٰ کے حمد و تعریف اپنے گناہوں کی معافی اور ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے۔ اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی سے عاجزی سے معافی طلب کرتا ہے تو ہاتھ سینہ کے قریب رکھتا ہے زیر ناف ہرگز نہیں۔ احناف کا مسلک ہے عورت سینہ پر ہاتھ رکھے آخر یہ عقل کے کیوں خلاف نہیں۔ نام نہاد دین الحق — ص ۲۲۷

الجواب

اولاً۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ وہابیوں کی فطرت ہوگی کہ جب کسی سے اپنے کرتوت کی معافی طلب کرتے ہوں تو سینہ پر ہاتھ باندھتے ہوں گے ورنہ عرف و عادت سے اسے ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے۔ ثانیاً امام الوہابیہ اسمٰعیل دہلوی صاحب تقویۃ الایمان میں فرما چکے ہیں کہ کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک فی العبادت ہے اب ان کا پیرو کار فرماتا ہے کہ انسانی فطرت ہی یہ ہے کہ جب وہ کسی سے معافی کا طلب گار ہو یعنی اللہ سے طلبگار ہو یا غیر اللہ سے تو ہاتھ سینہ کے قریب باندھتا ہے۔ مذکورہ دونوں عبارتوں میں واضح تضاد ہے امام الوہابیہ دہلوی صاحب جسے شرک فی العبادت کہے چکے ہیں نام نہاد دین الحق کے مصنف بعینہ اس کو فطرت انسانی کہے رہے ہیں۔ اب وہابی بتائیں کہ ان دونوں میں سے کون سچا اور کون جھوٹا ہے کیونکہ انہیں ایک کو سچا کہنا دوسرے کو جھوٹا کہنے کو مستلزم ہے۔

ثالثاً۔ عورت کا سینے پر ہاتھ باندھنا اس لیے خلاف سنت نہیں کہ اسے پردہ کا حکم ہے اور عقل مانتی ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنا اس کے لیے پردے کے اعتبار سے اچھا ہے نیز ہم حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں عورت کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا فرمایا گیا لہٰذا اس پر غیر مقلد کا اعتراض اندھا پن ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث باب کی فصل دوم میں غیر مقلدوں کے اعتراضوں کا جواب دیتے ہوئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول لکھا ہے: وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا فَوْقَ السُّرَّۃِ وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ وَکُلُّ ذٰلِکَ وَاسِعٌ عِنْدَھُمْ۔ اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک۔ اس پر مفتی صاحب تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو وہ ضرور نقل فرماتے۔ اس پر غیر مقلد صاحب کا اعتراض۔ امام ترمذی نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں علی صدرہ کے الفاظ موجود

ہیں نیز آپ نے اسی مقام پر سہل بن سعد کی روایت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

(ترمذی مع تحفہ ج ا ص ۲۱۳)

جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں کہ كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوٰة (بخاری ج ا ص ۱۰۲)

عہد رسالت میں لوگوں (مردوں اور عورتوں) کو حکم ہوا کرتا تھا کہ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ ذراع پر پھیلا کر رکھا کریں دریں صورت ہیئت فوق السرہ متعین ہوئی تحت السرہ کا کوئی احتمال نہ رہا کیونکہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے تو سینہ پر ہاتھ آ جائیں گے اگر زیر ناف رکھے جائیں تو دائیں ہاتھ کو اوپر نہیں رکھا جا سکتا۔

(نام نہاد دین الحق ص ۲۲۸)

سچ تسلیم کرنا وہابیوں کی عادت ہی نہیں

(الجواب) اولاً- مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بات تو صحیح فرمائی کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور اسے نقل کرتے مگر چونکہ وہابیوں کو سچ تسلیم کرنے کی عادت ہی نہیں اس لیے وہ بجائے ماننے کے اشارہ کی باتیں کر رہے ہیں کہ جی امام ترمذی نے فلاں روایت کی طرف اشارہ کیا ہے حالانکہ یہ بے سروپا جھوٹ ہے کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے صحیح ابن خزیمہ کی وائل بن حجر سے روایت کی طرف اشارہ کیا ہو اگر بقول ان کے امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے تو غیر مقلد صاحب کو چاہیے تھا الفاظ سامنے لاتے جن میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

قوم وہابیہ کو چیلنج

فقیر نے جامع ترمذی کو اس مقام سے بغور دیکھا ہے اس لیے قوم وہابیہ کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر امام ترمذی کا سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق روایت کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی ثابت کر دیں تو منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ ثانیاً صحیح ابن خزیمہ کی جس روایت کی

طرف وہابی امام ترمذی کے اشارہ کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں اس کے ضعف کا خود وہابیوں کے مولوی ناصر لبانی اقرار کر چکے ہیں یقین نہ آئے تو صحیح ابن خزیمہ کا اس مقام پر حاشیہ دیکھیں۔ ثالثاً- امام ترمذی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ عبارت شاہد ہے کہ اس میں علماء کے دو قول مذکور ہیں ایک ناف کے اوپر باندھنے کا یہ مذہب امام شافعی کا ہے دوم زیر ناف ہاتھ باندھنے کا یہ مذہب احناف کا ہے جب کہ فریق مخالف کا مذہب سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کا ہے جسے نہ امام ترمذی نے ذکر کیا اور نہ ہی کوئی امام اس کا قائل مگر صد حیف کہ فریق مخالف شرم نمی دارد رابعاً نام نہاد دین الحق کے مصنف کا یہ کہنا کہ امام ترمذی نے بخاری کی حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ تو سفید جھوٹ ہے کہ امام ترمذی نے بخاری شریف کی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہو البتہ جس حدیث کا ذکر وہابی صاحب نے کیا ہے یہ حدیث بخاری کی ج ا ص ۱۰۲ پر موجود ہے جس سے وہابیہ کا موقف قطعاً ثابت نہیں اس میں صرف دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کا ذکر ہے لیکن وہابی صاحب کی ڈھٹائی کی انتہاء کہ جس ہیئت زیر ناف باندھنے کو امام ترمذی علماء کے نزدیک جائز کہہ رہے ہیں یہ اس کے احتمال کا بھی انکار کر رہے ہیں مگر اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے شرم و حیاء پس پشت ڈال کر بعید العقل بات کر دی کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھے تو سینہ پر ہاتھ آ جائیں گے حالانکہ ہر صاحب شعور جانتا ہے کہ ناف کے اوپر متصل ہاتھ باندھنے سے سینہ پر نہیں آ سکتے اگر آ سکتے ہوں تو پھر غیر مقلد بھی ضد چھوڑ کر ناف کے اوپر متصل ہاتھ باندھا کریں تا کہ فوق السرہ والی روایت پر بھی عمل ہو جائے۔ وہابی صاحب نے اپنا مذہب نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کرنے اور اپنے کو عربی دان ظاہر کرنے کو ایک باب باندھا۔

باب وضع اليدين على الصدور

اس میں پہلی حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ابن خزیمہ کے حوالے سے لکھی ملاحظہ ہو: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ

الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ - میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھ کر سینے پر باندھتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ: وَقَدْ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلٍ اَنَّهٗ وَضَعَهَا عَلٰى صَدْرِهٖ - والبزار عِنْدَ صَدْرِهٖ وَعِنْدَ اَحْمَدَ فِيْ حَدِيْثِ هلب الطائی نَحْوَهٗ - وَفِيْ زيادات المسند مِنْ حَدِيْثِ عَلِيٍّ اَنَّهٗ وَضَعَهَا تَحْتَ السُّرَّةِ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ - (فتح الباری ص ۱۷۸ - ج ۲) اور تحقیق روایت کی ہے ابن خذیمہ نے وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ نے سینہ پر ہاتھ باندھے اور بزار نے سینہ کے قریب ہاتھ باندھنے کی روایت کی ہے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں مسند امام احمد میں ہلب طائی کی روایت آئی ہے اور زیادات مسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناف کے نیچے باندھنے کی آئی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے (انتہی) حافظ ابن حجر کے اس کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے بخاری شرح میں ہاتھ باندھنے کی کیفیت میں تین احادیث پیش کی ہیں زیر ناف کی آپ نے تضعیف کر دی ہے اور وائل بن حجر اور ہلب طائی کی روایات کو اپنے حال پر رہنے دیا ہے اور احناف کو مسلم ہے کہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں جس روایت پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق - ۲۱۶

الجواب - اولاً غیر مقلد صاحب نے حقائق سے آنکھیں بند کر کے خواہ مخواہ حافظ ابن حجر کا سہارا لیا مگر یہ سہارا اسے کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ صحیح ابن خزیمہ کی زیر بحث روایت کی سند میں مؤمل ہیں جو کہ ضعیف کثیر الخطاء منکر الحدیث ہے ملاحظہ ہو:

قُلْتُ مُؤَمَّلٌ هٰذَا قِيْلَ دُفِنَ كُتُبُهٗ فَكَانَ يُحَدِّثُ عَنْ حِفْظِهٖ فَكَثُرَ خَطَاءُهٗ كَذَا ذَكَرَ صَاحِبُ الْكَمَالِ وَفِي الْمِيْزَانِ قَالَ الْبُخَارِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ كَثِيْرُ الْخَطَاءِ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ فِيْ حَدِيْثِهٖ خَطَاءٌ كَثِيْرٌ اَلْجَوْهَرُ النَّقِيُّ حاشیہ البیهقی۔

(ج ۲ - ص ۳۰)

یعنی صاحب الجوہر النقی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں مؤمل وہ ہیں جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی کتابیں دفن ہو گئی تھیں تو وہ محض زبانی بیان کرتے تھے اور غلطیاں بہت کرتے تھے اسی طرح صاحب (الکمال) نے بیان کیا ہے اور میزان میں ہے کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ کثیر الخطاء تھے ابو زرعہ نے فرمایا کہ اس کی بیان کردہ حدیث میں غلطیاں بہت ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے ابن قیم کی گواہی

نصب الرایہ کے حاشیہ پر ہے۔ فکلام ابن القیم هذا ارشدنا الی امور ان زیادة علی صدره لم یذکرها الا مؤمل عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن وائل بن حجر وان مؤملاً منفرد من بین جماعة من اصحاب النبیؐ وهی جماعة لم یذکر احد - منهم هذه فهذه الزیادة عنه لم ذکر فی بدائع الفرائد ان السنة الصحیحة وضع الیدین تحت السرة وحدیث علی فی هذا صحیح وان وضع الیدین علی الصدر منهی عنه بالسنة وهی المنتهی عن التکفیر بغیة الالمعی فی تخریج الزیلعی مع نصب الرایه (ص ۳۱۶) یعنی یہ کلام ابن قیم کا ہے اس نے کئی امور کی طرف ہماری راہنمائی کی بلاشبہ علی صدرہ کے الفاظ کی زیادتی کو کسی نے بھی ذکر نہ کیا سوا مؤمل کے انہوں نے سفیان اس نے عاصم بن کلیب سے وائل بن حجر سے روایت کیا اور بے شک مؤمل (یہ زیادہ الفاظ) بیان کرنے میں منفرد ہیں اصحاب نبوی کی جماعت میں سے حالانکہ وہ ایک جماعت تھی تو ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ الفاظ بیان نہ کیئے تو زیادتی صرف اس ہی سے مروی ہے پھر ذکر کیا یعنی ابن قیم نے بدائع الفرائد میں کہ بلاشبہ سنت صحیحہ ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا ہے اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث وارد ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ممانعت سنت سے ثابت ہے اور وہ تکبیر کا منتھی ہے۔ اب بھی وہابی صاحبان اگر مؤمل کی روایت کی صحت کا دعویٰ کریں تو پھر ان سے بڑا ڈھیٹ کون ہو سکتا ہے

جب کہ روایت کے ضعف اور الفاظ کی زیادتی کی ان کے گھر کے امام ابن قیم نے بھی گواہی دے دی ہے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے میں ایک ضعیف روایت کا سہارا

اب ان کے خالص غیر مقلد ناصر البانی کی بھی سن لیجئے۔ حاشیہ صحیح ابن خزیمہ۔ ج ۱۔ ص ۲۴۳ پر اسی روایت کے تحت لکھتے ہیں۔ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ لِاَنَّ مُؤَمَّلَ وَهُوَ ابْنُ اِسْمَاعِيْلَ سَيِّئُ الْحِفْظِ۔ اس کی سند ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں مؤمل ہے اور وہ اسمٰعیل کا بیٹا خراب حافظہ والا ہے۔ مذکورہ بیان سے واضح ہوا کہ مذہب وہابیہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی بنیاد بھی بیت عنکبوت جیسی ہے۔ چونکہ وہابی صاحب کو اپنی پیش کردہ دلیل کا ضعف دل میں کھٹک رہا تھا اور اس سے پردہ اٹھنے کا خوف بھی دامنگیر تھا اسی لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا سہارا تلاش کیا عبارت کو ہم نے پہلے لکھ دیا اب اس پر نظر کرتے ہیں کہ غیر مقلد کو مفید بھی ہے یا نہیں۔ اولاً- ہم نے بفضلہ تعالیٰ محدثین کی عبارتوں سے ان کی دلیل کا ضعف بلکہ ضعیف راوی سے الفاظ کی زیادتی ثابت کر دی تو اب غیر مقلدوں کو ابن حجر کا محض سکوت مفید نہیں۔ ثانیاً۔ جناب آپ کوئی حافظ ابن حجر کے مقلد نہیں کے ان کا قول تمہارے لیے حجت ہو تمہارا دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے لہٰذا اپنی دلیل کی صحت دکھاؤ ادھر ادھر کی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ ثالثاً۔ اگر تم حافظ ابن حجر کا سکوت علی صدرہ اور عند صدرہ۔ دونوں روایتوں کی صحت پر دلیل مانتے ہو تو پھر علی صدرہ کو ترجیح دینے اور عند صدرہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا ابن حجر کی عبارت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ دراصل یہ تمہاری مذہب پرستی ہے دین کی اتباع نہیں۔ رابعاً- حافظ ابن حجر کا ضعف بیان کرنا احناف کے لیے تب مضر ہو جب یہ ثابت ہو کہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روایت سے استدلال کیا اس وقت یہ ضعف موجود تھا اگر ثابت نہیں تو پھر اصول کے تحت بعد کا ضعف پہلے کے استدلال کو مضر نہیں ہوتا۔ وہابی مصنف کی اپنی مذہب سینہ پر ہاتھ باندھنے پر دوسری

دلیل۔ حضرت ھلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْصَرِفُ عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَعَنْ یَّسَارِهٖ وَیَضَعُ یَدَهٗ عَلٰی صَدْرِهٖ۔ مسند امام احمد۔ ج ۵- میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ نماز کے اختتام پر دائیں اور بائیں سلام پھیرتے اور نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے۔ امام ترمذی اور علامہ نیموی حنفی نے اس کی سند کو حسن تسلیم کیا ہے۔ نام نہاد دین الحق۔ ص ۲۱۷ تا ۲۱۸ الجواب۔ اولاً- وہابی صاحب تحریف فی الحدیث کرنے میں یہود پر بھی بازی لے گئے یہ دراصل بیچارے کی مذہبی مجبوری تھی اس لیے حضرت ھلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت مسند امام احمد میں مذکور ہے اس میں کئی احتمال موجود ہیں جس سے اس کے مذہب نامہذب کی دلیل بعید از عقل نظر آتی تھی اس لیے وہابی جی نے حدیث میں اپنے پاس سے مطلب کے کچھ الفاظ داخل کر دیے پھر رہی سہی کسر ترجمے میں پوری کر دی حدیث کی سند اور اصل متن یہ ہے حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یحیی بن سعید عن سفیان رایت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره ورایتہ قال یضع هذه علی صدره مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۲۶ اول تو وہابی صاحب نے ورایتہ کے الفاظ نکال دیے شاید یہ اس لیے کے پڑھنے والے کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ یہ راوی کے اپنے الفاظ ہیں یا متن حدیث سے کیونکہ یہاں ورایتہ قال کے قائل میں کئی احتمال ہیں اس لیے وہابی صاحب نے اسے سرے سے نکال دیا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری نیز یضع هذا میں کوئی وضاحت موجود نہ تھی کہ اس سے کیا مراد ہے تو وہابی جی نے یدہ سے بدل دیا پھر اس میں احتمال تھا کہ سینہ پر ہاتھ رکھنا نماز کے بعد اتفاق ہو جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے سلام پھیرنے کا ذکر ہے پھر ہاتھ رکھنے کا حالانکہ ہاتھ باندھنے کے محل کا ذکر تکبیر تحریمہ کے وقت سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ سلام کے بعد سے تو وہابی جی نے اپنی مذہبی ضرورت کے پیش نظر ترجمہ ہی ایسا گھڑ دیا جس سے یہ مقصد پورا ہو سکے لہٰذا ترجمہ کر دیا۔ سلام پھیرتے اور نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے۔ حالانکہ نماز میں کسی لفظ کا معنی نہیں۔ نیز یضع۔ مضارع ہے مگر اس صاحب

نے خیانتاً اس کا ترجمہ رکھتے تھے۔ ماضی استمراری کا کر دیا تا کہ قاری کو مغالطہ ہو کہ یہ دائمی سنت ہے۔

ثانیاً۔ وہابی جی کی خاصا کذب بیانی ہے کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے علی صدرہٖ۔ کے الفاظ والی روایت کو سند احسن کہا ہو جامع ترمذی میں تو ایسی کوئی روایت موجود ہی نہیں جس میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت ہو اگر ترمذی میں ایسی روایت بسند حسن موجود ہوتی تو غیر مقلدوں کو صحیح ابن خزیمہ کی ضعیف روایت کا سہارا لینے کی حاجت نہ پڑتی۔

(ثالثاً) غیر مقلد صاحب نے علامہ نیموی کا حوالہ دینے میں کہ اپنے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت کی سند کو حسن کہا ہے۔ عظیم بد دیانتی کی ہے وہ یوں کہ جہاں علامہ نیموی نے فرمایا: اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ ساتھ ہی کہا: لٰكِنْ قَوْلُهٗ عَلٰى صَدْرِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ۔ لیکن راوی کا قول اپنے سینے پر ہاتھ رکھے یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں جب کہ وہابی کا مدعی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کو صحیح ثابت کرنا تھا۔ اگر پوری عبارت نقل کرتے تو مذہبی نقصان کا اندیشہ تھا لہٰذا وہابی جی نے خیانتاً اسنادہ حسن کو نقل کر لیا اگلی عبارت کو چھوڑ دیا۔ نیز اگر تمہیں علامہ نیموی کی عبارت پر واقعہ اعتماد و یقین ہے تو نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کے ثبوت کی حدیث کی سند کو اس نے صحیح کہا ہے۔ اسے کیوں نہیں مانتے ہو یقین نہ آئے تو دیکھ لیں۔

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے

حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ مُوْسٰى بِنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ رواہ ابن ابی شیبۃ واسنادہ صحیح۔ آثار السنن باب وضع الیدین تحت السرۃ۔ حضرت وائل اپنے باپ حجر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر زیر

ناف باندھا۔ افسوس ہے غیر مقلدوں کو دین پر عمل کی بجائے اپنے خود ساختہ مذہب کی فکر ہے وہ اسے صحیح ثابت کرنے کیلئے صریح الدلالۃ صحیح مرفوع حدیث چھوڑ کر غیر صریح ضعیف غیر محفوظ روایت پر عمل کرتے ہیں۔ غیر مقلد کی اپنے مذہب کی تائید پر تیسری دلیل۔

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ (كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ) (الحدیث) تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے اوپر سینے کے (انتہی) مراسیل ابوداؤد ص ۶)

اگر کوئی حنفی کہے کہ یہ روایت مرسل ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مرسل بلاشبہ حجت ہے اگر بالفرض اس روایت کے علاوہ اور کوئی حدیث نہ بھی ہوتی تو بھی حنفی مذہب کے اصول کے تحت ان کے لیے یہی ایک حدیث کافی تھی کیونکہ کہ اس کی سند امام طاؤس تک صحیح ہے اور امام طاؤس کی ثقاہت پر تمام محدثین کا اجماع ہے لہٰذا احناف کے نزدیک تو یہ روایت اصول کا درجہ رکھتی ہے مگر چونکہ یہ ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے اس لیے روایت پر عمل کرنے کو کبھی تیار نہ ہوں گے۔ (امام نماز دین الحق۔ ص ۲۱۸) الجواب اوّلاً۔ وہابی جی کی مکارانہ چال دیکھو کہ جب اپنے مذہب کی تائید مطلوب تھی تو مرسل روایت کو دلیل بنا لیا حالانکہ خود یہ صاحب مرسل کی حجیت کا منکر ہے پھر سہارا لیا کہ حنفیوں کے نزدیک مرسل دلیل ہے۔ میں پوچھتا ہوں وہابی صاحب اس پر عمل وہابیوں کا ہے یا حنفیوں کا ہے؟ اصل میں یہ وہابیوں کے قول و عمل میں تضاد کا ثبوت ہے کہ جب کوئی دلیل خلاف مذہب دیکھی حیلے بہانے سے فرار کی راہ نکال لی جب موافق نظر آئی تو قبول کی راہ بنا لی۔ ثانیاً۔ یہ وہابی جی کا جھوٹ ہے کہ اس کی سند امام طاؤس تک صحیح ہے علامہ نیموی اس کی حقیقت ظاہر کرتے ہوئے اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ فِي الْمَرَاسِيْلِ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔ یعنی اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے مگر سند اس کی ضعیف ہے۔ آثار السنن باب وضع الیدین علی الصدر۔ اس کے حاشیہ التعلیق حسن۔ پر اس کی وجہ ضعف بیان

کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قَوْلُهٗ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ فِی الْمَرَاسِیْلِ ۔ قُلْتُ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ تَوْبَةَ ثَنَا الْھَیْثَمُ یَعْنِیْ ابْنَ حُمَیْدٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ طَاؤسٍ بِهٖ وَهُوَ مُرْسَلٌ وَمَعَ ذٰلِكَ سُلَیْمَانُ بْنُ مُوْسٰی لَیِّنُ الْحَدِیْثِ قَالَ الْبُخَارِیُّ عِنْدَهٗ مَنَاکِیْرُ وَقَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَفِی التَّقْرِیْبِ صَدُوْقٌ فَقِیْهٌ فِیْ حَدِیْثِهٖ بَعْضُ لِیْنٍ وَخُوْلِطَ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۔ خلاصہ اس کا یہ کہ ضعیف ہونے کے ساتھ اس کی سند میں سلیمان بن موسیٰ حدیث میں نرمی برتنے والے اور امام بخاری کے نزدیک منکر الحدیث اور نسائی نے فرمایا قوی نہیں اور التقریب میں اسے صدوق وفقیہ کہنے کے ساتھ حدیث میں نرم اور آخر عمر مخلوط الکلام فرمایا۔ دیکھو اس قدر وجوہ ضعف ہونے کے باوجود وہابی صاحب روایت کی سند کو صحیح کہہ رہے ہیں امام بخاری ونسائی کی بات پر بھی کان نہیں لگا رہے کیونکہ وہ ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ زیر بحث باب میں احناف کے مذہب وموقف کی صحت اور غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جوابات اور ان کی دلیلوں کا رد ہوا اب جاء الحق ہے۔

نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے پر بحث

تیسرا باب نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ پڑھنے کے ثبوت میں شروع ہوتا ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بِسْمِ اللّٰهِ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریف ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ حدیث نمبر ۱ تا ۳ مسلم وبخاری وامام احمد نے مسند میں انس سے روایت کی "قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ یَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ"۔

ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہوں...... اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ بلاشبہ یہ روایت بَاشُعْبَةَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ کے طریق سے صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱ - میں اور مسند امام احمد ص ۳۴۳ ج ۳ - میں آئی ہے مگر بخاری میں ہرگز نہیں یہ صریحا جھوٹ ہے آگے چل کر مفتی صاحب نے اسی روایت کو مسلم سے نقل کیا ہے اور حدیث نمبر ۴ کا عنوان لگایا ہے کہ: کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ آگے چل کر مفتی صاحب نے مکرر یہی روایت مفصل درج کی ہے اور عنوان حدیث نمبر ۱۵ کا لگایا ہے جس کے آخر الفاظ یہ

ہیں کہ۔ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔فِیْ اَوَّلِ الْقِرَاءَۃِ وَلَا فِیْ آخِرِھَا ۔ حالانکہ یہ ایک ہی روایت کے دو ٹکڑے ہیں پہلی جگہ یہ مفتی صاحب نے آدھی روایت ذکر کی ہے اور دوسری جگہ یہ ساری روایت لکھ دی ہے دیکھئے صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱۔ آگے چل کر مفتی صاحب نے دوبارہ اسی حدیث کو نمبر ۵ تا ۷ کا عنوان قائم کر کے بحوالہ سنن النسائی۔ ابن حبان اور طحاوی۔ انس کی روایت کے حسب ذیل الفاظ کو لکھا ہے کہ صَلَّیْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْھُمْ یَجْھَرُوْا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ بلاشبہ یہ روایت سنن النسائی ص ۱۰۸ ج ۱ میں شرح معانی الآثار ص ۱۳۹ ج ۱ ۔ میں او ابن حبان ص ۱۴ ج ۴۔ میں موجود ہے مفتی صاحب نے پھر اسی حدیث کو حدیث نمبر ۱ تا ۱۱ کے تحت بحوالہ ابو نعیم۔ ابن خزیمہ اور طحاوی سے حسب ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ کَانُوْا یُسِرُّوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔یوں مفتی صاحب نے ایک ہی حدیث کو مختلف کتب حدیث سے الفاظ میں ہیر پھیر کر کے ۱۵ احادیث باور کرایا ہے جو امانت و دیانت کے خلاف ہے اول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت صرف قتادہ سے پائی جاتی ہے اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں امام شعبہ اور ان کے آگے کے شگرد ہیں اور انہیں سے مختلف الفاظ منقول ہیں۔ دوم بِسْمِ اللّٰہِ کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ اول اس کا پڑھنا سورۃ فاتحہ کی طرح واجب ہے یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل حدیث کا نظریہ ہے۔ ثانیا۔ اس کا پڑھنا مکروہ ہے خواہ آہستہ ہو یا جہر یہ مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ثالثاً۔ جائز بلکہ مستحب ہے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ او امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور اہل حدیث کا ہے۔ پھر اس میں تین اقوال ہیں۔ اولاً بہتر یہ کہ پڑھا جائے یہ مذہب امام شافعی وغیرہ کا ہے۔ ثانیاً آہستہ پڑھا جائے یہ مذہب امام ابو حنیفہ جمہور اہل حدیث عام فقہاء کرام اور ایک جماعت اصحاب امام شافعی کا ہے۔ ثالثاً۔ آہستہ اور جہر پڑھنا دونوں جائز ہیں یہ نظریہ

امام اسحاق بن راہویہ اور علامہ ابن حزم کا ہے۔ بلاشبہ روایت مذکورہ کے مجموعہ الفاظ سے مالکی اور شافعی حضرات کی توجیہات کی تردید ہوتی ہے اور اس سے بسم اللہ سری پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے مگر اس سے بلند پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا سری و جہری روایت میں تطبیق کے لیے امام اسحٰق بن راہویہ۔ علامہ ابن حزم کا موقف بہتر معلوم ہوتا ہے یہی بات علامہ امیر یمنی فرماتے ہیں کہ: وَالْاَقْرَبُ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَءُ بِھَا تَارَۃً جَھْرًا وَتَارَۃً یُخْفِیْھَا ۔اور قریب ترین بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار بلند پڑھتے اور کبھی کبھار پوشیدہ کرتے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دونوں فعل سنت ہیں لیکن دلائل کے اعتبار سے سری قوی ہے محدث مبارک پوری فرماتے ہیں کہ وَالْاِسْرَارُ بِھَا عِنْدِیْ اَحَبُّ مِنَ الْجَھْرِ بِھَا ۔یعنی بِسْمِ اللّٰہِ سری پڑھنا میرے نزدیک جہر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۴۰ تا ۲۴۴۔

الجواب۔ اوّلاً۔

وہابی کی جہالت

وہابی صاحب کا کہنا کہ حدث بخاری میں ہرگز نہیں بخاری کا حوالہ صریحاً جھوٹ ہے میں کہتا ہوں کہ یہ وہابی جی کی جہالت واندھے پن کا نتیجہ اور بہتان ہے یہی حدیث صحیح بخاری شریف میں موجود ہے البتہ جو روایت لکھی گئی اور اس میں جو بخاری شریف میں ہے الفاظ کا کچھ فرق ہے مگر معنی ومفہوم دونوں کا ایک ہی ہے ملاحظہ ہو۔ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسٍ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ بخاری ج ۱ ص ۱۰۳۔ قتادہ انس رضی اللہ عنہ سے راوی ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی تصدیق فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری میں ہے ملاحظہ ہو۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا

بَکْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ متفق عَلَيْهِ زَادَ مُسْلِمٌ لَا يَذْكُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ اَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِيْ اٰخِرِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَالنَّسَائِيْ وَابْنِ خُزَيْمَةَ لَا يَجْهَرُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفِيْ اُخْرٰى لِابْنِ خُزَيْمَةَ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ ۔ وَعَلٰى هٰذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ خِلَافًا لِمَنْ اَعَلَّهَا ۔ بلوغ المرام۔ ص ۲۰ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما نماز شروع فرماتے تھے الحمد للہ رب العلمین سے۔ اسے بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا مسلم نے اس پر زیادہ کیا کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو ذکر (بلند) نہیں کرتے تھے نہ فاتحہ کے اول اور نہ اس کے آخر میں اور احمد ونسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جہر نہیں پڑھتے تھے۔ اور ابن خزیمہ کی دوسری روایت میں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور اسی پر ہی مسلم کی روایت میں پڑھنے کی نفی کو محمول کیا جائے گا خلاف اس کے جس نے اس کی علت بیان کی۔ اس سے اظہر من الشمس ہوا کہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کا حوالہ درست دیا ہے اور وہابی نے ان پر جھوٹ و بہتان باندھا ہے۔ ثانیاً غیر مقلد کا یہ اعتراض ہے مفتی صاحب نے حدیث کو تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا جواب ہے کہ یہ محدثین کرام کا ایک طریقہ ہے کہ جب کوئی حدیث مختلف الفاظ یا اسناد سے مروی ہو تو وہ اسے ایک ہی باب میں الگ حدیث کا نمبر دے کر مکرر بیان کرتے ہیں۔

اور یہ بلوغ المرام کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہے کہ اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب روایات متحد المعنی ہوں تو حدیث کو تائید وقوت حاصل ہوتی ہے لہٰذا وہابی کا یہ اعتراض ان محدثین پر بھی ہوا۔ ثالثاً۔ خود وہابی جی کی عبارت سے واضح ہے کہ صرف امام شافعی ایک روایت کے مطابق بِسْمِ اللّٰهِ جہر کے قائل ہیں دوسری روایت کے مطابق وہ بھی آئمہ ثلاثہ اور آئمہ حدیث اور جمہور علماء کے ساتھ ہیں کہ نماز میں بِسْمِ اللّٰهِ شریف آہستہ پڑھی جائے اس سے معلوم ہوا بِسْمِ اللّٰهِ

کو آہستہ پڑھنا مسنون ومشروع ہے اب وہابیوں کو چاہیے کہ ضد چھوڑ کر احناف کی طرح بِسْمِ اللّٰهِ آہستہ پڑھیں۔ رابعاً وہابی صاحب نے خود اقرار کر لیا ہے کہ دلائل کے اعتبار سے جہر کی نسبت بِسْمِ اللّٰهِ کو آہستہ پڑھنا قوی ہے پھر قوی چھوڑ کر ضعیف پر عمل کا کیا جواز ہے؟ کیا یہی تمہارے دعویٰ کی حقیقت ہے کہ ہم اہلحدیث حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ وہابی جی اس مقام پر اس قدر مبہوت اور مخبوط الحواس ہو چکا ہے کہ ایک طرف تو اقرار کر رہا ہے بِسْمِ اللّٰهِ سری پڑھنا دلائل کے لحاظ سے قوی ہے پھر دوسری طرف اپنے مذہب کی اندھی محبت میں اپنے دلائل کی قوت اور احناف کے دلائل کے ضعف کا بھی واویلا کرتا ہے مگر اس کے اقرار کے بعد اب ہم پر اس کی ان بدحواسیوں کا جواب دینا لازم نہیں محض وقت کا ضیاع ہے لہٰذا اب ہم صرف اس کے مذہب نا مہذب کے ضعف اور احناف کے مذہب کی صحت کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ وہابی مذہب بِسْمِ اللّٰهِ جہر پڑھنے کی ضعف پر۔

وہابی مذہب کے خلاف ان کے گھر کی گواہی

دلیل اول۔ غیر مقلدوں کے امام نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی بلوغ مرام کی شرح مسک الختام جزء اول میں لکھتے ہیں: شیخ در ترجمہ فرمودہ بہ تحقیق ثابت شدہ است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واز خلفائے راشدین وصحابہ دیگر کو جہر نمی کردند بسملہ اگرچہ نماز جہریہ می بود شیخ ابن الہمام از بعضے حفاظ نقل کردہ کہ ہیچ حدیثے ثابت نشد کہ صریح باشد در جہر بہ بِسْمِ اللّٰهِ مگر آنکہ در اسناد وے سخن ست وہیچ از یکے ارباب مسانید اربعہ مشہور اخراج نکرد حدیثے دراں باوجودیکہ کتب ایشاں مشتمل ست بر احادیث ضعیف نیز واز چندیں صحابہ وتابعین وغیرھم از آئمہ لا تعد ولا تحصی ذکر کردہ اند کہ جہر نمی کردند واحیاناً از بعضے جہر روایت کردہ اند برائے تعلیم بود یا بجہت کمال قرب مقتدیاں آنرا شنید۔ شیخ نے ترجمہ میں کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ودیگر صحابہ سے با تحقیق ثابت ہے کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ کو جہر نہیں

پڑھتے تھے۔ اگر چہ نماز جہریہ ہی ہو شیخ ابن ہمام نے بعض حفاظ محدثین سے نقل کیا کہ کوئی ایک حدیث بھی ثابت نہیں جو بسم اللہ جہر کے ثبوت پر صریح دلالت کرے لیکن اس کی سند میں کلام ہے اور نیز ارباب مسانید اربعہ مشہورہ میں سے کسی ایک بھی اس کے جہر پر نقل نہ کی باوجودیکہ ان کی کتب احادیث ضعیفہ پر مشتمل ہیں نیز کتنے ہی صحابہ اور تابعین اور آئمہ دین جو کہ حد شمار سے وراء ہیں سے منقول ہے کہ بِسْمِ اللہ جہر نہیں پڑھتے تھے اور وہ جو شاذ و نادر بعض سے جہر روایت آ گئی تو وہ برائے تعلیم تھا۔ یا بوجہ بعض مقتدیوں کے زیادہ قریب ہونے کے انہوں نے سنا۔

وہابیوں کی بدحواسی

دلیل دوم۔ انہیں کے فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۷۷ پر ہے۔ سوال۔ دریافت طلب امر یہ کہ بِسْمِ اللہ بالجہر والسر میں قوی دلائل از روئے حدیث کس طرف ہیں؟ الجواب میرا دونوں پر عمل ہے واللہ اعلم۔ صحیح مسلم میں روایات جہر بکثرت ہیں۔ اس کے نیچے خود ہی اس کی تردید میں لکھتے ہیں۔ اس میں غلطی سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف میں جہر کی نہیں بلکہ عدم جہر کی روایت ہے اور جس میں جہر ہے وہ نماز میں نہیں ہے۔

وہابیوں میں انصاف ہو تو اپنوں کی ہی مان لیں

اب وہابیوں میں اگر انصاف نام کی کوئی چیز ہے تو وہ کسی کی نہ سہی اپنے گھر کے بزرگوں کی مان کر بسم اللہ جہر کو ترک کر کے احناف کی طرح آہستہ پڑھنا اپنا معمول بنا لیں۔

دلیل سوم۔ انہیں کے فتاوی اہلحدیث ج ۲ ص ۱۳۸ پر ہے۔ سوال۔ کیا قراءۃ بالجہر کے ساتھ بسم اللہ بھی جہری پڑھے یا سری اور یہ جو حدیث عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَکْرٍ وَّ عُمَرَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کیا یہ صحیح ہے؟ جواب بِسْمِ اللہ دونوں طرح درست ہے خواہ سری پڑھے یا

جہری۔ آہستہ پڑھنے کی دلیل ہے جو آپ نے بیان کی ہے۔ مذکورہ عبارت میں غور طلب بات یہ ہے کہ سائل نے اس حدیث کو جو بسم اللہ سری پڑھنے پر دلیل ہے لکھنے کے بعد اس کی صحت کا دریافت کیا جس کے جواب میں صاحب فتاویٰ نے کہا یہ آہستہ پڑھنے کی دلیل ہے جو آپ نے بیان کی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صاحب فتاویٰ کو مذکورہ حدیث کی صحت کا اعتراف ہے۔

دلیل چہارم۔ خود وہابی صاحب نے اپنے گھر کے محدث مبارک پوری کا حوالہ دیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں۔ وَالْاِسْرَارُ بِھَا عِنْدِیْ اَحَبُّ مِنَ الْجَھْرِ بِھَا۔ یعنی بِسْمِ اللہ سری پڑھنا میرے نزدیک اس کے جہر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

دلیل پنجم۔ صحیح بخاری حدیث۔ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) کے تحت حاشیہ پر مولوی احمد علی سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں: قَالَ الْعَیْنِیُّ وَاَحَادِیْثُ الْجَھْرِ وَاِنْ کَثُرَتْ رُوَاتُھَا فَکُلُّھَا ضَعِیْفَۃٌ وَلَیْسَتْ مُخَرَّجَۃً فِی الصِّحَاحِ وَلَا فِی الْمَسَانِیْدِ الْمَشْھُوْرَۃِ۔ انتھی۔ وَکَذَا قَالَ اِبْنُ الْھُمَامِ حَیْثُ قَالَ قَالَ اِبْنُ تَیْمِیَّۃَ وَرَوَیْنَا عَنْ دار قطنی اِنَّہٗ قَالَ لَمْ یَصِحَّ عَنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْجَھْرِ حَدِیْثٌ وَّفِیْ مُسْلِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسِرُّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہر کے متعلق احادیث کے اگرچہ راوی کثیر ہیں مگر سب ضعیف ہیں اور صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی انہیں روایت نہ کیا اور نہ ہی مسانید مشہورہ میں سے کسی نے ایسے ہی ابن ہمام نے بیان کیا جب کہ فرمایا ابن تیمیہ نے کہا ہمیں دار قطنی سے روایت پہنچی کہ انہوں نے کہا جہر سے متعلق کوئی ایک حدیث بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح ثابت نہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِسْمِ اللہ آہستہ پڑھتے تھے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی۔

یہاں تک بفضلہ تعالیٰ غیر مقلدوں کے مذہب بسم اللہ جہر پڑھنے کا اکثر ان کی کتب کے اور دیگر بزرگوں کی کتب کے حوالوں سے ضعف ثابت کر دیا اب بتوفیق اللہ

تعالٰی احناف کے مؤقف بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی صحت بیان کرتے ہیں۔

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے

دلیل اوّل۔ عن عبد اللہ بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ وقال قد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منہم یقولہا اذا انت صلیت فقل الحمد للہ رب العلمین ۔ قال ابو عیسیٰ حدیث عبد اللہ بن مغفل حدیث حسن والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وغیرہم ومن بعدھم من التابعین وبہ یقول سفیان الثوری وابن المبارک واحمد واسحق لا یرون ان تجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم ویقولہا فی نفسہ ۔ جامع الترمذی ج ۱ باب ما جاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ عبد اللہ بن مغفل سے ہے کہ مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ پڑھتے سنا تو مجھے کہا اے بیٹا یہ (دین) میں نئی بات ہے اور میں تجھے نئی ایجاد سے ڈراتا ہوں فرمایا اور میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی ایک نہ دیکھا جو اسلام میں نئی ایجاد کو بہت برا نہ جانتا ہو اور فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر وعمر کے ساتھ اور عثمان کے ساتھ رضی اللہ عنہم نماز پڑھی تو ان میں سے کسی کو بِسْمِ اللہِ پڑھتے نہ سنا جب تو نماز پڑھے تو کہے الحمد للہ رب العلمین ۔ ابوعیسیٰ نے کہا کہ عبد اللہ بن مغفل کی حدیث کی اسناد حسن ہے اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ان اور کے علاوہ کا اور ان کے بعد تابعین میں سے سفیان ثوری اور ابن مبارک

اور امام احمد واسحاق اسی کے قائل ہیں وہ بِسْمِ اللہِ جہر کو جائز نہیں جانتے تھے فرماتے تھے کہ نمازی اسے دل میں آہستہ کہے۔ واضح رہے کہ تابعین رضوان اللہ علیہم کی تصریح سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت سے مطلقاً بسم اللہ نہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ جہر نہ پڑھنا ثابت ہے۔

نبی e اور ابوبکر وعمر نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے

دلیل دوم۔ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسِرُّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَالْاَوْسَطِ وَ رِجَالُہٗ مُوَثَّقُوْنَ ۔ مجمع الزوائد ج ۲۔ص ۱۰۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بِسْمِ اللہِ آہستہ پڑھتے تھے۔ اسے طبرانی نے اپنی کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور راوی اس کے ثقہ ہیں۔

دلیل سوم۔ وَعَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانُوْا یُسِرُّوْنَ التَّعَوُّذَ وَالْبَسْمَلَۃَ فِی الصَّلٰوۃِ۔ رَوَاہُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِیْ سُنَنِہٖ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ ۔ آثار السنن ص ۳۷ للعلامہ محمد بن علی نیموی۔ حضرت ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ فرمایا نماز میں تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

دلیل چہارم۔ اس کے اسی صفحہ پر ہے۔ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ کَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الصَّلٰوۃَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ وَزَادَ مُسْلِمٌ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ قِرَاءَۃٍ وَلَا فِیْ اٰخِرِھَا وَعَنْہُ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْھُمْ یَجْھَرُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ ۔ حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرماتے تھے۔ اسے شیخین نے روایت کیا اور مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ وہ بِسْمِ اللّٰہِ کو نہیں ذکر کرتے تھے قراءۃ کے اول میں اور نہ اس کے آخر میں اور انہیں سے ہے کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی تو میں نے انہیں سے کسی کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جہر پڑھتے نہ سنا۔ اسے نسائی کے علاوہ اوروں نے بھی روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

دلیل پنجم۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی حدیث کو غیر مقلدوں کی امام شوکانی اپنی نیل الاوطار کی جزء ثانی کے ص ۲۰۳ پر لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ اسے احمد اور نسائی نے اس اسناد کے ساتھ روایت کیا جو الصحیح کی شرط کے مطابق ہے۔

دلیل ششم۔ رَوٰی اَنَسٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَجْهَرُ بِالتَّسْمِیَۃِ قُلْتُ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِیُّ وَالْمُسْلِمُ فِیْ صَحِیْحِهِمَا عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ یَقْرَءُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ وَفِیْ لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ فَکَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ الْقِرَاءَۃِ وَلَا فِیْ اٰخِرِهَا۔ (انتهی) وَرَوَاهُ النِّسَائِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ وَاَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِہٖ وَابْنُ حَبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ فِی النَّوْعِ الرَّابِعِ مِنَ الْقِسْمِ الْخَامِسِ وَالدَّارُ قُطْنِیُّ فِیْ سُنَنِہٖ۔ وَقَالُوْا فِیْہِ فَکَانُوْا لَا یَجْهَرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَزَادَ ابْنُ حَبَّانَ وَیَجْهَرُوْنَ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَفِیْ لَفْظٍ لِّنَسَائِیِّ وَابْنِ حَبَّانَ اَیْضًا۔ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ یَجْهَرُ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَفِیْ لَفْظٍ لِاَبِیْ یَعْلَی الْمَوْصِلِیِّ فِیْ مسندہ فَکَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَۃَ فِیْمَا یَجْهَرُ بِہٖ بِالْحَمْدِ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَفِیْ لَفْظٍ لِلطَّبْرَانِیِّ فِیْ معجمہ وابو نعیم فی الحلیۃ وابن خُزَیْمَۃَ فی مختصر المختصر وکَانُوْا یسرون بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَرِجَالُ هذہ الروایات کُلُّهُمْ ثقات ومخرج لهم فی الصحیح۔

نصب الرایہ جزء اول ص ۳۲۶ تا ۳۲۷ للعلامہ ابی محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسم اللہ کو بلند نہ پڑھتے تھے۔ صاحب نصب الرایہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں اسے امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا نیز شعبہ قتادہ سے وہ حضرت انس سے راوی کہ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی ایک سے نہ سنا وہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتا ہو اور صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ وہ قراءۃ کی ابتداء الحمد للہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے کرتے تھے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا ذکر نہ شروع قراءۃ میں کرتے اور نہ اس کے آخر میں اسے نسائی نے اپنی سنن اور امام احمد نے اپنی مسند اور ابن حبان نے اپنی صحیح کی قسم خامس نوع رابع میں اور دار قطنی نے اپنی سنن میں بیان کیا اور کہا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو بلند نہ پڑھتے تھے اور ابن حبان نے یہ مزید بیان کیا کہ وہ الحمد للہ کو جہر سے پڑھتے تھے نیز نسائی و ابن حبان کے بیان کردہ یہ بھی الفاظ ہیں کہ پس میں نے ان میں سے کسی کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بلند پڑھتے نہ سنا اور ابو یعلیٰ موصلی کی مسند کے الفاظ ہیں وہ قراءۃ سے شروع فرماتے تھے۔ جن نمازوں میں الحمد للہ بلند پڑھی جاتی ہے اور طبرانی کے الفاظ معجم اور ابو نعیم کے حلیہ اور ابن خزیمہ کے مختصر المختصر میں ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ آہستہ پڑھتے تھے اور سب روایات کے راوی ثقہ ہیں اور انہیں صحیح کتب

حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مذکورہ حوالوں کو بانظر غور و انصاف دیکھنے سے واضح ہو جائے گا کہ بِسْمِ اللہِ سری پڑھنے کے ثبوت پر متعدد احادیث صحیحہ وارد ہیں جب کہ مخالفین کا دامن کسی ایک صحیح حدیث سے بھی خالی ہے۔

فاتحہ خلف الامام پر بحث

اب جاء الحق سے چوتھا باب ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی ابتداء میں بطور تمہید فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل اوّل - امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے: (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اور جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ رحم کیے جاؤ۔ خیال رہے شروع اسلام میں نماز میں دُنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہو گئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) اور کھڑے ہو اللہ کے لیے طاعت کرتے ہوئے (خاموش) چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے **باب نہی مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ** ۔ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے (قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ ۔ **ولفظ مسلم**) ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت اتری (وقو موا للّٰہ) پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا مگر

تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے جب آیت اتری تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا) (الخ) جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ جاء الحق کے مذکورہ باب کا جواب دینے کو وہابی جی نے اپنی علمی قابلیت کو منوانے کے لیے عربی عبارت میں باب باندھا ہے جسے دیکھ کر اہل علم بخوبی جان جائیں گے کہ یہ صاحب علم نحو کے ابتدائی قواعد سے بھی کورا ہے مگر وہابیوں کا اسے عربی دانی پر داد دینا باعث تعجب نہیں کیونکہ اندھوں کی نگری میں یک چشم کردہ بھی بینا تر سمجھا جاتا ہے۔ باب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ باب ترک القراۃ الفاتحہ خلف الامام) تام تہاد دین الحق۔ ص ۲۷۷ اس میں القراءۃ۔ مضاف واقع ہوا ہے اور الفاتحہ مضاف الیہ جب کہ نحوی قاعدہ کے تحت مضاف پر الف لام نہیں آتا جب کہ اس صاحب نے مضاف پر الف لام لا کر اسے موصوف وصفت کے مشابہ بنا دیا ہے۔ بہر حال مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث باب کی ابتداء میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءۃ کے عدم جواز پر قرآن مجید سے ثبوت دینے کے بعد فرمایا تھا کہ شروع اسلام میں نماز میں دُنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہو گئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) مگر تلاوت مقتدی کرتے رہے جب یہ آیت اتری (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔ اس پر بزعم خود اہلحدیث صاحب شدید اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مفتی صاحب کا مذکورہ استدلال غلط باطل اور مردود ہے کیونکہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ مفتی صاحب کو بھی اقرار ہے ایضاح ۲ ص ۳۲۔ اور (قُوْمُوْا لِلّٰهِ) مدینہ میں نازل ہوئی اور اسی سے نماز میں کلام سے ممانعت کی گئی مولانا ارشاد الحق اثری نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) کا شان نزول خاص نماز اور قراءۃ خلف الامام ہے تو یہ بات بھی کس قدر تعجب ناک ہے کہ قراءۃ جو نماز ہی کا حصہ ہے اور جزء ہے وہ تو اس سے ناجائز قرار پائے مگر معمولی کلام و سلام اس سے منع نہ ہو بلکہ اس کی ممانعت کئی سال بعد مدینہ میں آ کر ہوئی جب یہ آیت عموی

حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مذکورہ حوالوں کو بانظر غور و انصاف دیکھنے سے واضح ہو جائے گا کہ بِسْمِ اللّٰہِ سری پڑھنے کے ثبوت پر متعدد احادیث صحیحہ وارد ہیں جب کہ مخالفین کا دامن کسی ایک صحیح حدیث سے بھی خالی ہے۔

فاتحہ خلف الامام پر بحث

اب جاء الحق سے چوتھا باب ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کی ابتداء میں بطور تمہید فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل اوّل - امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے: (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ) اور جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ رحم کیے جاؤ۔ خیال رہے شروع اسلام میں نماز میں دُنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوگئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) اور کھڑے ہو اللہ کے لیے طاعت کرتے ہوئے (خاموش) چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے **باب نہی مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ** ۔ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے (قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ ۔ ولفظ مسلم) ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت اتری (وقوموا للّٰہ) پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا مگر

تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے جب آیت اُتری تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا) (الخ) جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ جاء الحق کے مذکورہ باب کا جواب دینے کو وہابی جی نے اپنی علمی قابلیت کو منوانے کے لیے عربی عبارت میں باب باندھا ہے جسے دیکھ کر اہل علم بخوبی جان جائیں گے کہ یہ صاحب علم نحو کے ابتدائی قواعد سے بھی کورا ہے مگر وہابیوں کا اسے عربی دانی پر داد دینا باعث تعجب نہیں کیونکہ اندھوں کی نگری میں یک چشم گم کردہ بھی بینا تر سمجھا جاتا ہے۔ باب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ باب ترک القراۃ الفاتحہ خلف الامام) تمام نہاد دین الحق۔ ص ۲۷۴ اس میں القراۃ۔ مضاف واقع ہوا ہے اور الفاتحہ مضاف الیہ جب کہ نحوی قاعدہ کے تحت مضاف پر الف لام نہیں آتا جب کہ اس صاحب نے مضاف پر الف لام لا کر اسے موصوف وصفت کے مشابہ بنا دیا ہے۔ بہر حال مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث باب کی ابتداء میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کے عدم جواز پر قرآن مجید سے ثبوت دینے کے بعد فرمایا تھا کہ شروع اسلام میں نماز میں دُنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءۃ بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہو گئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) مگر تلاوت مقتدی کرتے رہے جب یہ آیت اتری (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔ اس پر بزعم خود اہلحدیث صاحب شدید اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ مفتی صاحب کا مذکورہ استدلال غلط باطل اور مردود ہے کیونکہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ مفتی صاحب کو بھی اقرار ہے ایضاح ۲ ص ۳۲۔ اور (قُوْمُوْا لِلّٰهِ) مدینہ میں نازل ہوئی اور اسی سے نماز میں کلام سے ممانعت کی گئی مولانا ارشاد الحق اثری نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) کا شان نزول خاص نماز اور قراءۃ خلف الامام ہے تو یہ بات بھی کس قدر تعجب ناک ہے کہ قراءۃ جو نماز ہی کا حصہ ہے اور جزء ہے وہ تو اس سے ناجائز قرار پائے مگر معمولی کلام و سلام اس سے منع نہ ہو بلکہ اس کی ممانعت کئی سال بعد مدینہ میں آ کر ہوئی جب یہ آیت عموی

کلام کو نہیں روکتی تو قراءۃ کی ممانعت کی کیسے دلیل ہو سکتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام قراءۃ سے تو رک گئے تھے مگر امام کے پیچھے محو کلام رہتے تھے اور سلام وکلام کرتے تھے اس کا تصور تو وہی کر سکتا ہے جو صحابہ کرام کو مثل انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غیر فقیہ قرار دیتا ہے مفتی صاحب نے اسی اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے الٹی گنگا بہا کر (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن) کا شان نزول (قوموا اللہ) سے بعد بتایا کہ کوئی مقتدی یہ سوال نہ کرے کہ حضرت جی جو آیت نماز میں گفتگو روک نہ سکی وہ قراءۃ قرآن کو کیسے روک سکتی ہے؟ اور ہماری طرف سے دنیا بھر کے بریلویوں کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ یہ ثابت کر دیں کہ (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن) کے نزول کے وقت آیت (قوموا اللہ) نازل ہو چکی تھی اور نماز میں بات چیت تو (قوموا اللہ) سے پہلے منسوخ ہو گئی اور بعد ازاں (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن) نازل ہوئی جس سے قراءۃ قرآن بھی منسوخ ہو گئی یقین جانئے کہ یہ سب مل کر بھی کسی واضح دلیل سے (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن) کا نزول (وقوموا اللہ) کے بعد ثابت نہیں کر سکتے۔ نام نہاد دین الحق۔ ص ۲۷۵ تا ۲۷۷۔ الجواب (اولا) قارئین حضرات وہابی جی کی اس بات کی حقیقت دیکھیں کہ مفتی صاحب نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کو کہ کوئی مقتدی یہ سوال نہ کر دے کہ حضرت جو آیت نماز میں گفتگو نہ روک سکی وہ قراءۃ قرآن کو کیسے روک سکتی ہے (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن) کا نزول (وقوموا اللہ) سے بعد بتایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا مفتی صاحب نے (وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰن کا نزول قوموا اللہ) سے بعد کا بتایا ہے یا اس کا ثبوت ملتا ہے۔ علامہ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ظاهر فی ان نسخ الكلام فی الصلوٰة وقع بالمدينة بهذه الاية فيقتضی ان النسخ وقع بالمدينة لان الاية مدنية بالاتفاق فيشكل ذلك علی قول ابن مسعود ان ذلك وقع لما رجعوا من عند النجاشی وكان رجوعهم من عنده الی مكة وذلك ان بعض المسلمين هاجر الی الحبشة ثم بلغهم ان المشركين اسلموا فرجعوا الی المكة فوجدوا الامر بخلاف ذلك وشتد الاذی

عليهم فخرجوا اليها ايضا فكانوا فی المرة الثانية اضعاف الاولی وكان ابن مسعود مع الفريقين واختلف فی مراده بقوله فلما رجعوا فهل اراد الرجوع الاول او الثانی فجنح القاضی ابو الطيب الطبری واخرون الی الاول وقالوا كان تحريم الكلام بمكة وحملوا حديث زيد علی انه وقومه لم يبلغهم النسخ وقالوا لا مانع ان يتقدم الحكم ثم تنزل الآية بوفقه وجنح اخرون الی الترجيح فقالوا يترجح حديث ابن مسعود حكی لفظ النبی صلی اللہ عليه وآله وسلم بخلاف زيد ابن ارقم فلم يحكه

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۷۲)

یعنی ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کرنا مدینہ میں منسوخ ہوا اس آیت سے (قوموا للہ) پس مقتضی ہے کہ بے شک مدینہ میں منسوخ ہوا اس لیے کہ آیہ بالاتفاق مدنیہ ہے تو یہ مشکل ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر جس میں ہے کہ نسخ اس وقت واقع ہو چکا تھا جب وہ نجاشی کے پاس سے واپس لوٹے اور ان کا اس کے پاس سے واپس آنا مکہ میں تھا اور واقعہ یوں تھا کہ کچھ مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی پھر انہیں خبر پہنچی کہ مشرکین نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ واپس مکہ آئے لیکن خبر جھوٹ تھی اور انہیں سخت تکلیفیں پہنچیں پھر وہ حبشہ کو نکلے اور دوسری بار وہ پہلے سے دگنے تھے اور ابن مسعود دونوں ہجرتوں میں ساتھ تھے اور اختلاف اس میں ہوا جو انہوں نے فرمایا کہ (نماز میں سلام وکلام) اس وقت منسوخ ہوا جب وہ واپس آئے آیا مراد اول بار آنا ہے یا دوسری بار قاضی ابو طیب طبری اور کچھ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مراد اول بار ہے اور انہوں نے کہا کہ نماز میں کلام منع مکہ میں ہوا اور زید کی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ اسے اور اس کی قوم کو سلام وکلام کا نسخ پہنچا نہیں تھا نیز انہوں نے کہا کہ کوئی مانع نہیں اس میں کہ حکم پہلے آ گیا ہو پھر آیت اس کے موافق بعد میں اتری ہو اور بعض علماء ترجیح کی طرف گئے ہیں انہوں نے کہا ابن مسعود کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لفظ نقل کیے ہیں بخلاف زید بن ارقم کے کہ اس نے الفاظ بیان نہ کیے اور

عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ بدرالدین عینی یوں لکھتے ہیں: لَمَّا رَجَعُوْا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِیِّ کان رجوعهم من عنده الی مكة وذلك ان المسلمين الذين ذكرنا هم انهم هاجروا الى الحبشة بلغهم ان المشركين اسلموا فرجعوا الى مكة فوجدوا الامر بخلاف ذلك واشتد الاذى عليهم فخرجوا اليها ايضا فكانوا فی مرة الثانية اضعاف الاولى و كان ابن مسعود مع الفريقين واختلف فی مراده بقوله فلما رجعنا هل اراد الرجوع الاوّل اوالثانی فمالت جماعة منهم ابو الطيب الطبری الى الاوّل قالوا تحريم الكلام كان بمكة وحملوا حديث زيد بن ارقم على انه وقومه لم يبلغهم النسخ وقالوا لا مانع من ان يتقدم الحكم ثم تنزل الاية بوفقه ومالت طائفة الى الترجيح قالوا بترجيح حديث ابن مسعود فانه حكى لفظه النبی صلی اللہ علیه وسلم بخلاف زيد فلم يحكه۔ جز۷ص ۲۶۸۔ جب مسلمان نجاشی کے پاس سے واپس ہوئے تو ان کا اس کے پاس سے واپس ہونا مکہ کو تھا واقعہ یوں کہ جن مسلمانوں کا ہم نے ذکر کیا انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی انہیں خبر ہوئی کہ مشرکین مکہ ایمان لا چکے ہیں جب وہ مکہ آئے تو معاملہ اس کےخلاف پایا اور ان پر اور زیادہ تکلیف ہوئی تو وہ حبشہ کو دوبارہ ہجرت کر گئے تو دوسری بار وہ پہلے سے دگنے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں ہجرتوں میں ساتھ تھے اور اس کی مراد میں اختلاف کیا گیا جو انہوں نے کہا جب ہم مکہ کو لوٹے تو (سلام وکلام منسوخ پایا) آیا پہلا رجوع مراد ہے یا دوسرا تو ایک جماعت جن میں قاضی ابو الطیب طبری بھی ہیں پہلا رجوع مراد لیتے ہیں انہوں نے کہا کہ نماز میں سلام وکلام مکہ میں منع ہوا اور زید بن ارقم کی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ اسے اور اس کی قوم کو نسخ نہ پہنچا اور کہا مانع نہیں ہے کہ حکم پہلے آیا ہو پھر آیت مدینہ میں اتری ہو اس کے موافق اور ایک جماعت ترجیح کی طرف گئی انہوں نے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ بیان کیے بخلاف زید کے کہ اس نے الفاظ نقل نہ کیے ان دونوں عبارتوں سے مفتی احمد یار خاں

نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کہ سلام وکلام کا نسخ قرأت خلف الامام کے نسخے سے پہلے ہے کو تقویت پہنچی نیز اس سے آپ کا تحقیقی مقام ظاہر ہوا بخلاف وہابی کے کہ بلا علم و تحقیق چیلنج کرتا پھرتا ہے اب فقیر نے بفضلہ تعالیٰ اس کے چیلنج کا کھلا توڑ کر دیا ان کے لیے ڈوبنے کا مقام ہے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے پیچھے مقتدی کو قراۃ کے منع کے ثبوت پر تفاسیری حوالوں سے استدلال کرتے ہوئے اوّل حوالہ تفسیر مدارک سے پیش کیا۔ ملاحظہ ہو۔

آیت و اذا قرئ القرآن کے بارے جمہور صحابہ کا مذہب

وجمهور الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّهُ فِیْ اِسْتِمَاعِ الْمُؤْتَمِّ "اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اس پر ہیں کہ آیہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) مقتدی کو امام کی قراۃ سننے کے متعلق ہے۔ مذکورہ دلیل پر غیر مقلد کا اعتراض۔ مفتی صاحب نے تفسیر مدارک کی عبارت کو کاٹ چھانٹ کر پیش کیا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ (ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرآن فی الصلوة وغيرها وقيل معناه اذا تلا عليكم الرسول القرآن عند نزوله فاستمعوا له وجمهور الصحابة رضی الله عنهم على انه فی استماع المؤتم وقيل فی استماع الخطبة وقيل فيهما وهو الاصح) اس آیت کے ظاہر سے نماز میں اور اس کے علاوہ قرآن مجید پڑھتے وقت خاموش اور اسے سننے کا وجوب ثابت ہے اور کہا گیا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت نزول تم پر قرآن پڑھیں تو اس کو کان لگا کر سنو اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس موقف پر ہیں کہ بے شک اس کا حکم مقتدی کے سننے میں ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا حکم خطبہ میں ہے اور کہا گیا کہ اس کا حکم امام کے پیچھے مقتدی اور خطبہ دونوں کے متعلق ہے اور یہی صحیح ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل زیر تفسیر آیہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ)

الجواب اوّلاً۔ مذکورہ عبارت سے مخالف کے مذہب کو کچھ فائدہ نہیں کہ اس کے حصول کے لیے واویلا کرے اہل علم خوب جان جائیں گے کہ صاحب تفسیر نے آیہ

مبارکہ کی ظاہر دلالت یہ بیان کی کہ اس سے بوقت قرآت قرآن سننے اور خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی جب کہ غیر مقلدوں کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ مقتدی پر خاموش کے وجوب کے قائل نہیں بلکہ اس پر فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے قائل ہیں۔ پھر جو بات مخالف کے مطلب کی تھی وجوب کی تخصیص نزول قرآن کے وقت ساتھ خاص ہونا تو اسے بصیغہ مجہول قیل سے بیان کیا جس کا قائل معلوم نہیں اس کے بعد جمہور صحابہ کا مذہب بیان کیا کہ اس کا حکم مقتدی کے سننے میں ہے اور یہی مذہب بفضلہٖ تعالیٰ احناف کا ہے۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عبارت اس لیے پیش نہ کی کہ جب جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ارشاد آ گیا تو اقوال ضعیفہ وشاذہ اس کے مقابلہ میں حجت نہ رہے ان کو لکھنا طول لا حاصل تھا۔ واضح رہے کہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) امام کے پیچھے مقتدی کی قرآت کے عدم جواز پر احناف کی قوی دلیل ہے جسے احادیث وآثار کی تائید بھی حاصل ہے وہابی صاحب اس کے توڑ میں کوشاں ہے لہٰذا اس کی تخصیص کا دعویٰ کر کے یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ کا پڑھنا اس کے خلاف نہیں اس دعویٰ پر دلیل کے طور پر غیث الغمام کے حوالہ سے لکھتا ہے (واما بخبر واحد فقال بجوازھا اَلْاَئِمَّۃُ الاربعۃ) خبر واحد سے عام کی تخصیص آئمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ تام نہاد دین الحق ۲۸۱

الجواب۔ مذکورہ عبارت میں وہابی صاحب کے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں نہ تو اس میں عام کا ذکر ہے نہ تخصیص کا مگر اس صاحب نے مقصد تک رسائی کے لیے عام کی تخصیص کے الفاظ ترجمہ میں پاس سے داخل کر دیے۔ مذکورہ دعویٰ کو دلیل فراہم کرنے کو وہابی صاحب نے تفسیر کبیر کا حوالہ پیش کیا۔ جس کے الفاظ ہیں (نقول الفقہا اجمعوا علی انہ یجوز تخصیص عموم القرآن بخبر الواحد) نادنہاد دین الحق۔ ص ۲۸۱ یعنی ہم کہتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔

الجواب اولاً۔ اس میں یہ وضاحت نہیں کہ فقہاء کرام کون سے عام کی تخصیص کے قائل خبر واحد سے ہوئے ہیں۔ جب کہ عام دو طرح پر ہے۔

عام قطعی وعام ظنی کا بیان:

۱- عام قطعی

۲- عام ظنی

عام ظنی وہ ہے جس سے بعض کی تخصیص خود صاحب کلام نے کر دی ہو یا خارجی قوی دلیل سے تخصیص ہو چکی ہو اس کا باقی عام ظنی ہے۔ اس عام کی تخصیص خبر واحد سے علمائے اصول نے جائز بتائی ہے۔ جیسا کہ نور الانوار اور فصول الحواشی علی الاصول الشاشی میں ہے۔ اور عام قطعی بمنزلہ خاص ہے اس پر عمل قطعی ولازمی ہے۔ اب اس مذکورہ تقریر کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

وَاَمَّا الْعَامُ فَنَوْعَانِ عَامٌ خُصَّ الْبَعْضُ وَعَامٌ لَمْ يُخَصَّ عَنْهُ شَيْءٌ
كل نوع مختص بحكم علحدة فاما العام الذى لم يخص عنه شيء فهو بمنزله الخاص فى حق لزوم العمل به قطعًا و يقينا وهذا مذهب اكثر المشائخ (فصول الحواشى لاصول الشاشى)

یعنی عام دو قسم پر ہے ایک وہ عام جس سے بعض خاص کیا گیا دوسرا وہ جس سے کچھ خاص نہ کیا گیا ان میں سے ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے پس وہ عام جس سے کچھ کو خاص نہ کیا گیا وہ بمنزلہ خاص ہے یعنی لزوم عمل کے حق میں قطعی ویقینی ہے۔ اور یہ مذہب اکثر مشائخ کا ہے۔ واضح رہے کہ عام قطعی قوت میں خاص کے مساوی ہے چنانچہ نور الانوار میں

(فعندنا العام قطعى فيكون مساويا للخاص حتى يجوز نسخ الخاص به اى بالعام لانه يشترط فى الناسخ ان يكون مساويا للخاص او خيرا منه)

پس ہمارے نزدیک عام قطعی خاص کے مساوی ہے یہاں تک کہ اس سے خاص کا

نسخ جائز ہے یعنی عام کے ساتھ کیونکہ نسخ میں شرط ہے کہ ناسخ خاص کا مساوی یا اس سے قوی ہو۔ جب ثابت ہوا کہ وہ عام جس میں سے کچھ خاص نہ ہو قطعیت و وجوب عمل اور قوت میں خاص کے مساوی ہے تو پھر خبر واحد جو کہ خود ظنی ہے اس سے عام قطعی کے تخصیص کیسے جائز ہوگی۔ مذکورہ عبارتیں جن کو غیر مقلد نے اپنے دعویٰ پر دلیل بنایا ان سے اس عام کی تخصیص مراد ہوگی جس سے کچھ کی تخصیص دلیل قوی سے ہو چکی تو اس کا باقی عموم ظنی رہا۔

ثانیاً: تم نے خود تفسیر مدارک کی عبارت پیش کی ہے جس میں جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) مقتدی کو امام کی قرأت سننے میں ہے جب کہ آپ کے دعویٰ تخصیص کا مقصد یہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے میں اس کے حکم سے خاص ہے آیت کا حکم سننے اور خاموش رہنے کا اسے شامل نہیں۔ یہ تو آپ کی مذہب پرستی ہوئی نہ کہ دین پرستی۔

ثالثاً: اس کی تائید میں کہ امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ امام کی قرأت سننے پر معتبر کتب احادیث میں بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں سے اختصار کے پیش نظر یہاں صرف دو پیش کرتا ہوں جو وہابی صاحب کے دعویٰ تخصیص کے رد اور ہمارے موقف کی تائید کو کافی ہیں ملاحظہ ہو۔

غیر مقلد کے دعویٰ کا رد دو حدیثوں سے

حدثنا اسحق بن موسى الانصارى نامعن نامالك عن ابى نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرء فيها ام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام . هذا حديث حسن صحيح۔ جامع ترمذی جزء اول ص ۴۲

ابونعیم وھب بن کیسان سے ہے کہ اس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھا تو اس نے نماز نہ پڑھی (یعنی کامل نماز نہ پڑھی) مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲: غیر مقلدوں کے امام شوکانی صاحب نے اپنی نیل الاوطار جزء ثانی مطبع بیروت کے ص ۲۲۲ پر یہ حدیث لکھی (عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قال انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فَاَنْصِتُوْا رواه الخمسة الا الترمذى وقال مسلم هو صحيح)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اسے ترمذی کے علاوہ پانچوں صحاح ستہ نے روایت کیا اور امام مسلم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ ان دونوں صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقتدی پر امام کی قرأت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جب کہ غیر مقلدین ان صحیح حدیثوں کا خلاف کرتے ہیں اور حیلے بہانے سے آیہ قرآنی سے پیچھا چھڑاتے ہیں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ مدارک التنزیل کے حوالہ کے جواب ثانی کے تحت وہابی صاحب لکھتا ہے اگر اس سے یہی مراد ہے جو مفتی صاحب نے لیا ہے تو یہ حکم صرف حالت قرأت میں ہے اگر سکتات میں مقتدی فاتحہ پڑھ لے تو یہ آیت کے خلاف نہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے سکتات کا ثبوت ملتا ہے۔

امام نماز دین الحق ص ۲۹۲

وہابی کے ایک اعتراض کے تین جواب

الجواب اولاً: یہ بتا رہے ہیں کہ سکتات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہے تمہیں تو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ سکتات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سکتوں کے دوران فاتحہ پڑھتے تھے۔

ثانیاً: اگر یہ ثابت نہیں تو تمہارا سکتوں کے دوران فاتحہ پڑھنا بدعت نہ ہوگا ایسی بدعت جو قرآن و حدیث کے خلاف؟ ثالثاً سکتہ سے مراد سانس کے برابر رکنا ہے اگر اس مقدار میں مقتدی نہ پڑھ سکا تو امام کے ساتھ پڑھے گا تو قرآن کا خلاف لازم نہ

آئے گا۔ اسی حوالہ کے تحت وہابی صاحب تیسرے جواب میں لکھتے ہیں۔ خود علمائے احناف اس آیت سے بعض امور مستثنیٰ تسلیم کرتے ہیں مثلاً مقتدی اگر بعد میں جماعت میں شامل ہو تو علمائے احناف اسے ثناء پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ صاحب منیہ لکھتے ہیں: والمسبوق یاتی بالثناء اذا ادرک الامام حالة المخافة ثم اذا قام الی قضا ما سبق یاتی به ایضا ۔ کذا ذکره فی الملتقط واذا ادرک الامام وهو یجهر یستمع وینصتُ وقال بعضهم یاتی بالثناء عند سکتات الامام کلمة وعن الفقیه ابی جعفر اذا ادرک الامام فی الفاتحه یثنی بالاتفاق ذکره فی الذخیرة۔ یعنی مقتدی سری نمازوں میں ثناء پڑھے پھر اگر ماسبق کی قضا کے لیے کھڑا ہو تو بھی ثناء پڑھے جیسا کہ الملتقط میں ہے اور جب امام کو حالت جہر میں ملے تو امام کی قرأت سنے اور خاموش رہے اور بعض نے کہا ہے کہ امام کے سکتات میں ایک ایک کلمہ کر کے ثناء پڑھے فقیہ ابوجعفر سے ہے کہ جب امام کو بحالت قرأت فاتحہ آملے تو بالاتفاق ثناء پڑھے جیسا کہ ذخیرہ میں لکھا ہے (انتہی) اس عبارت سے واضح ہوا کہ احناف سری میں مقتدی کو ثناء پڑھنے اور بعض جہری کے سکتات میں بھی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔

تام نہاد دین الحق ص ۲۸۳ الجواب اولاً غیر مقلد صاحب نے منیة المصلي سے ایک شاذ قول لے کر اسے تمام احناف کے ذمہ لگا دیا حالانکہ حقیقتاً امر اس طرح نہیں احناف کے معتبر فتاویٰ درالمختار میں ہے (اذا شرع الامام فی القراءة سواء کان مسبوقا او مُدرِکا وسواء کان امامه یجهر بالقراءة اولا فانه لا یاتی به لما فی النهر عن الصغیری ادرک الامام فی القیام یثنی ما لم یبدء بالقراءة وقیل فی المخافة یثنی ۔ الدر المختار مع الشامی۔ ج ا ص ۳۲۸

جب امام قرأت شروع کر لے برابر ہے کہ مقتدی مسبوق ہو یا مدرک اور برابر ہے کہ اس کا امام بلند قرأت کر رہا ہو یا آہستہ پس وہ بہر صورت ثناء نہ پڑھے اس لیے جو الصغیری سے النہر میں بیان ہوا کہ جب امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پالے تو جب

تک اس نے قرأت کا آغاز نہ کیا ہو ثناء پڑھ لے اور کہا گیا کہ سری نماز میں ثناء پڑھے لے۔

ثالثاً: وہابی صاحب نے یہ تو دعویٰ کیا کہ خود علمائے احناف اس آیت سے بعض امور کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں مگر ان امور کی تفصیل ذکر نہ کی اگر یہ اپنے اس دعویٰ میں سچے تھے تو ان امور کی نشاندہی کرتے جب ایک امر کو ذکر کیا تو اس پر شاذ قول پیش کر کے احناف کا موقف ٹھہرا دیا یہ حال ہے ان وہابیوں کا اللہ ان کے مکر سے محفوظ رکھے۔ ثالثاً ثناء کو امام کے پیچھے قرأت پر دلیل بنانا قیاس مع الفارق ہے جو کہ اہل اصول کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ثناء امام و مقتدی دونوں کے لیے مسنون ہے بخلاف قرأت کہ وہ مقتدی کو جائز نہیں رابعاً۔ یہ تو حدیث میں آیا کہ قرات الامام قرائة له۔ یعنی امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے یہ تو نہ آیا کہ ثناء الامام ثناء له۔ وہابی صاحب چوتھے جواب کے تحت لکھتے ہیں۔ امام کی قرأت کے وقت اگر کوئی نماز میں شامل ہونے کا ارادہ کرے گا تو لامحالہ وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوگا۔ اگر اس آیت کو عموم پر ہی محمول کیا جائے تو امام کی قرأت کے وقت نماز میں شامل ہونے والا از روئے آیت مجرم ہے جس سے قرآن کی مخالفت اور نماز کے ضیاع کا پہلو سامنے آتا ہے لہٰذا اس آیت کو بعض حالتوں میں خاص ماننا پڑیگا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۳

غیر مقلد کے بے جوڑ کلیے

الجواب اولاً: غیر مقلد ایسے بے جوڑ کلیے گھڑ کر اپنی بے عقلی ظاہر کر رہا بات تو نماز میں امام کے پیچھے قرأت کی ہو رہی تھی اور یہ صاحب تکبیر تحریمہ پر اسے قیاس کر رہا ہے اور نماز میں داخل ہونے کو کہی جاتی ہے اس کے ختم ہونے سے پہلے تو وہ نماز میں داخل ہی نہیں جب داخل ہوا تو تکبیر ختم ہو چکی تھی۔ ثانیاً ہماری بات امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز میں ہے جب کہ یہ اس کی بات کرتا ہے جو قرأت نہیں۔

ثالثاً: مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا ضرورت نماز سے ہے کیونکہ جب تک وہ تکبیر نہیں کہتا نماز میں داخل ہی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ دخول نماز کیلئے شرط ہے جب کہ مقتدی کو

قرأت کرنا ضرورت نماز سے نہیں بلکہ اسے منع ہے از روئے حدیث امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے تو ایسے عمل کو جو ضرورت نماز سے ہے اس پر قیاس کرنا جو منع ہے بے عقلی و جہالت کی دلیل ہے اصل میں بات یہ ہے کہ غیر مقلدین آئمہ حق مجتہدین کا اجتہاد نہیں مانتے لہٰذا انہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے کہ جس اجتہاد و قیاس کو ناجائز و شرک کہتے ہیں اسی کا ارتکاب یہ خود کرتے ہیں مگر بلا اصول وہابی صاحب پانچویں جواب کے تحت لکھتے ہیں۔ امام قرأت میں غلطی کرے تو بالاتفاق مقتدی کے لیے امام کو لقمہ دینا جائز ہے اور علماء احناف کا آج بھی عمل دیکھا جا سکتا ہے بالخصوص نماز تراویح میں اگر استماع انصات مطلقاً واجب ہے تو یہ لقمہ دینا کیسے جائز ہوا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۴ الجواب

بوقت غلطی امام کو لقمہ دینا نماز کی اصلاح اور ضرورت سے ہے اگر لقمہ نہ دیا جائے تو شدید غلطی کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور جس عمل کی شرع نے عذر وضرورت کے وقت رخصت دی وہ کسی عام کی تخصیص کی دلیل نہیں جیسے ایذا کے اندیشے کے وقت نمازی کو بحالت نماز موذی جانور کو مارنے کی رخصت اور عذر کے وقت مریض کو نماز بیٹھ یا لیٹ کر پڑھنا یا آیہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ کی تخصیص کی دلیل نہیں۔ غیر مقلد کا اعتراض۔ کتب فقہ حنفیہ میں ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو سب کو خاموش رہنا چاہیے اس لیے کہ ان حضرات نے اس آیت (وَاِذَا قُرِئَ قرآن) سے استدلال کیا ہے مگر اسی کے ساتھ ہی انہوں نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جب امام یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا) پڑھے تو سامعین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آہستہ آہستہ درود سلام بھیجنا چاہیے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۴ الجواب

وہابی صاحب کا مذکورہ اعتراض دراصل نادانی پر مبنی ہے کیونکہ جب خطیب مذکورہ آیہ مقدسہ پڑھتا ہے وہ خود بھی درود و سلام پڑھتا نہ کہ قرأت جب کہ ہمارا موقف ہے کہ بوقت قرأت امام کے پیچھے مقتدی کچھ نہ پڑھے بلکہ بمقتضاء آیہ (اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) اسے کان لگا کرسنے اور خاموش رہے۔ غیر مقلد کا ساتواں جواب ملاحظہ ہو۔ نماز فجر

کے وقت جب امام نماز پڑھ رہا ہو تو صفوں کے پیچھے احناف حضرات سنتیں پڑھتے ہیں جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے بلکہ خود مفتی صاحب نے جاء الحق میں اس پر باب لکھا ہے جس کی ضروری تفصیل آگے آرہی ہے۔ اگر آیت عموم پر ہے تو قرأت قرآن کے وقت سنتیں پڑھنا کیونکر جائز ہو گئیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۸۲)

الجواب: سنت فجر ادا کرنے کے متعلق ہمارے علمائے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس وقت آئے جب جماعت ہو رہی ہو تو پہلے دیکھے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت پالے گا۔ پا سکتا ہو تو سنتیں جماعت سے دور پڑھے جہاں قرأت امام کی آواز اس تک نہ پہنچے اگر سمجھے کہ ادائے سنت کے بعد جماعت نہ پا سکے گا تو سنتیں نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جائے تو اس صورت میں ہر صاحب شعور پر واضح ہے کہ آیہ مبارکہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) کی کوئی مخالفت نہیں اگر کوئی نمازی مذکورہ صورت کے خلاف چلتا ہے امام سے قریب فجر کی سنتیں پڑھتا ہے تو اس کا اپنا عمل ہے یہ احناف کا موقف نہیں۔

وہابی صاحب کا آٹھواں جواب

۲۰

علمائے احناف کے نزدیک آیت کے وجوبی حکم میں خطبہ جمعہ بھی شامل ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ اگر تو نے اپنے ساتھی کو خاموش رہنے کو کہا تو تو نے لغو کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سامعین کو اختتام نماز تک انصات کا حکم ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین جب تم میں سے کوئی اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والا دو رکعت نماز ادا کرے۔ لہٰذا جب خطبہ جمعہ میں استماع و انصات کا حکم ہے مگر حدیث کی رو سے دو رکعت کا حکم اس سے مستثنٰی ہے اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی استماع و انصات کے عمومی حکم سے علیحدہ ہے۔ نام نہاد دین الحق۔ ۲۸۵

الجواب اولا: جب آپ کو اقرار ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے بوقت خطبہ امام کو خاموش رہنے کا حکم ثابت ہے تو گویا کہ یہ حدیث آیہ مبارک (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) کی تائید میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مسلم کی روایت کو آیت وحدیث دونوں پر ترجیح دے کر بوقت خطبہ امام دو رکعت نفل کو لازم قرار دے رہے ہو جب کہ آیت و حدیث میں خاموش رہنے کا حکم وجوبی ہے اور مسلم کی روایت میں جو دو رکعتوں کا فرمایا یہ امر استحبابی ہے اور وجوب کا از روئے شرع مقتضاء ہے کہ اسے استحباب پر ترجیح دی جائے۔

ثانیاً: آپ کی پیش کردہ مسلم کی حدیث سے آیت کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی جو کہ آپ کا اصل مقصد ہے اس لیے کہ حدیث میں احتمال ہے (والامام یخطب) سے مراد وعظ تقریر ہو یا جمعہ کا خطبہ کیونکہ خطب یخطب دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے دیکھیں بخاری جلد اول ۲۴ پر حدیث ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال قام موسی النبی خطیباً فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم (الخ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ نبی بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے زیادہ علم والا کون ہے۔ تو یہاں خطبہ سے مراد وعظ و بیان ہے کیونکہ سوال وجواب وعظ و تقریر میں ہوتے ہیں نہ کہ حمد وثناء والے خطبہ میں۔

ثالثاً: تمہارے پیش کردہ مسلم کی اسی حدیث کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں: وقال مالک واللیث وابوحنیفه والثوری وجمهور السلف من الصحابة والتابعین لا یصلیهما وهو مروی عن عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنهم وحجتهم الامر بالانصات للامام۔ یعنی امام مالک اور لیث اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ثوری اور جمہور سلف صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ خطبہ کے وقت دو رکعت نفل نہ پڑھے ان حضرات کی دلیل ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے۔ اس مذکورہ عبارت سے مخالف کا آیت کی تخصیص کا دعویٰ باطل ہوا۔ اب اس کا نواں جواب ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ: اصول فقہ حنفی میں لکھا ہے: جب دو آیتوں میں تعارض ہو جائے تو رجوع سنت کی طرف کرنا چاہیے اور مثال میں علمائے احناف نے

صراحت کی ہے کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ- فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) کے معارض ہے لہٰذا احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ از توضیح ونور الانوار۔ جب یہ صورت حال ہے تو پڑھنے کی روایات کو ترجیح ہوگی کیونکہ یہ صحیح بھی ہیں اور ان میں اثبات بھی ہے اور مقلد صاحب کو اقرار ہے کہ جب ثبوت ونفی میں اختلاف ہوا تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے۔ تام نہاد دین الحق ص ۲۸۵

قرآن میں حقیقتاً تعارض نہیں ہوتا

الجواب اولاً: جب قرآن کی دو آیتوں میں حقیقتاً تعارض ہو تو لازماً ان میں سے ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہوگی لیکن جب متعارضین میں سے کسی کا نسخ ثابت نہ ہو تو یہ تعارض محض ظاہراً ہوگا نفس الامر میں تعارض نہ ہوگا کیونکہ ایک ہی ذات کے کلام میں تعارض اس کی اس سے بے علمی اور عجز کو لازم کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک و مبرا ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ غیر مقلد جو دو آیتوں میں تعارض بتا رہا ہے یہ ظاہراً ہے نہ کہ حقیقتاً۔

ثانیاً۔ عام مطلق اور وہ عام جس کا بعض مخصوص ہو چکا ہو ان میں تعارض غیر معتبر ہے لہٰذا (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) عام مطلق ہے اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ ۔ آیہ کا بعض مخصوص ہے مقتدی اس سے خاص ہے کیونکہ اس پر قرأت نہیں۔

ثالثاً: مخالفین خود آیہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کے عموم کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ اس کہ آیت کی دلالت بالتعیین قرأت پر ہے جب کہ یہ حضرات امام ومقتدی ومنفرد سب پر فاتحہ کی تعیین وفرضیت کے قائل وفاعل ہیں۔

رابعاً غیر مقلد صاحب نے اصول فقہ کی کتب توضیح ونور الانوار کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب تعارض دو آیتوں میں ہو تو حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان کتب سے تعارض کی مثال بھی ذکر کی کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کا آپس میں تعارض ہے مگر خیانتاً یہ ذکر چھوڑ دیا کہ انہیں کتب میں سنت کی طرف رجوع کرنے کے نتیجہ میں ۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کو عموم پر چھوڑ اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کا بعض مخصوص

کہا اس حدیث کے مقتضاء کی بناء پر (من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراۃ) مگر وہابی صاحب الٹی چال چلتے ہوئے اپنے مقصد کی تخصص بتا رہا ہے۔

غیر مقلد صاحب کا دسواں جواب

اگر ہم (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ– کو قرآءۃ خلف الامام کیلئے فرض کریں بھی تو احناف کا اس سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ جہری نمازوں کی جہری رکعتوں میں خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوگی سری اور سکتات امام کے وقت قرأت کی ممانعت ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ لغت عرب اور محاورات میں استماع و انصات کے الفاظ اس وقت استعمال ہوتے ہیں جہاں آواز پائی جائے یا سنی جائے یا امکان ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۵

الجواب اولاً– آیہ مبارکہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں دو حکم دیے ہیں ایک بوقت قرأت اسے سننے کا دوسرا خاموش رہنے کا جب سری نمازوں میں سننے کا حکم ساقط ہوا تو خاموش رہنے کا حکم اپنے حال پر باقی رہا۔

ثانیاً– جیسے قرآن پاک کی آیہ مبارکہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) کا حکم عام ہے ایسے ہی اس کی تائید میں حدیث مبارکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے (من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قرأت) اپنے مدلول میں عام ہے یعنی اس میں کچھ تخصیص نہیں کہ سری نمازوں میں امام کی قرأت اس کو کافی نہ ہوگی۔ لہذا اس سے احناف کا موقف ثابت ہوا کہ مقتدی سری و جہری کسی نماز میں قرأت نہ کرے۔ وہابی صاحب کا گیارواں جواب لکھتا ہے قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قرآن پاک سنتے وقت جائز کلمات زبان سے کہے دیے جائیں تو جائز ہے ارشاد ہوتا ہے کہ: (اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا) اور جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور بول اٹھتے ہیں کہ ہمارے رب تو پاک ہے یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: (اَلَّذِیْنَ

اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْا اٰمَنَّا بِهٖ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ) وہ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر اور جب ان پر آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یقیناً یہ کتاب ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم اس سے پہلے مسلمان تھے۔ (نام نہاد دین الحق۔ص ۲۸۵)

الجواب اولاً– مندرجہ بالا دونوں آیتوں جن کو وہابی صاحب نے بوقت قرأت بعض جائز باتیں کرنے پر دلیل بنایا ان میں سے ایک آیت سجدہ ہے اور جب آیت سجدہ پڑھی جائے تو سب پڑھنے سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا سب سجدہ کرتے ہیں تلاوت کوئی نہیں کر رہا ہوتا اور اس آیت میں بھی اللہ نے ان کے سجدہ کرتے اور اس حالت میں حمد تسبیح کا ذکر کیا لہذا اس آیت کو وہابی صاحب کا آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کی تخصیص پر دلیل لانا بے عقلی اور خود ساختہ تفسیر پر جرأت ہے۔ ثانیاً۔ ان آیتوں میں جو کلمات کہنے کا ذکر ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان کا وقوع بعد از تلاوت ہو دوسرا یہ کہ ان کا وقوع درمیان تلاوت ہوا ہو اور اہل اصول کے نزدیک قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب احتمال آ جائے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ ثالثاً ان دونوں آیتوں میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنھوں نے اسلام کی حقانیت کو قبول کیا تو ان کا فعل ہم اپنے مقصد کے لیے حجت نہیں بنا سکتے اب جاء الحق سے تفسیر خازن کا حوالہ اور اس پر غیر مقلد کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں: عن ابن مسعود انہ سمع ناسا یقرءُوْنَ مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقهوا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) اس پر

غیر مقلد کا اعتراض

اولاً: اس کی سند میں المحاربی ہے اور المحاربی کی نسبت سے عبدالرحمٰن بن محمد اور

عبدالرحیم معروف ہیں۔ آگے چل کر وہابی صاحب لکھتا ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی کہ زیر بحث روایت میں عبدالرحمن المحاربی ہے تو گو یہ ثقہ ہے لیکن زبردست مدلس ہیں امام احمد بن حنبل۔ امام عجلی امام عقیلی اور حافظ ابن حجر نے ان کی تدلیس کی صراحت کی ہے۔ تہذیب ج ۶ ص ۲۶۶۔ و تقریب ۱۵۷ و طبقات المدلسین ص ۴۰ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳ اور زیر بحث روایت سماع کی تصریح کے بغیر ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۷

الجواب: بعون اللہ وھو الموفق للصواب

اولاً۔ الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب میں عبدالرحمن المحاربی کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں اکثر کے نزدیک یہ ثقہ ہیں جیسا کہ مخالف کو بھی اس کا اقرار ہے۔

ثقہ کے تدلیس معتبر ہے

ثانیاً: ثقہ کی تدلیس مقبول ہے۔

ثالثاً۔ اگر آپ اس روایت کو نہ ماننے پر بضد ہیں تو ہم تمہیں کتب حدیث میں سے معتبر کتاب موطا امام محمد کی روایت دیکھاتے ہیں جو ثقہ رواۃ سے مروی ہے۔ جس میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واضح فتویٰ ہے۔

امام کے پیچھے مقتدی خاموش رہے

قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ مُعْتَمِرٍ عَنْ وَائِلٍ قَالَ سُئِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ عَنْ قِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ اَنْصِتْ فَاِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شُغْلًا سَيَكْفِيْكَ ذَاكَ الْاِمَامُ۔

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا خاموش رہا کرو بے شک نماز میں مشغولیت چاہیے وہ امام تجھے کفایت کرے گا۔ وہابی صاحب زیر بحث حدیث پر چوتھے اعتراض کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ روایت کے الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ پڑھنے والوں نے بلند آواز سے پڑھا تھا کیونکہ راوی کے الفاظ ہیں۔ سمع ناسا یعنی لوگوں نے قرأت کرتے سنا اور سنا تبھی جاتا ہے جب بلند

آواز سے پڑھا جائے اور یہ صورت منازعت کی ہے جو کہ بلاشبہ منع ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۸

الجواب اولاً۔ وہابیوں کو چاہیے کہ اپنے اس صاحب کی علمی یتیمی پر ماتم کریں جس بیچارے کو فاعل و مفعول کی تمیز بھی نہیں اسی لیے ناسا مفعول کا فاعل جیسا ترجمہ کر رہا ہے۔ یعنی لوگوں نے سنا جب کہ اس کا معنی ہے عبداللہ ابن مسعود نے لوگوں کی قرأت کو سنا نیز ہر ابتدائی طالب علم بھی اس قاعدہ کو جانتا ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ہر مفعول منصوب جب کہ ناسا منصوب ہے جس سے اس کا مفعول ہونا واضح ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب منطق کہ سنا تبھی جاتا ہے جب کہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ فقیر کہتا ہے کہ آپ کہہ چکے ہیں کہ بلند آواز سے پڑھنا بلاشبہ منع ہے کیونکہ یہ منازعت کی صورت ہے پھر جن سے ابن مسعود نے سنا وہ صحابہ یا تابعین ہوں گے۔ تو کیا ان کو اس منع صورت کا علم نہیں تھا اور آپ کو اس کا علم ہو گیا اصل بات یہ ہے کہ آپ اس سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرأت مطلق سے مقتدی کو نہیں منع کیا۔ بلکہ با آواز بلند پڑھنے سے منع کیا ہے اور تمہارا یہ مطلب ایسی منطق سے پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو نمازی پاس کھڑے ہوں ان کا پڑھنا معلوم ہو جاتا ہے اگرچہ الفاظ سمجھ نہ آئیں۔ نیز جب ہم نے موطا امام محمد کے حوالہ سے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واضح فتویٰ لکھ دیا کہ آپ نے فرمایا:

امام کے پیچھے خاموش رہا کرو امام کی قرأت ہی کفایت کرتی ہے تو اب مقتدی کی قرأت کے منع میں کچھ ابہام باقی نہیں رہا۔

غیر مقلد کا پانچواں اعتراض

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں آیت کا شان نزول نہیں بتایا بلکہ اس سے استدلال کیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۸

الجواب: معلوم ہوتا ہے کہ وہابی صاحب اپنے مذہب کو بچانے کے لیے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر آیت سے غلط استدلال کرنے کا الزام چسپاں کرنا چاہتے ہیں

کیونکہ اس کی تحریر کا واضح مقصد یہی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) سے جو استدلال کیا ہے قرأت خلف الامام کے منع پر وہ شان نزیل کے خلاف ہے حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جلیل القدر مجتہد فقیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر رہنے والے صحابی ہیں۔

وہابی صاحب کا چھٹا اعتراض

فصل اول میں صحیح سند کے ساتھ گزر چکا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے اور زیر بحث اثر بالفرض صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے اور مقتدی کی قرأت کو جہر پر محمول نہ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ جہری میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے جب کہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہوں امام ابن جریر نے بھی اس اثر کو اس قول کے تحت ذکر کیا ہے ان کے الفاظ ہیں: فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ حَالُ كَوْنِ الْمُصَلِّيْ فِي الصَّلٰوةِ خَلْفَ الْاِمَامِ يَأْتَمُّ بِهٖ وَهُوَ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۰۳)

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت اس وقت میں ہے جب نمازی امام کے پیچھے اس کی اقتداء کر رہا ہو امام کی قرأت سن رہا ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

الجواب اوّلاً: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی صحت سند کا دعویٰ وہابی صاحب اس لیے کر رہا ہے کہ وہ اس کے اپنے مذہب کی دلیل ہے ورنہ اس جگہ نہ تو اس صاحب نے اثر کی پوری سند بیان کی اور نہ اس کی صحت پر کسی محدث کا کوئی قول بیان کیا۔

ثانیاً: اس صاحب کا یہ کہنا کہ زیر بحث اثر کو بالفرض صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے اور مقتدی کی قرأت کو جہر پر محمول نہ کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے جہری میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے جب کہ مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو۔ اس کی تائید میں ابن جریر کے حوالہ سے بعض کا قول پیش کرنا جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

قارئین حضرات! اس صاحب کی مذکورہ عبارت دیکھ کر بخوبی جان جائیں گے کہ یہ شخص کسی مقصد کی تکمیل کے درپے ہے۔

خود تو غیر مقلدین احناف پر الزام

دیتے ہیں کہ یہ رائے وقیاس پر چلتے ہیں اور خود کس قدر ہیر پھیر سے اپنی رائے کو ذکر کیا کہ زیادہ سے زیادہ اس سے جہر میں قرأت نہ کرنے کا ثبوت ہے آگے ایک اور قید لگا دی کہ جب مقتدی امام کی قرأت سن رہا ہو پھر چاہیے تھا کہ اہل حدیث ہونے کا دعویدار اس پر قرآن وحدیث پیش کرتا اس کی بجائے جریر سے احتمال پیش کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان نجدیوں نے اپنا مقصد پورا کرنا ہو تو پھر جو بھی ہاتھ لگے ان کے لیے دلیل ہے۔

ثالثاً: یہ صاحب تو قیاس آرائیوں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے قرأت خلف الامام کے مطلق منع کو مقید بالجہر بنانے کے درپے ہے مگر ہم بفضلہ تعالیٰ واکرم حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واضح عمل سے قرأت خلف الامام کے منع پر عموم ثابت کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے

موطا امام محمد ص ۱۰۰ پر ہے کہ: قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ الْقُرَشِيُّ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ لَا يَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْمَا يُجْهَرُ فِيْهِ وَ فِيْمَا يُخَافَتُ فِيْهِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَلَا فِي الْاُخْرَيَيْنِ ۔ الخ) حضرت علقمہ بن قیس سے ہے کہ بے شک عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے نہ اس نماز میں جس میں قرأت بلند کی جاتی ہے اور نہ اس میں جس میں آہستہ کی جاتی ہے نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ پچھلی دو میں۔ جاء الحق میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) فِي الصَّلٰوةِ مَكْتُوْبَةٍ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِلٰى قِرَاءَتِهٖ وَاَنْصِتُوْا لِقِرَاءَتِهٖ) جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض۔ اوّلاً یہ مسلم ہے کہ مذکورہ عبارت تنویر

المقیاس کی ہے۔ مگر سوال ہے کہ کیا مذکورہ تفسیر کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ اس کا سلسلہ سند وضعی ہے اس لیے کہ اس کی سند میں کلبی راوی ہے جو کہ مشہور کذاب ہے۔ مولوی احمد رضا فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم؟ آئمہ شان نے اسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کہا ہے۔ اور خود مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر اگر روایت صحیحہ سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر۔ جاء الحق ص ۱۱ – ج ۱)

الجواب اولاً – تفسیر ابن عباس شریف کے بعض مقامات پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے مگر سب تفسیر کو ہی وضعی (من گھڑت) کہنا درست نہیں کیونکہ علمائے امت اس سے استدلال کرتے آئے ہیں نیز اس میں مرویات دوسری تفاسیر سے مطابقت بھی رکھتی ہیں۔

ثانیاً – اگر آپ تفسیر ابن عباس کی روایت کو قبول نہ کرنے پر بضد ہیں تو ہم تم کو اس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرأت خلف الامام کے منع پر واضح فتویٰ دیکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۲۵ پر لکھتے ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ کرو ابن عباس کا ارشاد

عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَقْرَءُ وَالْاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ قَالَ لَا۔

ابو حمزہ سے ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا میں قرأت کروں جب کہ امام میرے آگے ہو فرمایا نہ پڑھنا۔

ثالثاً: امام الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جو حوالہ غیر مقلد نے ان کے فتاویٰ رضویہ سے کلبی کے متعلق دیا اس کو پورا بیان نہیں کیا گیا لیکن اس کا حاصل یہ کہ آئمہ فقہاء و محدثین رضی اللہ عنہم نے کلبی کی بابت متروک و متہم بالکذب کہا اس کے باوجود عامہ کتب سیرت و تفاسیر میں ان کی اور ان کی امثال روایات بکثرت موجود ہیں اور علمائے دین انہیں بلا انکار نقل کرتے آتے ہیں۔ مگر وہابی نے اپنا مقصد پورا کرنے کو خیانتاً فتاویٰ رضویہ شریف سے علمائے دین کا قبول اور نقل کرنا بیان نہ کیا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے کہ: نَزَلَتْ فِیْ رَفْعِ الْاَصْوَاتِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنی یہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت پر نازل ہوئی۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۷۹ – الجواب اولاً – وہابی جی آپ یہ بتائیں مذکورہ اثر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث دلیل کے خلاف کیسے ہوا کیا اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کا ثبوت ہے؟ جھوٹ بولتے ہوئے کچھ شرم بھی کر لیا کرو۔

سبب خاص سے حکم خاص نہیں ہوتا

ثانیاً مسلمہ اصول ہے کہ سبب نزول خاص ہونے سے حکم خاص نہیں ہوتا بلکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے جب کہ آیت (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) میں اذا لفظ عام ہے یعنی جب بھی قرآن پڑھا جائے اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ وہابی صاحب کا تیسرا اعتراض۔ فصل اول میں گزر چکا ہے کہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور سری نمازوں میں ان کے مسلک کو تو خود اکابر احناف نے تسلیم کیا ہے مثلاً طحاوی اور علامہ سرخی حنفی فرماتے ہیں کہ: وَمَذْھَبُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَرْوِیٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَجُلٌ سَئَلَہٗ اَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَہٗ اِمَّا فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ۔ نام نہاد دین الحق۔ ۲۸۰

الجواب اولاً: کسی کی طرف منسوب روایت کو بیان کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ مصنف نے اس کے مذہب کو تسلیم کر لیا ہے محدثین وفقہاء کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی کتب میں جو مضمون لکھتے ہیں اس مضمون کے متعلقہ تمام مختلف احادیث و آثار اور مذاہب آئمہ کو بیان کرتے ہیں لہذا وہابی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ اکابر احناف نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مسلک سری نمازوں میں خلف الامام فاتحہ پڑھنے کو تسلیم کر لیا ہے۔ ثانیاً – طحاوی کے جس ص ۱۴۱ اور ج ۱) سے غیر مقلد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول لیا ہے اسی پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو مرفوع حدیثیں امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز کو ثابت کرتی ہیں اور ابن عباس کا اپنا ارشاد قرأت خلف الامام کی وعید پر ہے (ایک

شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے؟ فرمایا نہیں اس نے کہا شاید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دل میں پڑھتے ہوں؟ حضرت سعید کی روایت میں ہے کہ فرمایا نہیں۔

امام کے پیچھے قرأت پر ابن عباس کی ناراضگی

دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ لوگ ظہر وعصر میں امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں فرمایا اگر مجھے ان پر قابو ہو تو میں ان کی زبانیں کاٹ دوں بے شک رسول اللہ قرأت کرتے ہیں تو ان کی قرأت ہماری قرأت اور ان کا سکوت ہمارا سکوت ہے اب غور کریں کہ غیر مقلد کو طحاوی سے یہ مرفوع حدیثیں تو نظر نہ آئیں مگر اپنے مذہب کی دلیل نظر آ گئی یہ کیسی عظیم خیانت ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام کے منع پر آیہ مبارکہ تفاسیر کے بعد احادیث سے دلائل پیش کیے ملاحظہ ہوں:

حدیث نمبر ۱: مسلم شریف باب السجود والتلاوۃ میں عطا ابن یسار سے مروی ہے: اَنَّہٗ سَأَلَ زَیْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَأَۃِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَأَۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ۔ انہوں نے زید بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قرأت جائز نہیں۔ وہابی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: بلاشبہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر یہ ماعدا فاتحہ یا ترک جہر پر محمول ہے تاکہ احادیث صحیحہ مرفوعہ اور اس اثر کے درمیان موافقت ہو جائے۔

امام نہاد دین الحق ص ۳۰۶

الجواب۔ جب وہابی صاحب کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی صحت کا اقرار ہے تو پھر انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے مدلول یعنی امام کے پیچھے منع قرأت کو بھی تسلیم کر لیا جاتا مگر یہ انصاف چونکہ وہابی مذہب کے لیے مضر تھا اس لیے گوارہ نہیں ہوا لہٰذا واضح فتویٰ میں اپنی رائے سے احتمالات ظاہر کر کے اپنے مذہب کے تابع کر دیا۔

خود بدلتے نہیں دین بدل دیتے ہیں

یہ ہیں وہ لوگ جو خود تو بدلتے نہیں دین بدل دیتے ہیں اگر یہ بات نہیں تو پھر وہابی صاحب بتائیں کہ زید بن ثابت کے مذکورہ ارشاد میں کونسا لفظ ہے جو امام کے پیچھے مقتدی کے فاتحہ پڑھنے کو مستثنیٰ کر رہا ہے نیز یہ کونسا قرینہ ہے جو امام کے جہر کے وقت پر محمول کرنے پر دلالت کر رہا ہے اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کرنا۔ بے دینی نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً۔ تم نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ مذکورہ اثر کو اس کے اصل مدلول سے نہ پھیرا جائے تو بقول تمہارے احادیث صحیحہ مرفوعہ کی مخالفت لازم آتی ہے لیکن یہ خیال دل میں نہ آیا کہ اس کا مدلول آیہ بارکہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) کے مدلول کے مطابق ہے اسے بدلنے سے مذکورہ آیت کے مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے۔

ثالثاً زیر بحث قول میں (لَا قِرَأَۃَ مَعَ الْاِمَامِ) میں لائے نفی جنس کا ہے جس کا مفاد ہے کہ قرآن سے کچھ بھی امام کے پیچھے نہ پڑھا جائے اور فِیْ شَیْءٍ مزید حکم کو مؤکد کر رہا ہے۔ لہٰذا غیر مقلد صاحب کا حدیث کے خلاف حیلہ بہانہ کرنا حقیقت میں حدیث کا ہی انکار کرتا ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۲

مسلم شریف باب التشہد میں ہے۔ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْبَکْرٍ فَحَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فَقَالَ ھُوَ صَحِیْحٌ یَعْنِیْ وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ ابوبکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابوہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ واضح رہے کہ غیر مقلد صاحب نے مسلم شریف کی مذکورہ صحیح حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا جب کہ وہابی قوم کو مسلم ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر ایک صحیح مرفوع حدیث پائی جائے تو اس پر عمل واجب ہے جیسا کہ غیر مقلدوں کے حکیم محمد صادق سیالکوٹی صاحب اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول کے ص ۲۰۴ پر لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا صرف ایک حکم ہی جو صحیح سند سے ثابت ہو امت کے لیے واجب العمل ہو جاتا ہے۔ تو اس مقام پر وہابی صاحب نے جان چھڑانے کو اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، یہ کرتوت ہیں ان نام نہاد اہل حدیثوں کے جاء الحق سے۔

حدیث نمبر ۳

ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مَنْ صَلّٰی رَكْعَةً لَمْ يَقْرَءْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو یعنی تب نہ پڑھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

غیر مقلد کا صحیح حدیث کے جواب سے فرار

مخفی نہ رہے کہ جامع ترمذی کی مذکورہ حسن صحیح حدیث جو کہ اصول کے اعتبار سے محض صحیح سے قوت میں ارفع ہے۔ غیر مقلد نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا جو کہ اس حدیث کے جواب سے وہابی صاحب عاجزی و ناکامی کا واضح ثبوت ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۴

نسائی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ حضور نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ اس کی سند میں محمد بن عجلان ہے اور یہ مدلس ہے۔ (امام نہاد دین الحق ص ۲۹۱)

الجواب اوّلاً: اگر نسائی کی مذکورہ حدیث کی سند پر آپ کو اعتراض ہے تو حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث مسلم شریف کے حوالہ سے گزری اور امام مسلم نے خود اس کی سند کو صحیح کہا جس کا جواب ہی آپ لوگ ہضم کر گئے کہ کوئی سوال ہی نہ کر دے وہابی جی اس صحیح حدیث کا کیا قصور ہے اسے تم کیوں نہیں مانتے اسے ہی مان لو مگر ایسا کام تم غیر مقلدوں سے کب ممکن جو قرآن و حدیث کو اپنے خود ساختہ مذہب کے تابع کرنے کی کوشش میں ہوں۔

غیر مقلد اپنے گھر کے بزرگ کی ہی مان لیں

ثانیاً: اگر آپ اور کسی کی ماننے کو تیار نہیں تو اپنے گھر کے بزرگ شوکانی کی ہی مان لو زیر بحث حدیث کے متعلق امام مسلم کے صحیح کہنے کو وہ بھی مانتے ہیں چنانچہ وہ اپنی نیل الاوطار ج ۲ مطبع بیروت کے ص ۲۲ پر لکھتے ہیں: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ مُسْلِمٌ هُوَ صَحِيْحٌ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تم خاموش رہو اس حدیث کو ترمذی کے سوا باقی پانچوں صحاح نے روایت کیا اور مسلم نے کہا حدیث صحیح ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۵

طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی: اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ ۔ جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

وہابی صاحب نے طحاوی کی مذکورہ حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن جواب نہ دینے پر دلیل یہ بتائی کہ یہی حدیث مفتی صاحب نے اس کے آگے موطا امام محمد کے حوالے سے پیش کی ہے اور یہ چونکہ متناً وسنداً ایک ہی حدیث ہے ہم اس کا جواب وہیں دیتے ہیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۶ تا ۱۰

امام محمد نے موطا شریف میں امام ابوحنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاۃٌ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِیْعٍ وَابْنُ الْھُمَامِ ھٰذَا الْاِسْنَادُ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ۔ حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔ محمد بن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔ یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ دار قطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی ہے (صحیح البہاری) اس پر غیر مقلد شدید اعتراضات کرتے ہوئے پہلے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں:

اس کی سند میں امام ابوحنیفہ ہیں گو وہ بہت بڑے امام ہیں لیکن ان کی روایات پر کلام ہے اور محدثین کرام نے انہیں سئی الحفظ قرار دیا کہ وہ آخر انسان تھے اللہ تعالیٰ کی ذات نہ تھے کہ جن سے غلطی اور نسیان و بھول کا صدور نا ممکن ہے۔ مگر افسوس کہ فریق ثانی شاید یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ ان سے غلطی نہیں ہو سکتی اس لیے وہ اس بحث کے دوران محدثین عظام کو برا بھلا کہے جاتا ہے۔ حالانکہ کسی بزرگ کا حافظ کمزور ہونے سے اس کی بزرگی رفعت مقام میں قطعاً کوئی فرق نہیں آتا۔ (ہم بہادرین الحق ص ۲۹۴)

الجواب اوّلاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مرفوع حدیث کو پانچ کتب احادیث کے حوالہ سے پیش کیا اور دو محدثوں سے اس کی صحت بھی بیان کی اب انصاف کا تقاضا تھا کہ غیر مقلد اس کی صحت کو تسلیم کر لیتا مگر اس نے مذہبی تعصب کا ثبوت دیا اور اس سے کیڑے نکالنے شروع کر دیے اور صحیح حدیث کو ضعیف اور ناقابل عمل باور کرنے کی کوشش کی ہم پہلے بفضلہٖ تعالیٰ زیر بحث حدیث کی صحت کو مزید ثابت کرتے ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز کی حدیث کی صحت پر شواہد

اوّل۔ حاشیہ طحاوی ج اص ۱۴۹ پر ہے رَوَاہُ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَسَنِ فِیْ

مُوْطَاتِہٖ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ عَنْ مُوْسٰی بْنِ اَبِیْ عَائِشَۃَ اِلٰی اٰخِرِ السَّنَدِ بِلَفْظِ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاۃَ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاۃٌ۔ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَالْاِمَامُ الْھُمَامُ ھٰذَا الْاَسْنَادُ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ۔ یعنی اسے روایت کیا امام محمد بن حسن نے اپنی موطا میں روایت کیا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے جس کے لفظ ہیں کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ محمد بن منیع اور امام ہمام نے کہا یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

دوم۔ اس کو امام محمد نے موطا میں ایک سند سے روایت کیا جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں یہی حدیث مرفوعاً ابن ماجہ ص ۶۱ پر موجود ہے اور یہی مسند امام احمد بن حنبل کی ج ۳ ص ۳۳۹ پر موجود ہے اور جامع المسانید ج ا ص ۳۳۲ پر اسی حدیث کے متعلق ہے۔ رواہ ابو محمد بخاری باللَّفْظِ الْاَوَّلِ عَنْ جَمَاعَۃٍ۔ یعنی امام بخاری نے اسے ایک جماعت سے روایت کیا ہے اول لفظوں کے ساتھ۔ اسے امام بخاری رضی اللہ عنہ کا ایک جماعت سے روایت کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

سوم۔ علامہ محمد بن علی نیموی نے اپنی آثار السنن کے ص ۱۱۳ پر لکھا ہے ملاحظہ ہو: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاۃٌ۔ رَوَاہُ الْحَافِظُ اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ فِیْ مُسْنَدِہٖ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِی الْمُوْطَا وَالطَّحَاوِیُّ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ اسے حافظ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں روایت کیا اور محمد بن حسن شیبانی نے موطا میں اور طحاوی نے اور دار قطنی نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ ماننے والے کو اس قدر شہادتیں حدیث کی صحت پر کافی ہیں۔ اب رہا غیر مقلد کا

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان پر کلام اور ان کے خلاف کیچڑ اچھالنا
اور کہنا کہ وہ ضعیف ہیں ان کی روایات میں کلام ہے محدثین نے انہیں سئی
الحفظ (خراب حافظہ) والا وغیرہ وغیرہ کہا۔ الجواب بعون اللہ الوہاب۔ اوّلاً۔ وہابی
جی کا دوغلا پن دیکھیں کہ پہلے تو امام صاحب کو بہت بڑا امام کہے دیا پھر ان کے
عیب ونقص گن دیے نیز ہم اگر انہیں امام اعظم بڑا امام کہیں تو غیر مقلدین برسنے
اور اعتراض کرنے لگیں کہ دیکھیں جی امام اعظم تو اللہ کے رسول اللہ محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ہیں اور احناف ابوحنیفہ کو امام اعظم کہتے ہیں مگر اب ان کے اپنے
غیر مقلد صاحب انہیں نہ صرف بڑا بلکہ بہت بڑا امام کہے رہے ہیں لیکن اس
کتاب پر تقریظیں لکھنے والے بڑے بڑے وہابی حضرات اسے خوب داد وتحسین
دے رہے ہیں تو یہ کیسا دوغلا پن ہے۔ ثانیاً وہابی جی نے اپنے بڑوں کی روش و
طریقہ پر چلتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ صرف اللہ کی ذات ہی غلطی ونسیان سے
منزہ ہے مخلوق سے اس کا صدور ممکن ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء علیہم
الصلوٰۃ والسلام بھی غلطی ونسیان سے مبرہ ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو ان کی شریعتیں
یقینی نہ رہیں گی جب کہ انہیں بلا شک وشبہ یقینی ماننا اصل ایمان ہے اور نفوس
قدسیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہم حنفی سنی کسی کے لیے غلطی ونسیان محال
وناممکن نہیں مانتے لہٰذا یہ اعتراض ہم پر بے جا ہے کہ ہم بقول وہابی کہتے ہیں کہ
امام صاحب غلطی ونسیان سے پاک ہیں البتہ ہم امام صاحب رضی اللہ عنہ کو امام
اعظم مجتہد اعظم محدث اعظم فقیہ اعظم اور اصول وفروع اسلامیہ کے ماہر اعظم
سراج اُمت اور اصول وفروع میں امام الائمہ مانتے ہیں۔ وَلَوْ کَرِہَ الْمُنَافِقُوْن
ثالثاً۔ وہابی جی کا الزام کہ احناف اس بحث کے دوران محدثین کرام کو برا بھلا کہے جاتے
ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ ہم سنیوں حنفیوں پر یہ الزام درست نہیں بزرگوں کی تنقیص و
توہین کرنا یہ تو وہابیوں خارجیوں کا وطیرہ ہے لیکن محدثین وفقہاء عظام کا یہ بھی
ارشاد ہے کہ امام اعظم سراج اُمت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص وتوہین

ہمیشہ دو طرح کے لوگوں نے کی ہے۔ حاسدوں یا جاہلوں نے۔ ملاحظہ ہو

امام اعظم کی توہین کرنے والے حاسد و جاہل ہیں

اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدُ الصرفی قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ
المسکی قَالَ ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ کَاس قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
مَحْمُوْدٍ صید لانی قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ
دَاوٗدَ مَا یَعِیْبُ اَبَا حَنِیْفَۃَ اِلَّا اَحَدُ رَجُلَیْنِ جَاہِلٌ لَا یَعْرِفُ فَضْلَ
قَوْلِہٖ اَوْ حَاسِدٌ لَمْ یَقِفْ عَلٰی عِلْمِہٖ فَحَسَدَہٗ۔
اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للامام المحدث القاضی ابی عبد اللہ حسین بن علی الصمیری
المتوفی ۴۳۶ھ ص ۷۹ محمد بن شجاع نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن داؤد نے فرمایا امام ابوحنیفہ
کو دو آدمیوں کے سوا کوئی عیب نہیں لگاتا یا جاہل جو آپ کے قول کی رفعت کو نہیں جانتا یا
حاسد جس نے آپ کے علم تک رسائی نہ پائی تو حسد کرنے لگا۔ اسی کے اسی صفحہ پر ہے
کہ قَالَ عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ الْمِحْنَۃُ مَنْ اَحَبَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ فَھُوَ
سُنِّیٌّ وَمَنْ اَبْغَضَہٗ فَھُوَ مُبْتَدِعٌ۔ عبد العزیز بن ابو رواد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ امتحان
ہیں جس نے ان سے محبت کی وہ سنی اور جس نے ان سے عداوت کی وہ بدعتی ہے۔
عبد الحی لکھنوی صاحب التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد۔ میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے مناقب جمیلہ سمجھنے سے عقل عاجز ہے

اَبُوْ حَنِیْفَۃَ فَلَہٗ مَنَاقِبُ جَمِیْلَۃٌ وَمَآثِرُ جَلِیْلَۃٌ عَقْلُ الْاِنْسَانِ قَاصِرٌ عَنْ
اِدْرَاکِھَا وَلِسَانُہٗ عَاجِزٌ عَنْ بَیَانِھَا وَقَدْ صَنَّفَ فِیْ مَنَاقِبِہٖ جَمْعٌ مِّنْ عُلَمَاءِ
الْمَذَاھِبِ الْمُتَفَرِّقَۃِ وَلَمْ یَطْعَنْ عَلَیْہِ اِلَّا ذُوْ تَعَصُّبٍ وَّ اَفْرَادُ جَھَالَۃٍ مُّبِیْنَۃٍ۔ امام
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے مناقب جمیلہ اور مآثر جلیلہ ہیں جس کے ادراک سے عقل
انسانی قاصر اور اس کے بیان سے اس کی زبان عاجز ہے اور آپ کے مناقب میں مختلف
مذاہب کے علماء کی ایک جماعت نے کتابیں لکھی ہیں اور آپ پر سوا تعصب اور کھلی
جہالت والوں کے کسی نے طعن نہ کیا۔ علاوہ ازیں ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ

بعض حضرات اہل تعصب و جہالت کی گفت شنید پر آپ کے متعلق سوء ظن رکھتے تھے لیکن جب حقیقت پر اطلاع پائی تو آپ کی تعریف کرنے لگے چنانچہ ابوالمواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری الشافعی المصری المعروف امام الشعرانی رضی اللہ عنہ المیزان الکبریٰ جزء اول ص ۶۵ پر لکھتے ہیں:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان

وَكَانَ اَبُوْ مُطِيْعٍ يَقُوْلُ كُنْتُ يَوْمًا عِنْدَ الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ جَامِعِ الْكُوْفَةِ فَدَخَلَ عَلَيْهِ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمُقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَجَعْفَرُ الصَّادِقُ وَ غَيْرُهُمْ الْفُقَهَاءُ فَكَلَّمُوْا الْاِمَامَ اَبَا حَنِيْفَةَ وَقَالُوْا قَدْ بَلَغَنَا اِنَّكَ تُكْثِرُ مِنَ الْقِيَاسِ فِي الدِّيْنِ اِنَّا نَخَافُ عَلَيْكَ مِنْهُ فَاِنَّ اَوَّلَ مَنْ قَاسَ اِبْلِيْسُ فَنَاظَرَهُمُ الْاِمَامُ مِنْ بُكْرَةِ نَهَارِ الْجُمُعَةِ اِلَى الزَّوَالِ وَ عَرَضَ عَلَيْهِمْ مَذْهَبَهُ وَقَالَ اِنِّيْ اُقَدِّمُ الْعَمَلَ بِالْكِتَابِ ثُمَّ بِالسُّنَّةِ ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ الصَّحَابَةِ مُقَدِّمًا مَا اتَّفَقُوْا عَلٰى مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَحِيْنَئِذٍ اَقِيْسُ فَقَامُوْا كُلُّهُمْ وَ قَبَّلُوْا يَدَهُ وَرُكْبَتَهُ وَقَالُوْا لَهُ اَنْتَ سَيِّدُ الْعُلَمَاءِ فَاعْفُ عَنَّا فِيْ مَا مَضٰى مِنَّا مِنْ وَقِيْعَتِنَا فِيْكَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ اور ابومطیع بیان کرتے تھے کہ ایک دن میں کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے پاس تھا تو سفیان ثوری اور مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور امام جعفر صادق ، وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم فقہاء امام ابوحنیفہ کے پاس آئے تو امام ابوحنیفہ سے باتیں کرنے لگے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ ہمیں تمہارے متعلق پہنچا کہ تم دین میں کثرت قیاس سے کام لیتے ہو ہمیں اس وجہ سے تم پر خوف ہے کیونکہ (اللہ کا حکم چھوڑ کر) سب سے پہلے قیاس شیطان نے کیا پس امام صاحب نے ان حضرات سے جمعہ کی صبح سے زوال تک مباحثہ کیا اور انہیں اپنا مذہب بیان کیا اور کہا کہ میں کتاب اللہ پر عمل مقدم رکھتا ہوں پھر سنت پھر صحابہ کے ان فیصلوں کو مقدم رکھتا ہوں جن پر ان حضرات کا اتفاق ہوا پھر جن میں ان کا اختلاف تھا اس کے بعد قیاس و اجتہاد کی طرف آتا ہوں یہ سن کر وہ سب حضرات کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور

گھٹنے چومنے لگے اور ان سب نے اعتراف کیا کہ تم سب علماء کے سردار ہو تو جو مغالطہ میں آ کر تمہارے متعلق ہماری زبان و دل میں آیا اس سے درگزر کرو پس آپ نے کہا اللہ ہم اور تم سب کو معاف کرے۔ اسی المیزان الکبریٰ کے ص ۶۶ پر ہے کہ: وَمِمَّا كَانَ كَتَبَهُ الْخَلِيْفَةُ اَبُوْ جَعْفَرِ الْمَنْصُوْرُ اِلَى الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تُقَدِّمُ الْقِيَاسَ عَلَى الْحَدِيْثِ فَقَالَ لَيْسَ الْاَمْرُ كَمَا بَلَغَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّمَا اَعْمَلُ اَوَّلًا بِكِتَابِ اللّٰهِ ثُمَّ بِسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ بَقِيَّةِ الصَّحَابَةِ ثُمَّ اَقِيْسُ بَعْدَ ذٰلِكَ اِذَا اخْتَلَفُوْا وَلَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ خَلْقِهٖ قَرَابَةٌ ۔ اور اس سے جو خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لکھا کہ مجھے خبر ہوئی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں امام صاحب نے جواباً فرمایا کہ اے امیر المومنین جیسے آپ کو پہنچا وہ حقیقت نہیں میں تو اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر پھر حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر دوسرے صحابہ کے اقوال و معمول پر اس کے بعد قیاس و اجتہاد کرتا ہوں۔ جب ان میں اختلاف ہوا ہو کہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان دین میں کسی کو رعایت نہیں

امام اوزاعی غلط فہمی کے ازالہ کے بعد امام اعظم کی عظمت کے قائل ہو گئے

مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ الْاَوْزَاعِيِّ فَقَالَ لِيَ الْاَوْزَاعِيُّ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَجُلٌ يَذْكُرُوْنَهُ بِالْكُوْفَةِ ضَالًّا مُضِلًّا يَدْعُو النَّاسَ اِلٰى بِدْعَةٍ فَغِبْتُ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَتِلْكَ لَيَالِيْ وَاَخْرَجْتُ مِنْ مَسَائِلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ مَسَائِلًا وَكَتَبْتُهَا بِحُجَجِهَا وَحَمَلْتُ الْكِتَابَ اِلَى الْاَوْزَاعِيِّ فَاَقْرَبْتُهُ وَقَدْ اَذَّنَ فَلَمَّا رَاٰنِيْ اَقَامَ وَصَلَّيْنَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَالَ لِيْ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا هٰذَا الْكِتَابُ مَعَكَ قُلْتُ كِتَابٌ فِيْهِ مَسَائِلُ وَ كَتَبْتُ

عَلٰی کُلِّ مَسْئَلَةٍ قَالَهُ النُّعْمَانُ قَالَ هَاتَهُ فَجَعَلَ يَقْرَءُهُ حَتّٰی اِنْتَهٰی
اِلٰی اٰخِرِهٖ فَقَالَ مَنِ النُّعْمَانُ الَّذِیْ هٰذِهٖ جَوَابَاتُ الْحَسَّانُ لَهُ قُلْتُ
اَبُوْ حَنِيْفَةَ الَّذِیْ نَهَيْتَ عَنْهُ قَالَ حَرَامٌ عَلَیَّ اِنْ اَنْهَاكَ عَمَّنْ تَتَعَلَّمَ
مِثْلَ هٰذَا فَالْزِمْهُ وَاسْتَكْثِرْ مِنْهُ فَاِنَّ هٰذَا يُحْسَنُ اَنْ يَتَكَلَّمَ فِی
الْعِلْمِ۔

اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للامام المحدیث القاضی ابی عبد اللہ حسین بن علی الصیمری المتوفی ص ۴۳۶ المتوفی سن ۴ محمد بن مقاتل نے کہا ہے کہ میں نے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کرتے سنا کہ میں اوزاعی کے پاس تھا تو مجھے اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن کوفہ کے ایک شخص کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتا ہے جب میں نے یہ اوزاعی سے سنا تو تین دن اور تین راتیں میں اس سے غائب رہا تو میں اس دوران امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل نکالے اور مسائل پر ان کے دلائل کو لکھا اور اٹھا کر علامہ اوزاعی کے پاس لایا جب اس کے قریب ہوا تو اس نے اذان کہی پھر خود ہی اس نے اقامت کہی اور ہم نے نماز فجر ادا کی پس اس نے مجھے کہا اے ابو عبد الرحمٰن یہ تیرے پاس کتاب کیسی ہے میں نے کہا اس کتاب میں مسائل ہیں اور میں نے ان سے ہر مسئلہ کو اس طور پر لکھا ہے جس طرح اس کو حضرت نعمان نے بیان کیا وہ بولا یہ مجھے دکھاؤ پس اس نے اسے پڑھنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آخر تک اسے پڑھا پھر کہا یہ کون نعمان ہیں۔ جس کے اس قدر اچھے جوابات ہیں میں نے کہا یہ وہی امام ابو حنیفہ ہیں جس کی مجلس سے آپ نے مجھے منع کیا اس نے کہا مجھ پر حرام ہے کہ میں تجھے ایسے مسائل سیکھنے سے روکوں اس کی مجلس لازم رکھو اور پہلے سے بھی کثرت کرو پس یہ بہت اچھا ہے کہ علم میں مشغول رہا جائے۔ ان عبارات سے واضح ہوا کہ بعض حضرات امام صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق یا تو حقیقۃ الامر سے عدم اطلاع کی بناء پر یا حاسدوں اور جاہلوں کی باتوں میں آ کر مخالف ہو گئے حقیقت حال پر آگاہ ہوئے تو آپ کی رفعت شان و عظمت کے قائل ہو گئے۔ واضح رہے کہ اس

جگہ نام نہاد دین الحق کے مصنف نے امام صاحب پر جرح و تنقیص پر مبنی چند عبارتیں پیش کی ہیں جن میں آپ کو مضطرب الحدیث منقلب الحدیث ضعیف اور حدیث میں غلطی کرنے والے سئی الحفظ۔ صاحب الرائی اور مرجئی الفاظ کہے گئے ہیں اور جن کی طرف ان اقوال کو منسوب کیا گیا ان میں امام بخاری و مسلم نسائی ابن حبان۔ ابن عدی۔ ابو نعیم اصفہانی۔ ابن مبارک۔ دار قطنی۔ ابن عبد البر۔ امام شافعی۔ سفیان ثوری۔ یحییٰ بن معین۔ علی بن مدینی ہیں۔

الجواب اولاً: جن حضرات کی طرف امام صاحب کی جرح میں اقوال کو منسوب کیا گیا ہے ان میں بعض کا زمانہ امام صاحب رضی اللہ عنہ سے بعد کا ہے جیسے کہ بخاری و مسلم و نسائی اور دار قطنی وغیرہ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے اوروں کی باتوں یا عبارتوں پر اعتماد کیا اور یہ پہلے گزرا کہ حاسد اور بعض جاہل آپ کی تنقیص و توہین میں طرح طرح کی باتیں اور غلط نظریوں کو آپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور بعض حضرات ان کی باتوں میں آ کر امام صاحب کی مخالفت کرتے تھے۔

ثانیاً: امام صاحب پر جرح میں اقوال جن حضرات کی طرف منسوب کیے گئے ان میں سے اکثر کے اقوال امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مدح اور تعریف میں ملتے ہیں جن میں امام شافعی۔ امام سفیان ثوری۔ ابن مبارک۔ ابن حبان۔ ابن عدی ابو نعیم اصفہانی۔ علی بن مدینی۔ یحییٰ بن معین۔ چنانچہ ان کے اقوال آگے آ رہے ہیں۔

ثالثاً: جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو بالخصوص جب جرح کرنے والوں میں اہل تعصب و حاسدین بھی شامل ہوں تو ترجیح تعدیل کو ہوگی۔

رابعاً: آئمہ مذاہب ثلاثہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ثقاہت فقاہت اور رفعت شان و عظمت کے قائل ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف کے ساتھ آئمہ ثلاثہ کے مقلدین نے بھی امام صاحب کی مدح و تعریف میں عظیم الشان کتب لکھی ہیں لہٰذا غیر مقلدوں کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں زبان درازی سورج کو تھوکنے کے مترادف ہے۔

کثیر اولیاء کرام امام اعظم کے مقلد ہوئے ہیں

خامساً: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین میں کثیر اولیاء کاملین ہوئے بقول وہابی اگر احناف کا مذہب و معمول بلا دلیل یا اس کی بنیاد ضعیف دلائل پر ہوتی تو ان کو ولایت و کمال حاصل نہ ہوتا۔

امام صاحب پر یہ اعتراض کہ وہ صاحب الرائے تھے

الجواب اولاً: فریق ثانی صاحب الرائی سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اگر یہ مراد لیں کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث اور اجماع پر رائے کو ترجیح دیتے تھے تو یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ ہم پیچھے المیزان الکبریٰ کے حوالہ سے خود امام صاحب کا ارشاد نقل کر چکے ہیں۔ کہ فرمایا میں پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ان فیصلوں پر جن پر ان کا اتفاق ہوا پھر ان میں راجح پر جن میں ان کا اختلاف ہوا اس کے بعد قیاس کی طرف آتا ہوں نیز احناف کی کتب اصول میں بھی قرآن و سنت اور اجماع امت کو اصل اور ماخذ قرار دیا اور قیاس کو ان تین کے تابع رکھا گیا ہے یعنی جب تک ان تین اصول سے مسئلہ کا حل ملتا ہے تو قیاس کی حاجت نہیں۔ ثانی اگر فریق ثانی کی مراد ہے کہ رائے ناجائز و حرام ہے جیسا کہ غیر مقلد کہا کرتے ہیں تو یہ دراصل ان احادیث مبارکہ کا انکار ہے جن میں قیاس و اجتہاد کی تصریح آئی ہے۔

قیاس و اجتہاد کے ثبوت پر دلائل

چنانچہ بخاری ج ۲ باب ا جرُ الحاکم اذا اجتھد اصاب اَوْ اخطا۔ میں ہے: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ۔ عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب حاکم نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اس نے درست کیا تو اس

کے لیے دو اجر ہیں پھر اگر اجتہاد میں غلطی ہوئی تو اسے ایک اجر ہے۔ واضح رہے کہ حاکم سے مراد یہاں مطلق مجتہد ہے قاضی ہو یا مذہب کا امام ہو یا اصول و فروع میں امام کا مقلد ہو جب کہ اجتہاد حلاش حق کے لیے ہو۔

دوم: جامع ترمذی ابواب الاحکام کے آغاز میں ہے کہ:

عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ قَالَ اَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَجْتَهِدُ رَاْيِيْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا تم کس طرح فیصلے کرو گے عرض کی اس کے ساتھ فیصلہ کرونگا جو اللہ کی کتاب میں ہے فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہوا عرض کی رسول اللہ کی سنت کے ساتھ فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ہوا تو پھر عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا فرمایا تمام تعریفیں [illegible] جس نے رسول اللہ کے قاصد کو موافق شرع کیا۔ ایک دوسری روایت میں اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ کی جگہ اِنْ لَّمْ تَجِدْ۔ آیا یعنی اگر تو نہ پا سکے۔ یہ پہلی روایت کے معنی کی وضاحت کرتی ہے کہ مراد ہمارا نہ پانا ہے اور ہمارا کسی مسئلہ کو قرآن و حدیث میں نہ پانا اس کو لازم نہیں کرتا کہ اس مسئلہ کی اصل بھی قرآن و حدیث میں نہ ہو ممکن ہے مسئلہ یا اس کی اصل تو قرآن و حدیث میں ہو مگر ہماری عقل و سمجھ کو اس تک رسائی نہ ہو۔

ثالثاً: اگر قیاس و رائے تمہارے نزدیک عیب ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اس میں تخصیص کیوں بوقت ضرورت تمام آئمہ مذاہب نے قیاس کیا چنانچہ امام شعرانی فرماتے ہیں:

لا خصوصية للامام ابی حنيفة فی القياس بشرطه المذكور بل

جمیع العلماء یقیسون فی مضایق اذا لم یجدہ فی المسئلۃ نصا من کتاب ولا سنۃ ولا اجماع وَالْاَقْضِیَۃِ الصحابۃ و کذلک لم یزل مُتَقَلِّدُوْنَهُمْ الی وقتنا ھذا فی کل مسئلہ لا یجدون فیھا نصا من غیر نکیر فیما بینھم بل جلعوا القیاس احد الادلۃ الاربعۃ فقالوا الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس وقد کان امام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اذا لم نجد فی المسئلۃ دلیلا قسناھا علٰی غیرھا .فمن اعترض علی الامام ابی حنیفۃ فی عملہ بالقیاس لزمہ الاعتراض علی الائمۃ کلھم لانھم کلھم یشار کونہ فی العمل بالقیاس عند فقدھم النصوص والاجماع۔

المیزان الکبریٰ جزء اول ص ۶۶۔ یعنی مذکورہ شرط کے ساتھ قیاس کرنے میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام علماء مشکل اوقات میں قیاس کرتے ہیں جب وہ کسی مسئلہ میں قرآن وسنت اور اجماع وصحابہ کے فیصلوں سے دلیل نہ پائیں اور ایسے ہی آئمہ کے مقلدین بھی ہمارے اس وقت تک قیاس کرتے آئے ہیں ہر اس مسئلہ میں جس کی دلیل وہ نہ پائیں ان کے درمیان اس میں بلا کسی کے انکار کے بلکہ کیا انہوں نے قیاس کو چار دلیلوں میں سے ایک تو کہا کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس چاروں دلیلیں ہیں اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جب ہم کسی مسئلہ میں دلیل نہ پائیں تو اسے ہم اس کے غیر (مدلل مسئلہ) پر قیاس کرتے ہیں پس جس نے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کیا اس کے قیاس پر عمل میں تو اس کا عتراض لازم آیا تمام آئمہ پر کیونکہ وہ سب اس کے ساتھ برابر ہیں قیاس پر عمل میں نصوص واجماع کے نہ پائے جانے کے وقت۔ وہابی صاحب کی پیش کردہ عبارت میں امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر مرجئی ہونے کا الزام جھوٹ ہے۔ اوّلاً اس جھوٹ گھڑنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ فرقہ باطلہ ملعونہ مرجیہ سے ایک شخص غسان کوفی نامی اپنے بعض عقائد فاسدہ کی نسبت مکاری سے امام

... رضی اللہ عنہ کی طرف کر دیتا تھا۔ تحقیق کے لیے (مرام الکلام فی عقائد الاسلام ... الثانیہ فی الفرق المبتدعۃ) ملاحظہ کریں۔

ثانیاً مذکورہ فرقہ باطلہ کے بنیادی عقائد میں سے ایک یہ کہ قرآن کو وہ معاذ اللہ مخلوق کہتے ہیں دوسرا یہ کہتے ہیں کہ مؤمن کو معصیت سے کچھ نقصان وسزا نہیں جب کہ امام صاحب ایسے عقائد باطلہ فاسدہ قبیحہ سے بری ہیں بلکہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کا ان کے رد میں یہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ: وَالْقُرْاٰنُ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ یعنی قرآن مخلوق نہیں۔ الفقہ الاکبر للامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ اسی فقہ الاکبر میں ہے کہ ولا نقول ان المؤمن لاتضرہ الذنوب۔ یعنی ہم اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل نہیں کہ مؤمن کو گناہ مضر نہیں۔ فتح الملھم شرح صحیح المسلم ج ۱ ص ۱۷ ... احمد عثمانی صاحب بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

رَوٰی بِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ کَلَّمْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ سَنَةً فِیْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ مَخْلُوْقٌ اَمْ لَا فَاتَّفَقَ رَاْیُهٗ وَرَاْیِیْ عَلٰی اَنَّ مَنْ قَالَ الْقُرْاٰنُ مَخْلُوْقٌ فَهُوَ کَافِرٌ۔ قَالَ الْبَیْهَقِیُّ رُوَاتُهٗ کُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔

بیہقی اپنی اسناد کے ساتھ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے راوی کہ میرا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تحقیق میں ایک سال کلام رہا کہ آیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ... ان کی اور میری رائے اس پر متفق ہوئی کہ بلا شبہ جس نے قرآن کو مخلوق کہا کافر ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ امام صاحب کو مرجئی اور قرآن کو مخلوق جاننے والا کہنا کسی عدو بے بصر کا قول ہے جس کا امام صاحب رضی اللہ عنہ سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ امام صاحب اس کے قائل کو پکا کافر جانتے تھے۔ مگر کیا کریں ان بداندیش وہابیوں کا جن کو بزرگوں کے عیب کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔

ثالثاً: اگر امام صاحب معاذ اللہ مرجئی ہوتے تو آپ کے تلامذہ اور مقلدین میں سے سب نہ تو کچھ اس عقیدہ پر ہوتے مگر ایسا ہر گز نہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ امام

صاحب پر دشمنوں اور متعصبین کا الزام ہے جس کو حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ اب امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحت روایات اور ثقاہت وفقاہت اور علم وفراست اور تقویٰ وطہارت پر علماء وفقہاء ومحدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال لکھے جاتے ہیں: وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ سُئِلَ عَنِ الشَّافِعِيِّ۔

۱- فَقَالَ رَأْيُهٗ صَحِيْحٌ وَحَدِيْثُهٗ صَحِيْحٌ۔

المیزان الکبریٰ جزء اول ص ۶۴ تاریخ البغداد ج ۳ ص ۳۲۶ امام شافعی سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ان کا اجتہاد صحیح تھا اور حدیث بھی صحیح

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہی حدیث بیان کرتے جو زبانی یاد ہوتی

۲- وَقَدْ اَثْنٰى كَثِيْرٌ مِنْ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ عَلَى الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ثِقَةً فِي الْحَدِيْثِ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ثِقَةً لَا يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ اِلَّا بِمَا يَحْفَظُهٗ وَلَا يُحَدِّثُ بِمَا لَا يَحْفَظُهٗ۔ حاشیہ تاریخ کبیر جزء ۴ ص ۸۱ لاامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کثیر آئمہ حدیث وفقہ نے ثناء گوئی کی ہے ابن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں ثقہ تھے انہیں سے ہے کہ فرمایا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے وہی حدیث بیان کرتے جو آپ کو حفظ ہوتی اور اس حدیث کو بیان نہ کرتے جو حفظ نہ ہوتی۔

۳- واضح رہے کہ ابن معین کے یہ دونوں قول تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰ پر بھی موجود ہیں۔

۴- وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَفْقَهَ اَهْلِ الْاَرْضِ فِيْ زَمَانِهٖ۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷ سفیان ثوری اور ابن مبارک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے تمام اہل زمین سے زیادہ فقیہ تھے۔

۵- اسی میں ہے کہ: (وَقَالَ اَبُوْ نُعَيْمٍ كَانَ صَاحِبَ غَوَّاصٍ فِي الْمَسَائِلِ) ابونعیم نے کہا کہ امام صاحب مسائل میں بہت غوطہ زن تھے۔

۶- وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ مَدِيْنِيْ ثِقَةٌ لَا بَأْسَ بِهٖ۔ كَمَا فِيْ بَيَانِ جَامِعِ الْعِلْمِ لِابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ۔ مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۹ ابوعلی مدینی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں ان میں کچھ ضعف نہیں جیسا کہ ابن عبدالبر کی جامع العلم میں بیان ہے۔

۷- سُئِلَ يَحْيٰى هَلْ حَدَّثَ سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ؟ قَالَ نَعَمْ كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ثِقَةً صَدُوْقًا فِي الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ مَاْمُوْنًا عَلٰى دِيْنِ اللهِ) یعنی یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کیا سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کی؟ کہا ہاں ابوحنیفہ ثقہ اور حدیث وفقہ میں سچے تھے اور اللہ کے دین پر مامون تھے۔

۸- وَقَالَ الرَّبِيْعُ وَالْحَرْمَلَةُ سَمِعْنَا الشَّافِعِيَّ يَقُوْلُ النَّاسُ عِيَالٌ فِي الْفِقْهِ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔ تہذیب التہذیب جزء ۱۰ ص ۴۵۰ للعلامہ ابن حجر عسقلانی ربیع اور حرملہ نے کہا ہے کہ ہم نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ لوگ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے فقہ میں بچے ہیں۔

۹- حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا رَأْيُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اِنَّهٗ تَفْسِيْرُ الْحَدِيْثِ۔ مقام ابی حنیفہ ص ۱۸۶ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ فلاں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے لیکن کہو کہ بلاشبہ وہ حدیث کی مراد ہے۔

۱۰- حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ۔ كَانَ اِمَامُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ شَدِيْدُ الْاَخْذِ لِلْعِلْمِ ذَابًّا عَنْ حَرَمِ اللهِ اَنْ تُسْتَحَلَّ يَاْخُذُ بِمَا صَحَّ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الَّتِيْ كَانَتْ يَحْمِلُهَا الثِّقَاتُ وَبِالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مقام ابی حنیفہ ص ۱۳۳ یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم شرعیہ حاصل کرنے میں بہت رغبت رکھنے والے حدود الہیہ کی بے حرمتی پر بہت مدافعت

کرنیوالے تھے اور صرف وہی حدیث صحیح لیتے جو ثقہ رواۃ سے مروی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو ہی معمول بناتے۔ واضح رہے کہ بندہ ناچیز نے کہا تھا کہ جن محدثین وفقہاء کی طرف غیر مقلد کی پیش کردہ عبارتوں میں امام صاحب پر جرح وتضعیف میں اقوال منسوب کیے گئے ان میں سے اکثر کے ارشادات امام صاحب رضی اللہ عنہ کی مدح وثناء میں موجود ہیں اور یہ بفضلہ تعالیٰ ثابت کردیا یہاں آپ سوچیں گے اس طرح کے متضاد اقوال ان حضرات سے کیسے جاری ہوئے؟

عرض کرتا ہوں کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ امام صاحب کے حاسدین ومخالفین نے امام صاحب کے وقار و اعتماد کو مجروح کرنے کو ایسے اقوال ان بزرگوں کی طرف غلط منسوب کردیے۔

دوم یہ کہ ایسے اقوال ان حضرات سے اس وقت سرزد ہوئے جب امام صاحب کے بارے حقیقت حال سے آگاہ نہ تھے جب آگاہ ہوئے تو امام صاحب کی مدح و تعریف میں رطب اللسان ہوئے جیسا کہ پیچھے امام جعفر صادق عبداللہ مبارک سفیان ثوری وغیرہم کا واقعہ گزرا۔ (کامل چار علماء)

۱۱- اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَلْوَانِیُّ قَالَ ثنا مُکْرَمٌ قَالَ ثَنَاء اَحْمَدُ قَالَ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی صَاحِبَ اَبِیْ نَصْرِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ اِبْنَ عُیَیْنَةَ قَالَ الْعُلَمَاءُ اَرْبَعٌ اِبْنُ عَبَّاسٍ فِیْ زَمَانِهٖ وَشُعْبِیُّ فِیْ زَمَانِهٖ وَاَبُوْ حَنِیْفَةَ فِیْ زَمَانِهٖ وَالثَّوْرِیُّ فِیْ زَمَانِهٖ) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۷۶ محمد بن مثنی جو کہ ابی نصر بن بشر بن حارث کے ساتھی ہیں بیان کیا کہ میں نے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا افضل علماء چار ہیں۔ عبداللہ بن عباس اپنے زمانہ میں اور شعبی اپنے زمانہ میں اور امام ابوحنیفہ اپنے دور میں سفیان ثوری اپنے دور میں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم-۱۲) امام نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ ابوبکر عیاش سے مروی ہے کہ جب امام ثوری رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہوئے تو لوگ تعزیت کو ان کے

پاس جمع ہوئے اور امام صاحب آئے تو سفیان ثوری اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی بہت تعظیم کی اور ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئے جب لوگ چلے گئے تو سفیان ثوری سے ان کے اصحاب نے کہا کہ آج ہم نے آپ کو عجب کام کرتے دیکھا فرمایا تعجب کس بات کا میرے پاس اہل علم سے ایک شخص آیا اگر میں اس کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو اس کی فقاہت کے احترام میں اٹھتا اگر فقاہت کے لیے نہ اٹھتا تو اس کی پرہیزگاری کے اکرام میں اٹھتا اور اس کی پرہیزگاری کو نہ اٹھتا تو اس کی عمر کی تعظیم کو اٹھتا۔ (ماخوذہ از حدیقۃ الحنفیہ ص ۱۸۰)

۱۳- عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شُجَاعٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِیَّ بْنَ عَاصِمٍ یَقُوْلُ لَوْ وُزِنَ عَقْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ بِعَقْلِ نِصْفِ اَهْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ بِهِمْ۔ مناقب امام اعظم ابی حنیفہ جزء اول ص ۱۸۰ میں الموفق بن احمد المکی ومحمد بن محمد المعروف بابن البزاز الکردوی رحمۃ اللہ علیہما محمد بن شجاع نے بیان کیا کہ میں نے علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا کہ اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کا نصف زمین والوں کی عقلوں سے موازنہ کیا جائے تو بلاشبہ ان کی عقلوں سے بھاری ہو جائے۔

۱۴- اسی کے اگلے صفحہ پر پوری سند سے بیان ہے کہ خارجہ بن مصعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے ایک ہزار علماء سے شرف ملاقات حاصل کیا تو ان میں کمال عقل والے تین یا چار کو پایا تو ان تین یا چار میں امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر کیا۔

۱۵- وَقَالَ اَبُوْ نُعَیْمٍ کَانَ صَاحِبُ غَوَّاصٍ فِی الْمَسَائِلِ وَقَالَ مَکِّیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اَعْلَمُ اَهْلِ الْاَرْضِ۔ البدایہ والنہایہ جزء ۱۰ ص ۱۰۷ ابونعیم نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ مسائل میں صاحب اجتہاد تھے اور حضرت مکی بن ابراہیم نے کہا کہ وہ اہل زمین میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

۱۶- قَاسِمُ بْنُ غَسَّانَ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَرَوِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ یَزِیْدَ بْنَ هَارُوْنَ اَدْرَکْتُ اَلْفَ رَجُلًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ وَکَتَبْتُ عَنْ اَکْثَرِهِمْ مَا رَءَیْتُ فِیْهِمْ اَفْقَهُ وَلَا اَوْرَعُ وَلَا اَحْکَمُ مِنْ خَمْسَةٍ اَوَّلُهُمْ اَبُوْ حَنِیْفَةَ۔ تہذیب

الخطیب ۲۰۰ للمحدث محمد بن زاہد الکوثری۔ قاسم بن غسان نے بیان کیا کہ ابراہیم بن عبداللہ الھروی نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون سے سنا فرمایا میں نے ہزار فقہا کو پایا جن میں اکثر سے میں نے (حدیث وفقہ) لکھا لیکن ان میں سے پانچ حضرات کو میں نے زیادہ فقیہ متقی اور حلم والا دیکھا افضل ان میں سے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

۱۷- عَلِیُّ بْنُ خَبِیْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُبَارِکِ قَالَ دَخَلْتُ الْکُوْفَۃَ فَسَئَلْتُ عَنْ اَفْقَہِ اَھْلِھَا فَقِیْلَ لِیْ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ وَسَئَلْتُ عَنْ اَوْرَعِ اَھْلِھَا فَقِیْلَ لِیْ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ۔ مناقب الامام اعظم ابی حنیفۃ- جزء اول ص ۱۹۳ علی بن حبیب عبداللہ مبارک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا میں کوفہ میں داخل ہوا تو پوچھا کہ سب کوفہ والوں سے زیادہ فقہ دان کون ہے پس مجھے بتایا گیا امام ابوحنیفہ پھر میں نے پوچھا یہاں سب سے زیادہ متقی کون ہے مجھے کہا گیا امام ابوحنیفہ۔ یہ بات ہر ذی شعور پر واضح ہے کہ قریب والوں کی گواہی بہ نسبت دور والوں کے زیادہ وزنی وقوی ہے کیونکہ قریب والے خلوت وجلوت کے احوال پر آگاہ ہوتے ہیں اور وہ اس کے اوصاف حمیدہ یا ذمیمہ اور علمی وعقلی قابلیت یا عدم قابلیت کو خوب جانتے ہیں لہذا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق اہل کوفہ کی گواہی اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ آپ فقہ وتقویٰ میں سب سے افضل وممتاز تھے۔

۱۸- وَذَکَرَ الصَّیْمَرِیُّ بِاِسْنَادِہٖ عَنِ ابْنِ الْمُبَارِکِ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ مَالِکٍ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَرَفَعَہٗ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنْ ھٰذَا؟ ھٰذَا اَبُوْ حَنِیْفَۃَ لَوْ قَالَ ھٰذِہِ الْاُسْطُوَانَۃُ مِنْ ذَھَبٍ لَقَامَ بِحُجَّتِہٖ لَقَدْ وَفَّقَ اللّٰہُ لَہُ الْفِقْہَ۔ مناقب الامام الاعظم ابی حنفیہ جزء اول ص ۳۹ امام صیمری رضی اللہ عنہ نے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا کہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک شخص آئے تو آپ نے اسے بلند مقام پر بٹھایا پھر

جب وہ چلا تو امام مالک نے حاضرین سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے یہ امام ابوحنیفہ تھے۔ ان کی شان ہے کہ اگر وہ اس ستون کو سونا کہہ دیں تو اسے دلائل سے ثابت کردیں بے شک اللہ نے فقہ کو ان کے موافق کیا۔

امام اعظم کے وصال کی خبر سن کر کہا اہل کوفہ سے علم کی روشنی چلی گئی

۱۹- اخبرنا عمر بن ابراھیم قال ثنا مکرم قال ثنا احمد قال ثنا نصر بن علی قال کنا عند شعبۃ فقیل لہ مات ابو حنیفۃ فقال بعد ما استرجع لقد تفی عن اھل الکوفۃ ضوء نور العلم اما انھم لا یرون مثلہ ابدًا۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۷۲ نصر بن علی کا بیان ہے کہ ہم حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے پس اسے خبر دی گئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا تو انہوں نے اناللہ پڑھنے کے بعد کہا اہل کوفہ سے علم کا نور جاتا رہا بے شک وہ اس کی مثل کبھی نہ دیکھیں گے۔

۲۰- ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف المیزان الکبریٰ جز اول کے ص ۶۳ پر رقم طراز ہیں کہ سَمِعْتُ سَیِّدِیْ عَلِیًّا الْخَوَّاصَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَرَّۃً تَقُوْلُ یَجِبُ عَلٰی کُلِّ مُقَلِّدٍ الْاَدَبُ مَعَ اَئِمَّۃِ الْمَذَاھِبِ کُلِّھِمْ وَسَمِعَ مَرَّۃً بَعْضَ شَافِعِیَّۃٍ تَقُوْلُ وَفِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ رَدٌّ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فَقَالَ قَطَعَ اللّٰہُ لِسَانَکَ مِثْلُکَ یَقُوْلُ ھٰذَا اللَّفْظَ اِنَّمَا الْاَدَبُ اَنْ تَقُوْلَ وَلَمْ یَطَّلِعِ الْاِمَامُ عَلٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ وَسَمِعْتُ مَرَّۃً اُخْرٰی یَقُوْلُ مَدَارِکُ الْاِمَامِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ دَقِیْقَۃٌ لَا یَکَادُ یَطَّلِعُ عَلَیْھَا اِلَّا اَھْلُ الْکَشْفِ مِنْ اَکَابِرِ الْاَوْلِیَاءِ قَالَ وَکَانَ الْاِمَامُ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ اِذَا رَاٰی مَاءَ الْمِیْضَاءَۃِ یَعْرِفُ سَائِرَ الذُّنُوْبِ الَّتِیْ خَرَّتْ فِیْہِ مِنْ کَبَائِرَ وَصَغَائِرَ وَمَکْرُوْھَاتٍ۔ الخ۔
میں نے سیدی علی خواص کو ایک بار فرماتے سنا کہ ہر مقلد پر تمام آئمہ مذاہب کے ساتھ ادب واجب ہے آپ نے ایک بار کسی شافعی کو کہتے سنا کہ اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کا رد ہے تو فرمایا: اللہ تیرے جیسے کی زبان کاٹ دے یہ لفظ کہتا ہے۔ فرمایا: ادب

یہ ہے کہ تو کہتا اس حدیث پر امام صاحب نے اطلاع نہ پائی اور میں اسے ایک اور بار کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مدارک باریک ہیں اکابر اولیاء کرام کے سوا اس پر کسی کو اطلاع ممکن نہیں فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جب وضو کا مستعمل پانی دیکھتے تو تمام بڑے چھوٹے گناہ اور مکروہات جو اس میں جھڑتے ہوتے پہچان جاتے۔

مذکورہ عبارت مقلدین کے لیے ایمان افروز و ادب اموز ہے لیکن غیر مقلد کیونکہ تعصب وعناد کے مریض ہیں ان کے لیے یہ تعصب فروغ دل سوز ہے اللہ تعالیٰ اپنے تعصب وعناد کے مرض سے اہل ایمان کو محفوظ رکھے۔

۲۱- صاحب تذکرۃ الحفاظ الحافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد ذہبی امام صاحب کے ذکر میں یوں رطب اللسان ہیں۔ وَكَانَ اِمَامًا وَرِعًا عَالِمًا مُتَعَبِّدًا كَبِيْرًا الشَّانِ لَا يَقْبَلُ جَوَائِزَ السُّلْطَانِ بَلْ يَتَّجِرُ وَيَكْتَسِبُ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام متقی عالم بہت عبادت گزار بلند شان والے تھے سلطان وقت سے کوئی عطیہ ووظیفہ قبول نہ فرماتے بلکہ تجارت ومحنت سے گزر اوقات کرتے۔

۲۲- صاحب مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ امام موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جزء اوّل ص ۱۹۱ پر اپنی سند سے لکھتے ہیں کہ:

امام اعظم سب سے بڑے فقیہ پرہیز گار تھے

احمد بن اسمٰعیل بغدادی نے فرمایا: سَمِعْتُ يَزِيْدَ بْنَ هَارُوْنَ وَسُئِلَ مَتٰى يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّفْتِيَ فَقَالَ اِذَا كَانَ مِثْلَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ يَا اَبَا خَالِدٍ تَقُوْلُ مِثْلَ هٰذَا فَقَالَ نَعَمْ وَاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا مَارَاَيْتُ رَجُلًا اَفْقَهَ مِنْهُ وَلَا اَوْرَعَ مِنْهُ وَ رَاَيْتُهٗ يَوْمًا جَالِسًا فِي الشَّمْسِ بِحِذَاءِ بَابِ اِنْسَانٍ فَقُلْتُ لَهٗ يَا اَبَا حَنِيْفَةَ لَوْ تَحَوَّلْتَ اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ لِيْ عَلٰى صَاحِبِ هٰذِهِ الدَّارِ دَرَاهِمُ لَا اُحِبُّ اَنْ اَجْلِسَ فِيْ ظِلِّ فِنَاءِ دَارِهٖ ۔ میں نے یزید بن ہارون سے سنا جب وہ پوچھے گئے کہ آدمی کو کس مقام پر پہنچ کر فتوی دینا جائز ہے فرمایا جب کوئی امام ابوحنیفہ جیسا ہو پس ان

سے کہا گیا اے ابوخالد آپ اس جیسی بات کرتے ہیں فرمایا میں اس سے زیادہ کہنے میں بھی بجانب حق ہوں میں نے کسی کو بھی ان سے بڑھ کر فقیہ نہ دیکھا اور نہ پرہیز گار ایک روز میں نے آپ کو ایک شخص کے دروازہ کے سامنے دھوپ میں بیٹھے دیکھا تو آپ سے عرض کی اے ابوحنیفہ اگر آپ سایہ میں بیٹھ جائیں تو کیا ہی اچھا ہو فرمایا میرا اس گھر والے پر کچھ درہم قرض ہے۔ اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھوں۔ اسی صفحہ پر آگے ہے کہ میں نے اس لیے اس کے گھر کی دیوار کے سایہ سے فائدہ نہ اٹھایا کہ کہیں یہ سود میں شمار نہ ہو۔ (۲۳)

البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷ پر حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے نماز فجر کو ادا کیا

وَرَوَى الْخَطِيْبُ بِسَنَدِهٖ عَنْ اَسَدِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ وَيَبْكِيْ حَتّٰى يَرْحَمَهٗ جِيْرَانُهٗ وَمَكَثَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يُصَلِّي الصُّبْحَ بِوُضُوْءِ الْعِشَاءِ وَخَتَمَ الْقُرْاٰنَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَرَّةٍ۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ اسد بن عمرو سے روایت کیا کہ بے شک امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات نماز میں گزارتے اور ہر رات پورا قرآن پڑھتے تھے اور خوف خدا سے اس قدر روتے کہ آپ کے ہمسایوں کو سن کر آپ پر رحم آتا اور چالیس برس تک معمول رہا کہ عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کرتے اور جہاں آپ کا وصال ہوا وہاں آپ نے ستر ہزار قرآن ختم کیا۔ اب غرض اختصار کے پیش نظر اسی پر ہی اکتفاء کر رہا ہوں ورنہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تذکرے آئمہ مذاہب کے مقلدین کی لا تعداد کتب میں اس قدر موجود ہیں جنہیں احاطہ قلم میں لانا دشوار ہے بہر حال ہم نے بفضلہ تعالیٰ اپنا مدعٰی بھرپور طریقہ سے بیان کر دیا اور مخالفین کا واضح دلائل سے رد کر دیا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۱ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت کی: قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْھِہٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ فَسَاَلَھُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا) حضرت انس فرماتے ہیں ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا امام کی قرأت کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔ وہابی صاحب مذکورہ حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بلا شبہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت پائی جاتی ہے۔ مگر یہ روایت ناقص ہے مکمل روایت میں سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے۔ جیسا کہ مولانا لکھنوی مرحوم تحریر کرتے ہیں۔ اَخْرَجَہُ اِبْنُ حَبَّانَ عَنْ اَنَسٍ وَ زَادَ فِیْ اٰخِرِہٖ وَلْیَقْرَءْ اَحَدُکُمْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فِیْ نَفْسِہٖ ۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۰۔

الجواب اولاً: اگر ابن حبان کی روایت میں زیادتی طحاوی کی حدیث کا جزء ہوتا تو امام طحاوی اس میں اختصار نہ کرتے کیونکہ اس طرح حدیث کا آخر مستثنٰی بنتا ہے۔ اور مستثنٰی منہ کا ذکر بلا مستثنٰی جائز نہیں لہٰذا امام طحاوی جیسا محتاط شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی واضح دلیل خود آپ کی معانی الآثار ہے جس میں بلا کم وکسل آپ نے تمام مذاہب کے دلائل یکساں پیش کیے ہیں۔ ثانیاً) اگر ابن حبان کی زیادتی اسی حدیث کا حصہ ہوتا تو اور محدثین بھی اسے پورا نقل کرتے یہ تو آپ کے لکھنوی صاحب کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی صرف ابن حبان نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ زادفی آخرہ کے لفظ نہ کہتے۔

امام کے پیچھے قراۃ کرنا خلاف فطرت ہے

جاء الحق سے حدیث نمبر ۲ طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ مَنْ قَرَءَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَیْسَ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں غیر مقلد کا اس پر اعتراض۔ اس کی سند میں مختار بن عبد اللہ بن ابی لیلیٰ ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ۔ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ منکر الحدیث۔ المیزان) یعنی امام

ابوحاتم نے کہا کہ مختار کے والد کے ترجمہ میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ عَلِیٍّ لَا یُعْرَفُ وَالْخَبَرُ مُنْکَرٌ رَوٰی عَنْہُ اِبْنُہُ الْمُخْتَارُ۔ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے اس سے اس کا بیٹا مختار روایت کرتا ہے۔ علامہ ذہبی کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ مختار کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں بلکہ وہ اپنے باپ کی وساطت سے روایت کرتا ہے لیکن طحاوی کی سند میں مختار ہے جو کہ اس کے انقطاع کی واضح دلیل ہونے کی علاوہ مختار کے کذب کا بھی واضح ثبوت ہے۔ نام نہاد دین الحق ۳۰۷۔

الجواب اولاً: اگر وہابی صاحب کو مختار کی عدالت پر اعتراض ہے تو ہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہی ارشاد دوسری سند سے دکھا دیتے ہیں جس میں مختار موجود نہیں ملاحظہ ہو: عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ حَسَنِ بْنِ عَبَادَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَھَانِیْ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ مَنْ قَرَءَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَاَ الْفِطْرَۃَ مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳۷۔ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ سے ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے امام کے پیچھے تلاوت کی وہ دین فطرت پر نہیں واضح رہے کہ محدث عبد الرزاق امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں۔

ثانیاً: الحافظ ابن حجر نے مختار کے باپ عبد اللہ بن ابی لیلیٰ کا ذکر تقریب التہذیب کے صفحہ ۱۷۶ پر کیا مگر اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

ثالثاً: یہ ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں جو قرأت خلف امام کے سخت مخالف تھے چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

دس صحابہ رضوان اللہ علیہم امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے

فَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ عَشَرَۃٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ اَشَدَّ النَّھْیِ اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ وَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانُ بْنُ الْعَفَّانَ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ سَعْدُ

بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ۔ فتح القدیر ج ا ص ۲۳۸

عبداللہ بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے باپ زید سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے دس حضرات امام کے پیچھے قرأت کو سختی سے منع کرتے تھے یعنی جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ کرو ارشاد نبوی

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۳ دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی: اِنَّہٗ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ اَوْ اَنْصِتُ قَالَ بَلْ اَنْصِتْ فَاِنَّہٗ یَکْفِیْکَ۔ ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہ امام تیرے لیے کافی ہے۔ اس پر وہابی صاحب کے اعتراض ملاحظہ ہو۔

اوّلاً: اس کے نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں حارث منفرد ہے اور یہ کذاب ہے اسے امام شافعی امام ابن معین اور امام ابراہیم نخعی نے کذاب قرار دیا ہے۔

ثانیاً: حارث اعور غالی شیعہ تھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کذبہ شعبی فی روایتہ ورمی بالرفض ۔ اور مفتی صاحب شیعہ کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: اس کی سند میں محمد بن سالم ہے اسے امام ابوحاتم نے اور ابن حبان نے شبیہ المتروک کہا ہے اور امام دار قطنی نے اسے متروک الحدیث بتایا ہے۔

رابعاً: اس کی سند میں قیس بن ربیع ہے جو کہ ضعیف ہونے کے علاوہ مخلط بھی ہے۔

خامساً: اس کی سند میں غسان بن ربیع ہے جو ضعیف ہے اور وہ قیس سے اس حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ ۲ منہاد دین الحق ص ۳۰۲

الجواب اوّلاً: میزان الاعتدال میں ہے کہ شعبی نے حارث اعور کو جھوٹا کہا ہے لیکن

پھر اس سے حدیث بھی روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبی کے نزدیک ثابت ہو گیا تھا کہ حارث نے اس حدیث میں جھوٹ نہیں بولا ورنہ انہیں اس سے روایت کرنا جائز نہیں تھا جب کہ امام شعبی فقیہ محدث ہیں۔

ثانیاً: اسی حدیث کے دوسرے راوی محمد بن سالم کو وہابی صاحب نے جس تہذیب التہذیب کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۷۷ کے حوالہ سے متروک الحدیث لکھا ہے اسی جگہ پر اسی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وَقَالَ الطبرانی فی معجمہ الصغیر تَفَرَّدَ بِہٖ مُحَمَّدُ بْنُ سَالِمٍ عَنْ ثَابِتٍ قُلْتُ وَ ذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ ۔ یعنی طبرانی نے معجم صغیر میں کہا محمد بن سالم نے اسے ثابت سے روایت کرنے میں تفرد کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ محمد بن سالم کا تفرد ان کی روایت قبول کرنے میں معتر نہیں کیونکہ وہ ثقہ ہیں اور ثقہ کا تفرد قبول ہوتا ہے۔

جسے کثیر محدثین نے ثقہ کہا وہابی نے اسے ضعیف کہہ دیا

ثالثاً: وہابی جی کا قیس بن ربیع کو ضعیف کہنا غلط ہے ثبوت لیجیے۔

عَنْ شُعْبَۃَ سَمِعْتُ اَبَا حُصَیْنٍ یُثْنِیْ عَلٰی قَیْسِ بْنِ الرَّبِیْعِ قَالَ وَ قَالَ لَنَا شُعْبَۃُ اَدْرِکُوْا قَیْسًا قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ وَقَالَ عَفَّانُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ لِیْ شُعْبَۃُ اَلَا تَرٰی اِلٰی یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ یَقَعُ فِیْ قَیْسِ بْنِ الرَّبِیْعِ لَا وَاللّٰہِ مَا اِلٰی ذٰلِکَ سَبِیْلٌ وَقَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ اَبِیْہِ سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ سَعِیْدٍ یَنْقُصُ قَیْسًا عِنْدَ شُعْبَۃَ فَزَجَرَہٗ وَنَھَاہُ وَقَالَ عَفَّانُ وَ قُلْتُ لِیَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ ھَلْ سَمِعْتَ سُفْیَانَ یَقُوْلُ فِیْہِ یَغْلُطُہٗ اَوْ یَتَکَلَّمُ فِیْہِ بِشَیْءٍ قَالَ لَا وَلِیَحْیَی اَتَتَّھِمُہٗ بِکَذِبٍ قَالَ لَا قَالَ عَفَّانُ فَجَاءَ فِیْہِ بِحُجَّۃٍ قَالَ حَاتِمُ بْنُ اللَّیْثِ الْجَوْھَرِیُّ عَنْ عَفَّانَ بْنِ قَیْسٍ ثِقَۃٌ وَ ثَقَّۃُ الثَّوْرِیُّ وَ شُعْبَۃُ وَعَنْ اَبِی الْوَلِیْدِ کَانَ قَیْسٌ ثِقَۃً وَحَسَنُ الْحَدِیْثِ۔

تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۹۲ شعبہ سے ہے کہ میں نے ابوحصین کو قیس بن ربیع

کی خوبیاں بیان کرتے سنا کہا کہ ہمیں شعبہ نے کہا قیس سے اس کے فوت ہونے سے پہلے فائدہ حاصل کرلو اور عفان نے معاذ بن معاذ سے بیان کیا کہ مجھے شعبہ نے کہا کیا تو نے یحییٰ بن سعید کو نہ دیکھا کہ وہ قیس بن ربیع میں واقع ہوا اللہ کی قسم اس اعتراض کی طرف کوئی راہ نہیں اور عبید اللہ بن معاذ نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو شعبہ کے پاس قیس کی تنقیص کرتے سنا تو شعبہ نے اسے جھڑک دیا اور اسے اس سے منع کیا اور عفان [illegible] کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ کیا تم نے سفیان کو اس کی کوئی غلطی بتاتے [illegible] میں جرح کرتے سنا اس نے کہا نہیں اور میں نے یحییٰ سے پوچھا آپ نے اسے متہم بالکذب کیا ہے اس نے کہا نہیں عفان نے کہا پس آیا وہ اس میں حجت کے ساتھ اور [illegible]تم بن لیث الجوہری نے عفان بن قیس سے بیان کیا کہ قیس ثقہ ہے اور امام ثوری و شعبہ نے بھی اسے ثقہ کہا ہے اور ابو ولید سے ہے کہ قیس ثقہ اور حدیث بیان کرنے میں خوب تھے۔

رابعاً: رہا غیر مقلد کا غسان بن ربیع کو ضعیف کہنا تو اس کے متعلق الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو سنئے کیا فرماتے ہیں: غسان بن الربیع الازدی الموصلی سَمِعَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ ثَابِتِ بْنِ ثَوْبَانَ وَاللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ وَعَنْهُ اَحْمَدُ وَيَحْيٰى وَاَبُو الْيَعْلٰى وَ خَلْقٌ وَكَانَ صَالِحًا وَرِعًا لَيْسَ بَأْسٌ بِحُجَّةٍ فِي الْحَدِيْثِ قَالَ دَارْ قُطْنِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ مَرَّةً صَالِحًا۔ لسان المیزان ج ۴ ص ۴۱۸

یعنی غسان بن ربیع ازدی موصلی نے عبد الرحمٰن بن ثابت بن ثوبان اور لیث بن سعد سے حدیث کی سماعت کی اور اس سے امام احمد اور یحییٰ اور ابویعلیٰ اور خلق کثیر نے (احادیث) روایت کی اور غسان صالح متقی تھے ان کی حدیث میں کوئی اعتراض نہیں اور دار قطنی نے انہیں کبھی ضعیف اور کبھی صالح غیر ضعیف کہا۔ غور کریں کہ حضرت غسان بن ربیع سے بڑے بڑے محدثین احادیث روایت کر رہے ہیں اور حافظ ابن حجر ان کی مدح کر رہے ہیں اور دار قطنی کے ان کے بارے دو قول متضاد ہیں تو دریں صورت ان کا ضعیف کہنا قابل اعتماد نہ رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ضعیف کہا جائے اور ان کی روایت

کو قابل حجت نا جانا جائے؟ مگر افسوس کہ وہابی صاحب اپنے مذہب کے خلاف روایتوں کے راویوں کے خواہ مخواہ عیب و نقص بیان کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۴ ملاحظہ ہو۔

امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں

دار قطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ۔ حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض اس کی سند میں محمد بن سالم ضعیف راوی ہیں۔ تام نہاد دین الحق ۳۰۳

الجواب: ابھی پچھلی حدیث کی بحث میں ہم ابن حجر اور ابن حبان کے حوالہ سے محمد بن سالم کی ثقاہت ثابت کر چکے ہیں۔ لہذا یہاں اسے دھرانا لا حاصل ہے۔ غیر مقلد کا اس پر دوسرا اعتراض اسی صفحہ پر ہے کہ مروایت مرسل ہے جو کہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔

الجواب اولاً: امام شعبی رضی اللہ عنہ کی اس مرسل روایت کو حافظ دار قطنی نے صحیح کہا۔ سنن دار قطنی ج ا ص ۳۳۰

ثانیاً: علامہ ذہبی لکھتے ہیں: قَالَ اَحْمَدُ الْعِجْلِیْ مُرْسَلُ الشَّعْبِیِّ صَحِیْحٌ لَا یَکَادُ یُرْسِلُ اِلَّا صَحِیْحًا۔ تذکرہ الحفاظ جز اول ص ۷۵ امام احمد العجلی نے کہا کہ شعبی کی مرسل روایت صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح کو ہی مرسل بیان کرتے تھے۔ ثالثاً علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: وَقَالَ اٰجری عَنْ اَبِیْ دَاؤدَ مُرْسَلُ الشَّعْبِیِّ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ مرسل نخعی۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۸ نے آجری نے ابوداؤد سے بیان کیا کہ اس نے فرمایا کہ شعبی کی مرسل مجھے نخعی کی مرسل سے بھی زیادہ پسند ہے۔

رابعاً: احناف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل قبول ہے بشرطیکہ تابعی کی عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے مرسل روایت کرتا ہو تو امام شعبی کبار تابعین میں سے عظیم محدث فقیہ تھے اور لکھا گیا کہ وہ صرف صحیح حدیث کو ہی مرسل بیان کرتے تھے امام شافعی کے

یہاں مرسل مقبول ہونے کے لیے شرط ہے کہ کوئی دوسری مرسل یا دوسرے طریق سے بیان کی گئی مسند اس مرسل کی تائید کرے نخبۃ الفکر-۶۳

خامسا: جمہور محدثین ایسی مرسل کو ضعیف نہیں کہتے جس میں ہماری بحث ہے کیونکہ ان کے نزدیک جب تابعی ثقات سے ہی مرسل بیان کرتا ہو تو توقف ہے وہ اس پر صحت وضعف کا حکم نہیں دیتے۔ اب ہمارے بیان سے زیر بحث روایت پر غیر مقلد کے اعتراضوں کا بفضلہ تعالیٰ شافی جواب ہوا ہے مگر ضد کا کوئی علاج نہیں جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۵ انہتی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ صَلٰوۃٍ لَا یُقْرَءُ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ اِلَّا صَلٰوۃً خَلْفَ الْاِمَامِ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سواء اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن اسحاق ہے جسے امام احمد منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام یحیٰی بن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ تام نہاد دین الحق ص ۳۰۳

الجواب اولاً: عبد الرحمٰن بن اسحاق نام وولدیت کے دو شخص ہیں اور دونوں احادیث بیان کرتے ہیں ایک عبد الرحمٰن بن اسحاق بن الحارث الواسطی ابوشعبہ کوفی ہیں۔ دوسرے عبد الرحمٰن بن اسحاق بن عبد اللہ بن الحارث بن کنانہ المدنی ہیں۔ تقریب التہذیب ص ۱۹۸ جب کہ آپ نے جو امام احمد و یحیٰی بن معین کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی وضاحت نہیں کہ وہ کسی عبد الرحمٰن بن اسحاق پر جرح ہے۔

ثانیاً: اگر آپ کو عبد الرحمٰن بن اسحاق پر اعتراض ہے تو ہم تمہیں یہی حدیث اس سند سے دکھا دیتے ہیں جس میں عبد الرحمٰن بن اسحاق نہیں ملاحظہ ہو۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ النیساپوری ثنا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ ثنا یَحْیَی بْنُ سَلَامٍ ثنا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ ثنا وَھْبُ بْنُ کَیْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ

صَلٰوۃٍ لَا یُقْرَءُ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ۔ دار قطنی جز اول ص ۳۲۷ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

ثالثاً: غیر مقلد کا یہ اعتراض کہ زیر بحث روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ الجواب: اگر آپ کے بقول حضرت ابوہریرہ کا عمل زیر بحث روایت کے خلاف ہونا اس کے ضعف کا سبب ہے تو امام مسلم نے ابوہریرہ سے ہی مرفوع حدیث اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ۔ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ کو نقل کرنے کے بعد صحیح کہا ہے کیا امام مسلم کو معلوم نہیں تھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ زیر بحث روایت پر غیر مقلد کا دوسرا اعتراض حدیث میں اِلَّا صَلٰوۃً خَلْفَ الْاِمَامِ۔ کے الفاظ مدرج ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۴ الجواب۔ جی ہاں اس لیے مندرج ہیں کہ یہ الفاظ وہابی مذہب کے خلاف ہیں۔

ثانیاً: اگر اس کے آخر الفاظ تمہارے نزدیک مندرج ہیں تو جس مرفوع حدیث کا ابھی ذکر ہوا ہے کہ امام مسلم نے اسے صحیح کہا ہے اس کو ہی مان لو جب کہ قوم وہابیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ جو مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اس پر عمل واجب ہے تو پھر اس صحیح مرفوع حدیث کا کیا قصور ہے۔

جو امام کے پیچھے قرأت کرے کاش کہ اس کے منہ میں پتھر ہو

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ امام محمد نے اپنی موطا اور عبد الرزاق نے مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: قَالَ لَیْتَ فِیْ فَمِ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ حَجَرٌ۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والا ابن عجلان ہے اور ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں حافظ ابن حجر نے انہیں پانچویں طبقہ کے راویوں میں شمار کیا ہے اور انہوں نے مقدمہ تقریب میں خود

صراحت کی ہے کہ یہ وہ طبقہ ہے جس کی ایک دو صحابہ سے ملاقات ثابت ہو۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۷

الجواب: جب آپ کو اقرار ہے کہ اس طبقہ کی صحابہ کرام سے ملاقات خارج از امکان نہیں بلکہ اس طبقہ میں شمول کی شرط ہے کہ ان کی صحابہ سے ملاقات ثابت ہو خواہ ایک دو سے ہی ہو پھر آپ محمد بن عجلان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی نفی کسی دلیل سے کرتے ہیں بلا دلیل محض ظن پر تو وہابی جی کی بات کوئی نہیں سنے گا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

ابن عجلان مدلس ہے۔ ابن حبان نے اسے مدلس کہا ہے۔ الجواب: محمد بن عجلان ثقہ ہیں امام احمد و یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے اور حافظ ذہبی نے الکاشف میں اسے الفقیہ الصالح لکھا ہے۔ التعلیق الممجد علیٰ موطا امام محمد ص ۱۰۲

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

پہلے صحیح سند کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق سری اور جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے لہٰذا اس کے مقابلہ میں اس منقطع اثر کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۰۷

الجواب ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دس کبار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ہیں جو امام کے پیچھے قرأت کو سختی سے منع فرماتے تھے۔ مولانا حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴ کے تحت لکھتے ہیں۔ امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود زید بن ثابت عبد اللہ بن عمر ابن عباس جابر بن عبد اللہ حضرت علقمہ حضرت علی مرتضیٰ حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کی ہیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے۔ اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام

روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قرأت خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف موطا امام محمد صحیح البہاری اور ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

وہابی صاحب نے اس کے جواب میں چند سطور لکھی ہیں جو کہ جھوٹ و غلط بیانی پر مبنی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: قارئین کرام آپ نے پوری بحث کو پڑھ لیا ہے مفتی صاحب نے کل چھ احادیث پیش کی ہیں جن میں پانچ ضعیف ہیں اور ایک میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی صراحت ہے اور آثار کی حقیقت بھی آپ دیکھ ہی لی ہے رہاں فلاں فلاں کتب کا مطالعہ کرنے کا مشورہ تو سنئے مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم حنفی لکھتے ہیں کہ: اِنَّہٗ لَمْ یَرِدْ حَدِیْثٌ مَرْفُوْعٌ صَحِیْحٌ المنھی عَنْ قِرَأَۃِ الْفَاتِحَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ و کل ما ذکروہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح (التعلیق الممجد) کسی صحیح مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام سے منع نہیں کیا گیا اور جو اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں یا تو وہ بے اصل ہیں (موضوع) یا وہ صحیح نہیں ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۱۰

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت خلف کے منع پر پیش کردہ چوبیس حدیثوں کو کل چھ حدیثیں ماننا وہابی جی کی جہالت ہے کیونکہ محدثین نے اسناد مختلف ہونے پر ایک حدیث کو متعدد بار ذکر کیا مثال کے طور پر مسلم شریف کو دیکھ لیں کہ امام مسلم ایک حدیث کو ذکر کے بعد فرماتے جاتے ہیں رواہ مثلہ۔ مثلھما مثلھم یا رواہ مثل حدیثہ وغیرہ نیز اگر اسناد متعدد ہونے سے روایت متعدد نہ ہو تو پھر متابع اور شاید تصور ہی نہ ہو۔ ثانیاً: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال مبارکہ پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کا اطلاق کیا جب کہ وہابی صاحب نے ان کو حدیث میں شامل نہیں کیا ان پر اثر کا اطلاق کیا حالانکہ کتب اصول حدیث میں صراحت ہے کہ جب صحابی اسرائیلیوں سے روایت نہ کی ہو اور اس میں اس کے قیاس کو دخل نہ ہو تو صحابی کا قول بھی حکماً مرفوع حدیث ہے مگر وہابی جی جہالت کی وجہ سے اقوال صحابہ پر حدیث کا

اطلاق نہیں کرتے۔

غیر مقلد کے جھوٹ وخیانت کی نشان دہی

ثالثاً: وہابی جی نے جھوٹ وخیانت کی حد کر دی کہ عبد الحیٔ صاحب جس عبارت کے ناقل ہیں اور نقل بھی اس کو اعتراض وانکار کے طور پر کر رہے ہیں۔ وہابی جی نے اس کا پہلا حصہ فیہ نظر کو چھوڑ دیا اس کے بعد کو اس نے اس کی اپنی عبارت اور موقف قرار دے دیا۔ حالانکہ پوری عبارت یوں ہے۔ وَفِيْهِ نَظَرٌ وَهُوَ اَنَّهُ لَمْ يَرِدْ فِيْهِ حَدِيْثٌ مَرْفُوْعٌ صَحِيْحٌ اَلْمُنْهِيْ عَنْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَكُلُّ مَا ذَكَرُوْهُ مَرْفُوْعًا فِيْهِ اِمَّا لَا اَصْلَ لَهُ وَاِمَّا لَا يَصِحُّ۔ اور اس میں نظر ہے اس کہنے میں کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح حدیث نہ آئی جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو منع کرے اور ہر وہ جو انہوں نے اس میں مرفوع ذکر کی یا تو اس کی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں۔ اب وہابی صاحب نے ان الفاظ (فیہ نظر) کو چھوڑ دیا جو وضاحت کرتے ہیں کہ مذکورہ عبارت عبد الحیٔ صاحب کا موقف نہیں بلکہ ان کا اس پر اعتراض ہے جو کہا گیا کہ اس میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں آئی اب مقام غور ہے کہ ان وہابیوں پر کیسے اعتماد ہو جو اپنے مذہب ومعمول کی خاطر مسئلہ کا حلیہ ہی بگاڑ دیں۔

امام کے پیچھے منع قرأت کی حدیث کی صحت پر عبد الحیٔ صاحب کی گواہی

رابعاً: عبد الحیٔ صاحب نے امام کے پیچھے قراءت کے منع پر کئی احادیث کی صحت بیان کی ہے مثلاً حضرت جابر رضی اللہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ موطا محمد ص ۹۸ کے تحت عبد الحیٔ لکھتے ہیں:

وَمِنْهُمْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَلِحَدِيْثِهِ طُرُقٌ مِنْهَا طَرِيْقُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُوْسٰى بْنِ اَبِيْ عَائِشَةَ عَنْ اِبْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ اَحْسَنُ طُرُقِهِ حَكَمَ عَلَيْهِ اِبْنُ الْهُمَامِ بِاَنَّهُ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَقَالَ هُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ اِمَّا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ

مُوْسٰى ابْنُ اَبِيْ عَائِشَةَ الْكُوْفِيُّ مِنَ الثِّقَاتِ الثِّبَاتِ مِنْ رِجَالِ الصَّحِيْحَيْنِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ مِنْ كِبَارِ الشَّامِيِّيْنَ وَثِقَاتِهِمْ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔ انتہی۔ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد ص ۹۸۔

یعنی جنہوں نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر حدیثیں بیان کیں ان میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں اور اس کی حدیث کے کئی طرق ہیں اس میں سے ایک سند میں امام محمد امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے وہ ابن شداد سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور یہ اس حدیث کے تمام طرق سے بہت خوب ہے اس کے بارے امام ابن ہمام نے فرمایا کہ سند اس کی شیخین کی شرط پر صحیح اور کہا یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کی سند میں ابوحنیفہ ہیں تو ابوحنیفہ کا کیا کہنا اور موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی ہیں جو کہ ثقات وثبات سے ہیں صحیحین کے رجال سے اور عبد اللہ بن شداد کبار شامیوں سے ان کے ثقات سے ہیں البتہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اب تو پتہ چلا کہ غیر مقلد کے اس کہنے میں کچھ حقیقت نہیں کہ عبد الحیٔ صاحب کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر کوئی مرفوع حدیث نہیں آئی جس کی کوئی اصل ہو۔ احادیث مبارکہ کے بعد مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے تلاوت کے عدم جواز پر عقلی دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

امام کے پیچھے منع قرأت پر عقلی دلائل

نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ

فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۂ فاتحہ میں امام کی قرأت کافی ہے ایسے ہی سورۂ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

۲۔ جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے اُسے رکعت مل جاتی ہے اگر مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جائے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۂ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی معلوم ہوا کہ امام کی قرأت اُس کے لیے کافی ہے جب اس مقتدی کے لیے قرأۃ ساقط ہو گئی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔

۳۔ اگر مقتدی پر قرأت فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

۴۔ اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جائے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل قیاس سے جواب نہ دینا۔
مشرق مغرب کے علماء اہلحدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات کے جواب تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑ دیں اور احناف کی طرح حکم قرآن' حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کریں۔

۵۔ شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجا لاتے ہیں مگر عرض معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گا وہی کرے گا ایسے ہی نماز با جماعت رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہیں تو تکبیر تسبیح تشہد وغیرہ سب

پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں مگر تلاوت قرآن جو عرض' معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

عقلی دلائل کا جواب دینے سے وہابی کا فرار

واضح رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان جامع و مانع اور تحقیقی عقلی دلائل کا وہابی جی نے کوئی جواب نہیں دیا جو اس کے فرار و شکست کا واضح ثبوت ہے نیز اگر وہابی جی کے پاس ان دلائل کا کچھ حل و جواب ہوتا تو ضرور سامنے لاتا کیونکہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری دنیا وہابیت کو جواب دینے پر کھلا چیلنج دیا اس کے باوجود طائفہ وہابیہ سے اس کا کچھ جواب نہ بن آنا ان کی مذہبی کمزوری و بے بسی کی دلیل ہے۔
خیر ان حضرات کی کچھ مجبوریاں ہم بھی سمجھتے ہیں جو کہ جوابات کے لیے مانع ہیں۔

اول یہ کہ جواب دینے میں وہابی بھرم کے بے نقاب ہونے کا خوف تھا۔

دوم یہ کہ وہابی مذہب میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک مسئلہ کو ثابت کرنے سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفین سے اپنی فقاہیت و فراست کا سکہ منوانے کو انہیں تضاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوالات کیے ہیں کہ جن کے جواب غیر مقلدوں کے لیے آگے آگ اور پیچھے دیوار کی مثل ہیں۔

سوم مفتی صاحب نے صریح حدیث دیکھا کے جواب دینے کا مطالبہ کر کے انہیں ایسی دل دل میں پھنسا دیا۔ جس سے نکلنا ان کے لیے ناممکن تھا کیونکہ ان مذہبی یتیموں کے پاس کوئی صریح حدیث ہوتی تو تب ہی اس کا جواب دیتے تو ان وجوہات و مشکلات کے پیش نظر وہابی صاحب نے مفتی صاحب کے مذکورہ عقلی دلائل کا ذکر نہ کرنے میں ہی عافیت و بھلائی جانی کہ کہیں قوم کے سامنے رسوائی نہ ہو۔

اب جاء الحق سے فصل دوم اس مسئلہ پر سوالات و جوابات کے متعلق ملاحظہ ہو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ پر غیر مقلدین جس قدر اعتراضات کر سکتے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک کو نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس طریقے سے ان کے سوالات ہم نقل کر رہے ہیں انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ

کرسکیں گے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر۱: آیہ کریمہ۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا لہٰذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے سورۂ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرأت قرآن کا ذکر ہے لہٰذا یہ حکم سب کو شامل ہے کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں تو امام کے پیچھے جب کہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ کے لیے تو خاموشی ضروری کہتے ہیں اور امام کے پیچھے نہیں۔

واضح رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ مثبت و مسکت جواب پر وہابی کی طرف سے کوئی نقص اعتراض وارد نہیں ہوا بلکہ یہاں بھی خاموشی میں ہی مصلحت و بھلائی دیکھی ہے نیز اس مجبوری کا بھی ان بے چاروں کو سامنا ہے جو مفتی صاحب نے فرمایا کہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ جمعہ مدینہ منورہ میں شروع ہوا جب خطبہ جمعہ کا وجود ہی نہ تھا اس کے متعلقہ احکام پہلے کیسے آ گئے اب اس کا ان کے پاس کوئی توڑ و جواب ممکن نہیں تھا۔ دوم یہ فرما کر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذہبی یتیموں کو عاجز و بے بس کر دیا کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جب سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی؟ اب اس کا وہابی بے چارا کیا جواب دیتا تو مجبوراً خاموشی ہی بہتر جانی۔

اعتراض نمبر۲: آیت۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور

کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً۔ یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔ دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ اور جو بھی انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا (وَاَنْصِتُوْا) خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورۂ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرض یہ کہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لیے نمازیوں کو امام کے پیچھے قرأت سے روکنے کے لیے نازل ہوئی۔

آیت: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا شان نزول

چنانچہ بیہقی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے:

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِى الصَّلٰوةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ فَتًى مِّنَ الْاَنْصَارِ فَنَزَلَ۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ الخ بیہقی۔ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نماز میں قرأت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرأت سنی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ بن قرہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ قَالَ اِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ (الخ) فِی الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ۔ اِذَا قَرَءَ الْاِمَامُ فَاسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ۔ (بخاری) آیت وَاِذَا قُرِئَ۔ الخ۔ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہٰذا جب امام قرأت کرے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراضات لکھتے ہیں۔ اب آیئے مفتی صاحب کے ان جوابات کی طرف جو انہوں نے دفاعی پوزیشن میں دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: انصات کا یہ معنی ہے کہ خاموش رہنا کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو۔ الجواب انصات کا معنی محض خاموش رہنا نہیں ہے بلکہ سکوت مع الاستماع ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۶

وہابیوں کی عادت ہے کہ ضد نہیں چھوڑتے

الجواب اوّلاً: فرقہ وہابیہ کی عادت قدیمہ ہے کہ ضد نہیں چھوڑتے مخالفت میں کچھ نہ کچھ کہتے ضرور ہیں خواہ کہ وہ ان کے اپنے ہی مذہب کے خلاف ہو یہی دیکھ لیں کہ ابھی پیچھے یہ صاحب یہ ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا کہ اگر امام کے پیچھے بلند آواز سے قرأت نہ کی جائے بلکہ آہستہ کی جائے تو آیہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے خلاف نہیں۔ اب چونکہ مفتی صاحب کی مخالفت کرنا اس پر خود ساختہ مذہبی فرض تھا اس لیے کہہ دیا کہ انصات کا معنی خاموش رہنا نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع ہے یعنی خاموش اور کان لگا کر سننے دونوں کو لازم کرتا ہے۔ اب وہابیوں کو چاہیے کہ اپنے گھر کے مفتی کی مان کر امام کے پیچھے قرأت نہ کریں بلکہ امام کی قرأت کان لگا کر سنیں۔

ثانیاً: موقعہ محل کے مطابق انصات کا جو معنی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے وہی درست ہے کیونکہ آیہ مبارکہ میں ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ

وَاَنْصِتُوْا۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اگر بقول وہابی محض اَنْصِتُوْا کا معنی کیا جائے کہ خاموش رہے کر کان لگا کر سنو تو پھر فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ کا کیا معنی ہوا؟ کیا یہ معاذ اللہ بے معنی ہے۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض۔ مفتی صاحب نے بیہقی شریف اور تفسیر ابن مردویہ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا نزول مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کے بارے ہے۔ وہابی کا اعتراض ہے کہ بیہقی کی روایت کی سند میں قاضی عبد الرحمٰن بن حسن ضعیف ہے نیز قاضی عبد الرحمٰن بن حسن نے یہ روایت امام ابراہیم بن حسین کے واسطہ سے کی ہے حالانکہ عبد الرحمٰن ۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور امام ابراہیم نے اس سے قبل درس تفسیر دینا ہی ترک کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے اسے منقطع قرار دیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۷۔

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب راوی عبد الرحمٰن کے باپ کا نام حسن غلط بتا رہے ہیں بیہقی میں اس کے باپ کا نام حسین آیا ہے اور اس کے استاد ابراہیم کا نام وہابی صاحب حسین بتا رہے ہیں جب کہ اسے میزان کے حوالہ سے جس عبد الرحمٰن کے ضعف کا دعوی کیا ہے اس کے استاد کے باپ کا نام ہے۔ میزان ج ۴ ص ۵۵۶۔ اب پہلے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے رد میں فرمایا ہے آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ محض خطبہ جمعہ کے بارے نہیں اور اس کے نزول کا تعلق کفار مکہ سے بھی نہیں وہابی کو چاہیے تھا کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرتا کہ مذکورہ آیت کا شان نزول خطبہ جمعہ کے متعلق ہے یا کفار مکہ کے بارے ہے اور اس کی مراد مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کرنا نہیں۔

ثالثاً: تفسیر ابن مردویہ کے علاوہ بھی اس باب کے شروع میں تفاسیر کے حوالوں سے مفتی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ زیر بحث آیت کا تعلق مقتدی کے بارے میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور امام کی قرأت کان لگا کر سنے اب وہابی صاحب کا ذمہ ہے کہ حدیث صحیح بیان کرے کیا پھر یہ سب مفسرین غلطی پر ہیں۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

روایت کے الفاظ ہیں کہ انصاری سے سنا حالانکہ مفتی صاحب بھی اقراری ہیں کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لہٰذا انصاری سے مکہ میں کیسے سنا۔

الجواب: فقیر پوچھتا ہے وہابی جی آپ بتائیں کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے قبل انصار کا مکہ میں جا کر ایمان لانا ثابت نہیں؟ اگر ثابت ہے اور ضرور ثابت ہے تو پھر وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی حقیقت ہو سکتا ہے لیکن وہابی صاحب بلا دلیل قیاس آرائیاں کر رہا ہے۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض

فَسَمِعَ قِرَاءَۃَ کے الفاظ اس بات کا قرینہ قوی ہیں کہ اس جوان نے بلند آواز سے قرأت کی تھی اور یہ ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۷۔ الجواب لگتا ہے کہ وہابی جی کی عقل میں ہمارا موقف نہیں آیا وہابی صاحب ہمارا موقف ہے کہ انصاری جوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنا آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے نزول کا سبب ہے اور جو کسی آیت کے اترنے کا سبب ہو اس آیت میں حکم سبب سے مختلف نہیں ہوتا اگر مراد لی جائے کہ اللہ نے مقتدی کو امام کے پیچھے جہری قرأت سے منع کیا ہے تو یہ مذکورہ آیہ مبارکہ کے خلاف ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اَنْصِتُوْا فرما کر خاموشی کا حکم دیا ہے۔ پیچھے جاء الحق سے گزرا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے شان نزول پر بیہقی کے ساتھ تفسیر ابن مردویہ سے بھی حوالہ دیا تھا۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض

اس کی سند میں ابومقدام ہشام بن زیاد ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں یَرْوِی الْمَوْضُوْعَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ لَا یَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِہٖ۔ ثقات سے موضوع (من گھڑت) روایات کرتا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں۔ حافظ ابن حجر اور امام نسائی بھی

سے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں امام احمد کا فیصلہ ہے کہ زبردست ضعیف ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۸ الجواب اولاً۔ اس روایت کے راوی کے ضعف سے ہمارا موقف کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا نزول مقتدی کے امام کے پیچھے قرأت سے منع کے بارے ہے ضعیف نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے تفسیر ابن کثیر میں متعدد تابعین کے اقوال منقول ہیں۔ جن میں آیا کہ

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کا حکم ہے

(وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ) امام کے پیچھے مقتدی کے حکم میں اتری ملاحظہ ہو (فَقَالَا اِنَّمَا ذٰلِكَ فِی الصَّلٰوۃِ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا) وَكَذَا قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِیُّ عَنْ اَبِیْ هَاشِمٍ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ كَثِیْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ فِیْ قَوْلِہٖ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا) قَالَ فِی الصَّلٰوۃِ۔ وَكَذَا رَوَاہُ غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ زیر تفسیر وَاِذَا قُرِئَ۔ یعنی عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت نماز کے بارے اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ اسی طرح سفیان ثوری کی سند سے حضرت مجاہد سے ہے کہ آیت اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو نماز کے متعلق اتری اور ایسے ہی یہ ایک زیادہ اسناد کے ساتھ حضرت مجاہد سے منقول ہے۔ غیر مقلد کو حضرت مجاہد کی ایک سند پر اعتراض تھا اس سے معلوم ہوا کہ یہی روایت حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے کئی اسناد سے آئی ہے اور حضرت امام سفیان ثوری کی سند بہترین ہے۔ بلکہ یہی روایت مجاہد کے علاوہ امام بخاری کے شیخ امام زہری سے بھی ہے چنانچہ تفسیر درالمنثور میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے تحت ہے۔ (وَاَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَۃُ فِیْ فَتًی مِّنَ الْاَنْصَارِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا قَرَءَ شَیْئًا قَرَءَہٗ فَنَزَلَتْ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا) امام زہری سے ہے کہ یہ آیت ایک انصاری جوان کے بارے اتری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کچھ قرأت

کرتے تو پیچھے وہ بھی وہی پڑھتے تب آیت اتری کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً زیر بحث آیت کا شان نزول یہی بیان ہوا کہ امام کے پیچھے نماز کے حکم میں ہے۔ چنانچہ تفسیر درالمنثور میں ہی ہے کہ (اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَاَبُو الشَّیْخِ وَابْنُ مَرْدَوِیَۃَ وَابْنُ عساکر عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْ قَوْلِهٖ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا) قَالَ نَزَلَتْ فِیْ رَفْعِ الْاَصْوَاتِ وَهُمْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّلٰوۃِ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیت اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو کے متعلق مروی ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ کے پیچھے نماز میں بلند آوازیں کیں۔ یہ آیت اتری غیر مقلد صاحب آیت کے شان نزول کے بارے لکھتے ہیں کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا شان نزول قراءۃ خلف الامام نہیں بلکہ اس کے مخاطب کفار ہیں قرآن پاک کا سیاق وسباق اس کی تائید کرتا ہے اور اسی کو امام رازی قول مناسب اور حسن کہا ہے محدث مبارکپوری نے ان کی عبارت کا ترجمہ اور توضیح وتشریح ذکر کردی ہے اس لیے پہلے اسے دیکھ لیا جائے۔ تحقیق الکلام ص ۶۳ ج ۲۔ یہی قول فریق ثانی سے مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کا ہے۔ تفسیر ماجدی بھی پیر کرم شاہ بریلوی نے لکھا ہے ضیاء القرآن۔ اسی کو ہی عبدالجبار بن احمد نے اختیار کیا ہے دیکھیے قرطبی اور شیخ ابوحیان نے بھی یہی لکھا ہے البحر المحیط۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

الجواب اولاً: بفضلہ تعالیٰ جس طور پر ہم نے ثابت کیا ہے کہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں حکم مسلمانوں کو ہے کہ جب امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو قراءت نہ کریں بلکہ امام کی قراءت کان لگا کر سنیں۔ اس کا انکار کوئی اہل عقل وانصاف نہ کریگا۔ ثانیاً: وہابی صاحب نے یہ تو دعویٰ کیا کہ قرآن پاک کا سیاق وسباق اس کی تائید کرتا ہے مگر تائید کرنے کی وجہ بیان نہیں کی میرا خیال ہے کہ اگر وہابی جی کو سیاق وسباق کی سمجھ ہوتی تو ایسا دعویٰ نہ کرتا۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے زیر بحث آیت پر عمل کی صورت میں اس کی جزاء اور صلہ بیان

کیا (لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ) تاکہ تم پر رحمت کی جائے) معلوم ہوا کہ خاموش رہ کر قرآن سننے کا صلہ اللہ کی رحمت کا حصول ہے اور اللہ کی رحمت بخشش اور عذاب آخرت سے نجات کو لازم ہے چنانچہ اسی جگہ تفسیر سمرقندی میں ہے۔ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ فَلَا تُعَذَّبُوْا۔ تاکہ تم رحمت کیے جاؤ یعنی عذاب نہ دیے جاؤ۔ یہی تفسیر ابن عباس شریف میں آیا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے اَیْ تَفُوْزُوْنَ بِالرَّحْمَةِ الَّتِیْ هِیَ اَقْصَى الْمَرَادِ) یعنی تم اس رحمت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ جو کہ اس کے ثمرات کی انتہاء ہے۔ جب ثابت ہوا کہ رحمت الٰہیہ کا مفاد بخشش ہے تو اگر غیر مقلد کے بقول زیر بحث آیت میں مخاطب کفار ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان تو سارے قرآن کو حق مان کر اس پر عمل کریں تب بخشش ہو مگر کفار قرآن وصاحب قرآن اور توحید الٰہیہ سے انکار کے باوجود ایک ہی آیت پر عمل کرلیں تو بخشے جائیں یہ ہے وہابیوں کی توحید افسوس ہے ان لوگوں پر کہ دوسروں سے تو بات بات پر قرآن وحدیث پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ان کا اپنا دامن قرآن وحدیث سے خالی ہو تو پھر محدثین ومفسرین وفقہاء میں سے جس کی بات موافق مذہب ہو اسی کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں۔

رابعاً: آیئے اب سیاق وسباق کی بات کرتے ہیں سیاق وسباق بتاتا ہے کہ کلام کو کس مقصد وغرض کے لیے جاری کیا گیا ہے اور آیت کا ماقبل ومابعد سے کیا تعلق وربط ہے۔ اب دیکھیں آیہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ سے پہلی آیت میں ہے (هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لیے۔ (لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) میں لام تخصیص کے لیے یعنی رحمت الٰہیہ مؤمنون کے لیے خاص ہے۔ مگر وہابی کہتے ہیں کہ کفار ایک آیت پر عمل کرلیں تو ان پر رحمت ہو جائے گی بہر حال زیر بحث آیت کے بعد ہے۔ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً (الآیہ) اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے۔ اور زاری مسلمان ہی کرے گا۔ اور خوف خدا بھی۔ کفار جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں وہ کیا زاری کریں گے اور کیسے ڈریں گے۔ معلوم ہوا کہ زیر

بحث آیت کے پہلے اور بعد مسلمانوں کا ذکر ہے اور مسلمانوں سے خطاب ہے لہٰذا واذا قرئ سے مراد کفار کو لینا خلاف سیاق ہے۔ جاء الحق کی عبارت پہلے گزری جس میں ہے کہ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں جب تک کہ ایمان نہ لائیں قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض۔ مفتی صاحب نے یہ صراحت نہیں کی کہ آیت سے وجوب کن الفاظ سے ثابت ہے البتہ علمائے احناف عموماً لفظ لعل سے استدلال کرتے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹

وہابی کی بے عقلی

جواب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صراحت تب کرتے جب پہلے ابہام ہوتا صراحت موجود نہ ہوئی آیت میں تو وجوب کی تصریح موجود ہے جو بھی وہابی جی کی طرح نظر و عقل سے عاری نہ ہو اگر چہ مبتدی طالب العلم ہو جان جائے گا کہ فَاسْتَمِعُوْا اور اَنْصِتُوْا۔ دونوں امر حاضر جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ اور امر وجوب کے لیے ہے۔ وہابی صاحب دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ یہ استدلال باطل ہے کیونکہ لعل کلام الٰہی میں ہمیشہ وجوب کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۸۹ الجواب وہابی جی کی عبارت سے ظاہر ہے کہ لعل ہمیشہ تو وجوب کیلئے نہیں آتا مگر کبھی کبھی وجوب کیلئے بھی آتا ہے حالانکہ یہ کیسی جہالت ہے یہ کلمہ تو وجوب کے لیے آتا ہی نہیں یہ تو کلمہ ترجی ہے یعنی امید کے لیے آتا ہے یہ حال ہے غیر مقلدوں کے مصنف و محقق صاحب کا تو باقی قوم کا کیا حال ہوگا۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر ہی ہوتی ہے۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں: آیئے پہلے قرآنی الفاظ ملاحظہ کریں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب تو ان کے پاس کوئی (سفارشی) معجزہ نہیں لاتے تو کہتے ہیں تو از خود کیوں نہیں لاتا (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم (ان سے) کہو کہ میں تو صرف اس کی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب عزوجل کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف (خزانہ) بصارت ہے اور مومنوں کے لیے (سراسر) ہدایت رحمت ہے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنا کرو اور چپ رہا کرو تاکہ (مومنوں کی طرح) تم پر (بھی) رحمت ہو جائے۔ (انتہی)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب نے اپنے حصول مقصد کے لیے قرآن پاک میں معنوی تحریف کر دی تاکہ باور کرا سکے کہ زیر بحث آیت کے مخاطب کفار ہیں مثلاً یہ قرآن پاک کے کسی لفظ کا معنی نہیں۔

(تاکہ مومنوں کی طرح تم پر بھی رحمت ہو جائے) بھی کسی لفظ کا معنی نہیں مگر وہابی صاحب کفار سے ہمدردی میں اس قدر آگے بڑھا کہ مومنوں کی طرح بزعم خود کفار کے لیے بھی رحمت ثابت کر دی۔

ثانیاً: ہمیشہ علمائے امت محدثین ومفسرین وفقہاء آیت واذا قرئ القرآن سے مسائل پر استدلال کرتے آئے ہیں ان سے امام کے پیچھے عدم قرأت ثابت کرتے ہیں اور خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ثابت کرتے ہیں اگر آیت کفار کے بارے ہے تو یہ سب حضرات نہ سمجھے۔

ثالثاً: غیر مقلد خود بھی اس آیت کے پیش نظر سورۃ فاتحہ کے علاوہ خلف الامام قرأت نہیں کرتے۔ اب آگے چلتے ہیں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اعتراض نمبر ۹ تحت لکھتے ہیں۔ بخاری ومسلم شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض

ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی جیسے قیام و رکوع وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے نمازی اکیلا ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔ جواب اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔ اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔ اور موطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔ لا صلوٰۃ الا بالفاتحۃ الکتاب والسورۃ۔ نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور ایک سورۃ سے۔ آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملانا بھی۔ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض سے انکار ہے۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے نیز فرماتا ہے (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ اَلْآیَہ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔ تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اس پر وضو طہارت تکبیر تحریمہ فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جائے تو نماز نہ پائے گا سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہیے کہ جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے۔

احادیث آپس میں ٹکرانہ جائیں۔ کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لا صلوٰۃ میں لائے نفی جنس کا ہے جس کا اسم تو ہے لا صلوٰۃ جزء پوشیدہ ہے یعنی کامل مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قرأت بحکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث

واجب۔ جیسے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔ نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے۔ لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔ ان دونوں حدیثوں میں لا صلوٰۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں ہے۔ پھر لم یقرء قرأت حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتاً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔ جاء الحق کی مذکورہ عبارت پر

غیر مقلد کا پہلا اعتراض

مفتی صاحب کا موطا امام مالک کی طرف والسورۃ کے الفاظ منسوب کرنا نرا وہم خالص مغالطہ اور سوفی صد جھوٹ ہے موطا میں الفاظ تو کجا سرے سے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہی موجود نہیں ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۲

الجواب اولاً: ممکن ہے کہ مفتی صاحب کو موطا امام مالک سے کوئی پرانا نسخہ ملا ہو جس میں السورۃ کے الفاظ موجود ہوں۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غلط حوالہ دینے کی حاجت ہی کیا تھی جب کہ یہ روایت دوسری جگہ موجود ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع ج ا ص ۱۶۰ پر ہے۔ وَرُوِیَ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَ سُوْرَۃٍ مَعَهَا۔ اور مروی ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ اس سے ملائے سوا نماز نہیں ہوتی۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

صحیح مسلم میں فصاعدا کے الفاظ پائے جاتے ہیں مگر اصول حدیث کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ فصاعدا کو صرف امام معمر نے بیان کیا ہے جو کہ گو ثقہ ہیں لیکن محدثین کی تصریحات کے مطابق بعض روایات میں ان سے خطائیں ہوئیں ہیں اور انہیں روایات میں سے ایک یہ بھی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: قَالَ ابْنُ حِبَّانَ تَفَرَّدَ بِهَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ وَاَعَلَّهَا الْبُخَارِیُّ فِیْ جُزْءِ الْقِرَاءَۃِ۔ نام دین الحق۔ الجواب اولاً

غیر مقلد کا غلط الزام

وہابی صاحبان کی عادت ہے کہ جب کسی روایت کو اپنے مذہب و معمول کے خلاف دیکھیں تو اسے عیب لگائے بغیر نہیں چھوڑتے یہی بات یہاں بھی ہے کہ پہلے تو امام معمر کی طرف تفرد منسوب کر دیا پھر فصاعداً کے الفاظ کو ان کی غلطی کہہ دیا اسے یہ نظر نہ آیا کہ اس روایت میں ان کا متابع امام سفیان ثوری موجود ہے جو کہ فقیہ و محدث بلند پایا ثقہ ہیں تفرد وہ ہے جس میں متابع موجود نہ ہو جب کہ مذکورہ روایت فصاعداً کے الفاظ سفیان و معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک ہی شیخ امام زہری سے روایت کرتے ہیں چنانچہ ابوداود جزء اول ص ۱۲۶ پر امام سفیان ثوری امام زہری سے راوی ہیں اور مسند امام احمد ج ۵ ص ۳۲۹۔ اور صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۹ پر امام معمر زہری سے روایت کرتے ہیں نیز زیر بحث روایت کا شاہد معنوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جیسا کہ ابوداود جزء اول ص ۱۶۵ روایت پر موجود ہے جس میں فما زاد کے الفاظ آئے ہیں اور فصاعداً اور فما زاد کا معنی مراد ایک ہی ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

اگر فصاعداً کی زیادتی کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ احناف نے خیال کیا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا بھی واجب ہے لیکن یہ لغت کے خلاف ہے کیونکہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ فاء کے بعد جو آتا ہے غیر ضروری ہوتا ہے اور امام سیبویہ نے الکتاب کے باب الاضافۃ میں اس کی صراحت کی ہے۔ (انتھی) لہٰذا اس حدیث کے معنی جو مفتی صاحب نے کیے ہیں وہ قطعاً درست نہیں۔ تمام تہاودین الحق ص ۲۵۳

غیر مقلد کی اندھی تقلید

بغیر تعیین و تخصیص محل مطلقاً کہنا کہ فاء کے بعد جو کچھ آتا ہے غیر ضروری ہوتا ہے

وہابی جی کی نری بے عقلی اور انور شاہ کشمیری کی اندھی تقلید ہے غیر ضروری کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ فاء کے بعد قرآن و حدیث کی جو عبارت آئے اس پر عمل میں کچھ فائدہ نہیں اس سے لازم آئے گا کہ کلام اللہ تعالیٰ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جہاں فاء آئے اس کے بعد پر عمل بے فائدہ اور غیر ضروری ہے حالانکہ قرآن و حدیث میں ایک لفظ بھی بے فائدہ یا غیر ضروری نہیں یہ تو مسلمان کے لیے ضابطہ حیات ہے خواہ اس میں فرض و واجب کا ذکر یا سنت و مستحب کا سب پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔ دوسرا غیر ضروری کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر عمل فرض و واجب نہیں تو یہ کلیہ بھی ہر جگہ قائم نہیں رہ سکتا دیکھیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔ اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔ اب وہابیوں کو چاہیے کہ وضو نہ کیا کریں کیونکہ وضو کا حکم فا کے بعد آیا ہے اور ان کے گھر کے علامہ صاحب نے فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ فاء کے بعد پر عمل ضروری نہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۔ (الآیہ) یعنی حدث و جنابت کی صورت میں پانی نہ پاؤ یا اس پر قدرت نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو پس اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ مذکورہ آیہ مبارکہ میں تین جگہ فا ہے وہابی اگر اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو سب وہابیوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے ایک فاء کے بعد کا بیان ہی غیر ضروری ثابت کر دے ورنہ اسے سیبویہ و خلیل یا ابن حاجب بننے کا شوق ہو تو اپنی قوم وہابیہ میں ہی پورا کرے دوسروں پر سکہ جمانے کی کوشش کرے گا تو اپنی جہالت ہی ظاہر کرے گا۔ جاء الحق کی عبارت پیچھے گزری جس میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف اور ان حدیثوں کے بھی خلاف ہے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی خلاف ہے۔ اس پر غیر مقلد صاحب پہلے اعتراض کے

ضمن میں لکھتے ہیں:

ہم نے بھی آگے خدا کے فضل و کرم سے ثابت کر دیا ہے کہ جس قرآنی آیت سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ اپنے معنی و مفہوم میں آپ کی دلیل نہیں ہے۔

ثانیاً: جب مذکورہ حدیث صحیح ہے۔ اور مفتی صاحب نے اس پر جرح نہ کر کے اس کا صحیح ہونا تسلیم کر لیا ہے تو فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد قرآنی کو تمام انسانوں سے زیادہ سمجھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو سمجھتے ہوئے ہی فرمایا تھا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ثالثاً رہا آپ کی پیش کردہ روایات تو گزارش ہے کہ ان میں سے کوئی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی نہیں ہے اور حدیث لا صلوۃ بخاری و مسلم کی ہے جب کہ تعارض کے لیے احادیث کا ہم پلہ ہونا شرط ہے۔

نام نہاد دین الحق ص ۲۵۳ الجواب اولاً: غیر مقلد کا کہنا کہ آیت و اذا قرئ القرآن معنی و مفہوم میں احناف کی دلیل نہیں تو یہ وہابی جی کی نری ضد اور دروغ گوئی ہے ورنہ حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اور تفاسیر کثیرہ سے ثابت ہے کہ آیت کی مراد مقتدی کو قرآۃ سے منع اور امام کی قرآۃ سننا ہے اسے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احسن و بھرپور طریقہ سے ثابت کیا ہے جسے مزید دلائل کی طلب ہو وہ فقیر کی الریحانین فی مسئلہ القرآۃ خلف الامام و ترک رفع الیدین۔ کا مطالعہ کرے۔ ثانیاً

وہابی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ان کی دلیل ہی نہیں

غیر مقلد صاحب نے حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحہ الکتاب کی صحت کا دعویٰ تو کیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ خلف الامام بھی فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اس حدیث سے استدلال درست ہے؟ آیئے اس جگہ علامہ نیموی کی آثار السنن دیکھیے چونکہ غیر مقلد صاحب خود بھی اکثر ان کے حوالے دیتے ہیں۔ آثار السنن باب فی القرآۃ خلف الامام میں ہے۔ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ وَقَدْ قُدِّمَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا۔ قَالَ النیموی وفی الْاِستدلال بِھٰذِہِ الْاَحَادِیْثِ نَظَرٌ۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ اسے شیخین نے روایت کیا اور ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پہلے گزری نیموی نے کہا ہے کہ ان حدیثوں سے استدلال کرنا محل غور ہے اسی پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: قولہ وفی الاستدلال بھذہ الاحادیث نظر۔ قلت قال الترمذی قال احمد بن حنبل معنی قولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ اذا کان وحدہ وقال ابوداود قال سفیان لمن یصلی وحدہ قلت والاولی ان یقال ان ھذا الحکم لمن کان ضامنا للصلوۃ ومتکفلاً لھا۔ اما ما کان او منفردا ویؤیدہ مارواہ مسلم والنسائی من طریق معمر عن الزھری فی آخری حدیث الباب لفظ فصاعدا۔ اور اس کا قول کہ ان احادیث سے استدلال محل غور ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کہ اس کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی کا معنی ہے کہ جب اکیلا نماز پڑھتا ہو ابوداود نے کہا حضرت سفیان نے فرمایا: اس کا حکم اسے ہے۔ جو اکیلا نماز پڑھے۔ میں کہتا ہوں اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے یہ حکم اس کا ہے جو نماز کا ضامن و ذمہ دار ہو امام ہو یا منفرد اس کی تائید میں ہے جو مسلم کی ایک روایت میں آیا اور نسائی کی روایت میں معمر عن الزہری کے طریق سے جس حدیث کے آخر میں فصاعدا کے الفاظ ہیں۔ اس سے اظہر من الشمس ہوا کہ جن روایات سے غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کرتے ہیں ان سے یہ استدلال درست نہیں صحت کا دعویٰ تو بعد کی بات ہے۔

ثالثاً: وہابی جی کا کہنا کہ آپ کی پیش کردہ روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح تو کجا حسن درجہ کی بھی نہیں۔

جب کسی میں شرم نہ ہو تو جو چاہے کہے

الجواب: فقیر کہتا ہے کہ اس پر صادق آتا ہے اذا فاتك الحياء فافعل ما شئت جب تم میں شرم نہ ہو تو جو چاہے کہے ورنہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے پیچھے قراۃ کے عدم جواز پر اسی باب اول فصل میں مسلم شریف کے حوالہ سے حدیث نمبر ۲ کے تحت صحیح حدیث پیش کی ہے اور حدیث نمبر ۳ کے تحت جامع ترمذی سے حسن صحیح حدیث بیان کی ہے اور حدیث نمبر ۹ تا ۱۰ پر موطا امام محمد کے حوالہ سے بر شرط شیخین صحیح اسناد سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے۔ ہم بھی بفضلہ تعالیٰ اس باب کے اختتام پر اس مسئلہ پر احادیث کی صحت بیان کریں گے مگر وہابی دھرم کے پجاری کی دروغ گوئی پر حیرت ہے کہ کس قدر ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ احناف کے پاس امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر صحیح تو کجا کوئی ایک حسن درجہ کی حدیث بھی موجود نہیں حالانکہ خود ان کے پیشوا شوکانی صاحب نے اپنی نیل الاوطار میں اس مسئلہ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق اقرار کیا ہے کہ اس ترمذی کے سوا پانچوں صحاح ستہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام مسلم نے اسے صحیح کہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا التِّرْمِذِیْ وَقَالَ مُسْلِمٌ هُوَ صَحِیْحٌ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اسے ترمذی کے سوا پانچوں صحاح نے روایت کیا اور مسلم نے کہا حدیث صحیح ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب خلاف مذہب ہو تو غیر مقلد کسی کی بات پر کان نہیں لگاتے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اعتراض کے تیسرے جواب

میں فرمایا: جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہییں جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرا نہ جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لا صلوٰۃ میں لا نفی جنس ہے۔ جس کا اسم تو ہے لا صلوٰۃ جز پوشیدہ ہے یعنی کامل مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث واجب ہے جیسے لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔ نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔ جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔ ان دونوں میں لا صلوٰۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں ہے پھر لم یقرء قرأت حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتاً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض: مفتی صاحب نے مذکورہ اعتراض کسی عربی کتاب سے پڑھا ہو گا اور عربی سمجھنے کی لیاقت نہ تھی اس لیے کہ اعتراض کرنے میں بھی غلطی کر گئے ہیں ملا جی آپ کو اقرار ہے کہ حدیث میں لا نفی جنس کا ہے اور اس کی خبر بھی محذوف ہے اس سے یہاں وجود کی نفی مراد ہو گی جس کا اقرار مولوی عبد الحی لکھنوی مولانا ابو الحسن سندھی اور علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ حضرات نے کہا ہے کہ یہاں لا سے وجود کی نفی مراد ہے ملا جی لا کو تو جنس کا تسلیم کرتے ہیں لیکن ترجمہ لا کمال کا کرتے ہیں: نام نہاد دین الحق ص ۲۵۴ الجواب بعون الوهاب وَهُوَ موفق لِلصَّوَاب۔

اولاً: فقیر طائفہ وہابیہ کے وکیل صاحب سے پوچھتا ہے کہ جناب جس قول و فعل کے ارتکاب پر آپ کے نزدیک دوسرے مشرک ہو جاتے ہیں۔

وہ قول و فعل آپ کے لیے بھی شرک ہے یا نہیں؟ اگر شرک ہے تو آپ کا عقیدہ ہے کہ کسی نبی ولی اور شہید کو بعد از وصال مخاطب کرنا شرک ہے پھر تمہارا نام نہاد دین الحق کا مصنف صاحب بھی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد مخاطب کر کے کہہ رہا ہے ملا جی آپ کو اقرار ہے (الخ) للہذا یہ بھی مشرک ٹھہرا اور جن مولویوں نے

اس کی کتاب پر اپنی تقریظوں میں اس کی خوب تعریف کی اور داد تحسین دی وہ سب بھی مشرک ہوئے ان سے برأت وقطع تعلق کا اعلان کرو ورنہ سنیوں کے لیے امتیازی معیار کو ترک کرو کیونکہ اسلام میں شرک وایمان کا معیار ایک ہی ہے۔ ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے اعتراض کسی عربی کتاب میں پڑھا ہوگا اور عربی سمجھنے کی لیاقت نہ تھی۔ مگر خود وہابی جی کی علمی تیمی کا حال دیکھو کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے موقف کی پختگی کے لیے بطور مثال دو حدیثیں پیش کی ہیں اور ان پر مثبت قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہاں وجود نماز کی نفی نہیں بلکہ کمال کی نفی مراد ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہے مگر وہابی جی بجائے اس کے کہ مفتی صاحب کے قیاس پر کوئی نقض وارد کرتا اور مقیس لہ اور مقیس علیہ میں علت کا تغایر ثابت کرتا یہ تو نہ کر سکا نہ ہی اس کی لیاقت تھی دوسروں کی تقلید کرنے لگا جی فلاں نے کہا لا وجود کی نفی کے لیے ہے۔

وہابی قوم کو کھلا چیلنج

میں پوچھتا ہوں وہابی جی اگر یہاں لا نفی وجود کی ہے تو پھر لا صلوٰۃ الا بحضور القلب اور لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد میں لا وجود کی نفی کیوں نہیں کرتی اس اور اس میں فرق بتائیں۔ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ ثالثاً: اگر تمہارے نزدیک لاصلوٰۃ میں لا نفی وجود کے لیے ہے تو تمہاری سنتیں فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سورج بلند ہونے سے پہلے کیسے ہو جاتی ہیں کیونکہ تم اس کے قائل ہو کہ جب کوئی فجر کی جماعت قائم ہونے کے بعد آئے تو وہ جماعت سے مل جائے سنتیں جماعت کے فوراً بعد پڑھ لے حالانکہ حدیث میں آیا ہے: لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ۔

الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۰۸ لامام الحافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرض فجر کے بعد نماز نہیں ہوتی جب تک کہ سورج بلند نہ ہو جائے۔ اسی کی ذیل میں تخریج میں ہے۔ للبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجه كلهم عن ابى سعيد ولاحمد فى مسنده ولابى داؤد ولابن ماجة كلهم عن عمر حديث صحيح ۔ یعنی بخاری ومسلم اور نسائی

اور ابن ماجہ سب نے ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد وابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حدیث صحیح ہے۔ رابعاً

لا صلوٰۃ میں لا نفی کمال کی ہے

غیر مقلد کا خالص جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب عربی عبارت نہیں سمجھے اس لیے کہہ دیا لا نفی کمال کی ہے بلکہ فقہاء احناف اس لا کو نفی کمال پر ہی محمول کرتے ہیں چنانچہ تفسیر آیات الاحکام من القرآن۔ سورۃ فاتحہ کے تحت ہے۔

وَاَمَّا حَدِيْثُ عِبَادَةَ فَقَدْ حَمَلُوْا عَلٰى نَفْيِ الْكَمَالِ لَا عَلٰى نَفْيِ الْحَقِيْقَةِ وَمَعْنَاهُ عِنْدَهُمْ لَا صَلٰوةَ كَامِلَةً لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ ۔ اسے پر حضرت عبادہ کی حدیث تو اس کو (احناف) نفی کمال پر محمول کرتے ہیں نفی حقیقت پر نہیں اور ان کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں اس کے آگے لکھتے ہیں: وَقَالُوْا هٰذَا الْحَدِيْثُ يُشْبِهُ قَوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِى الْمَسْجِدِ) اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضور کے اس ارشاد کے مشابہ جو فرمایا مسجد کے قریبی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ملا جی جب مطلق قرأت فرض ہے تو وہ بحالت اقتداء بھی فرض ہے کیونکہ فرائض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتے اب مشکل یہ آپڑی کہ تعین فاتحہ سے انکار کے وقت تو ملا جی نے اپنے مذہب کے مطابق آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ کے عموم سے استدلال کر لیا اور حدیث لاصلوٰۃ کو وجوب فاتحہ کیلئے کر دیا مگر ساتھ مقتدی کو مطلق قرأت سے منع کر دیا تو اس مقام پر عموم آیت کو نظر انداز کر دیا حالانکہ جس طرح آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ نصاب قرأت کے لیے عام ہے اس طرح نماز کی حالت کے لیے عام ہے اب ایک اور مشکل آن پڑی کہ مقتدی کو آیت قرآنی کی رو سے مقتدی پر قرأت ثابت ہوئی تو دوسری میں منع تو اب معاذ اللہ قرآنیہ آیات میں تعارض ہو گیا اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ملا جی کے بڑوں کا ان آیات کے بارے میں یہی نظریہ ہے ملا جیون اصولی حنفی تحریر کرتے ہے۔ ومثاله قوله فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ○

مع قوله تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ○ فان الاوّل بعمومه یوجب القراۃ علی المقتدی والثانی بخصوصه ینفیه وقد وردا فی الصلوٰۃ جمیعا فتساقطا فیصار الی حدیث بعده○

نور الانوار۔ اس کی مثال آیہ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مع قول خداوندی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے لیے کہ پہلی آیت اپنے عموم سے مقتدی پر بھی قرات واجب کرتی ہے اور دوسری آیت اپنے خصوص سے اس کی نفی کرتی ہے۔ حالانکہ دونوں آیتیں نماز کے متعلق ہیں پس دونوں آیات ساقط ہو گئیں اور اس کے بعد حدیث کی طرف جانا پڑا (انتہیٰ) اس طرح کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور تلویح شرح توضیح میں تعارض کی صورت میں حدیث کی طرف رجوع کرنے کی مثال میں انہیں دو آیات کو پیش کیا۔ نام نہاد دین الحق ۲۵۴ تا ۲۵۵۔

الجواب اولاً: غیر مقلد کو اقرار ہے کہ فرائض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر فاتحہ مقتدی پر بھی فرض ہوتی تو بلا پڑھے امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے اسے وہ رکعت نہ ملتی جب کہ رکعت کا ہونا حدیث سے ثابت ہے کہ رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو:

امام کے پیچھے رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے

عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّهٗ اِنْتَهٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَکَ اللّٰهُ حِرْصًا لَا تَعُدْ۔ حضرت ابوبکرہ سے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت رکوع میں تھے پس وہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ صف سے مل گئے) اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نیکی پر تیری چاہت زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا حدیث شریف بخاری ج ۱ ص ۱۰۸ کا مفاد ظاہر ہے کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے مقتدی کی رکعت ہو جاتی ہے۔ دیکھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت ابوبکرہ کو یہ تو فرمایا کہ آئندہ صف میں ملے بغیر سجدہ نہ کرنا مگر اعادہ نماز کا حکم نہ دیا اگر فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو یہ رکعت اسے بغیر فاتحہ کے کیسے ملتی اور فرض اس سے کیسے ساقط ہوتا حالانکہ فرض بحالت اقتداء بھی ساقط نہیں ہوتا نیز اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ امام کو رکوع میں پانے سے وہ رکعت اداء میں شمار ہوتی ہے۔ تفسیر آیات الاحکام من القرآن۔ زیر تفسیر سورۃ فاتحہ ثانیاً) غیر مقلد کا اعتراض کہ مفتی صاحب نے آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن کے عموم کو مقتدی کو فاتحہ پڑھنے سے منع کر کے نظر انداز کر دیا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ غیر مقلد کی غلط بیانی اور سو فیصد جھوٹ ہے کیونکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرات سے منع نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ مقتدی امام کے پیچھے قرات نہ کرے بلکہ امام کی قرات سنے اور خاموش رہے۔

ثالثاً: غیر مقلد نے نور الانوار کی عبارت کو یہاں تک بیان کیا کہ دونوں آیتیں ساقط ہو گئیں اور حدیث کی طرف جانا پڑا مگر خیانتاً یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی حدیث ہے جس کا ذکر وہاں صاحب نور الانوار نے کیا وہ ہم بتا دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ قِرَاءَۃٌ لَّهٗ۔ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔ نور الانوار ص ۱۹۰۔ غیر مقلد تیسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں: مذکورہ حدیث میں قرات فاتحہ سے حقیقی اور حکمی دونوں قرات مراد لینا مفتی جی کا کھلا تعصب ہے اولاً اس لیے کہ حقیقی اور حکمی مراد لینا حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا ہے اور جمع بین الحقیقۃ والمجاز احناف کے نزدیک باطل ہے۔ چنانچہ ملا جیون فرماتے ہیں کہ: وَیَسْتَحِیْلُ اِجْتِمَاعُهُمَا مُرَادَیْنِ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ اَیْ یَسْتَحِیْلُ اِجْتِمَاعُ الْمَعْنَی الْحَقِیْقِیِّ وَالْمَعْنَی الْمَجَازِیِّ حَالَ کَوْنِهِمَا مُرَادَیْنِ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ بِاَنْ یَّکُوْنَ کُلٌّ مِّنْهُمَا بِمُتَعَلِّقِ الْحُکْمِ۔ انتہیٰ۔ اور اگر علمائے بریلوی کہیں کہ قرات حکمی حقیقت ہے تو اس صورت عموم مشترک کا قائل ہونا لازم آئے گا اور عموم مشترک احناف کے نزدیک ناجائز ہے۔

ولا عموم لہ ای المشترك عندنا فلا یجوز ارادة معنییه معا ۔ نور الانوار۔ نام نہاد دین الحق۔ ص ۱۲۵۵ الجواب بعون الوہاب وھو موفق بالصواب اوّلاً۔

غیر مقلد کو یہ عقل نہ آئی کہ اس کا اعتراض حدیث شریف پر بھی آئیگا

نام نہاد اہلحدیث صاحب نے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تو اعتراض کیا کہ وہ حقیقت و مجاز کو جمع کر رہے ہیں مگر یہ عقل نہ آئی کہ اس کا یہ اعتراض صرف مفتی صاحب پر نہیں بلکہ حدیث شریف پر بھی آئیگا اس لیے کہ حدیث میں ہے۔ من کان له امام فقراۃ الامام قراۃ له ۔ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ امام کی قرأت امام کے حق میں حقیقی ہے کیونکہ وہ قرآن پڑھتا ہے مقتدی کے حق حکمی و مجازی ہوگی اس لیے کہ وہ خود قرآن نہیں پڑھتا اب حدیث میں بھی وہابی جی کے کلیہ پر حقیقت و مجاز جمع ہوا۔

حقیقت و مجاز کب جمع ہو سکتے ہیں

ثانیاً: حقیقت میں بات یوں ہے کہ غیر مقلد صاحب نے نور الانوار سے حقیقت و مجاز کی پوری بحث نہیں پڑھی بلکہ چند سطور دیکھ کر اپنے کو صاحب اصول سمجھ بیٹھا اصل بات یہ ہے کہ حقیقت و مجاز ایک محل میں بیک وقت جمع نہیں ہوتے مگر جب محل مختلف ہو تو جمع ہو جاتے ہیں کہ ایک ہی لفظ بول کر بیک وقت ایک جگہ حقیقت اور دوسری جگہ مجاز مراد لے سکتے ہیں جیسے کہ اسد بول کر شیر بھی اور شجاع آدمی بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ یہاں مجاز حقیقت کے منافی و مزاحم نہیں۔ نیز جب مجاز میں عموم ہو تو دونوں حکماً جمع ہو جاتے ہیں مثلاً کسی نے قسماً کہا کہ میں فلاں کے گھر داخل نہیں ہوں گا پھر اس کے گھر داخل ہوا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی عام ازیں وہ گھر فلاں کا ذاتی ہو یا کرایہ پر یا عاریۃً حالانکہ ذاتی ہونا حقیقت اور کرایہ پر عاریۃً مجاز ہے۔ یہ جاننے کے بعد اب دیکھیں کہ امام و مقتدی دو مختلف محل ہیں لہٰذا امام کی قراۃ اس کے حق حقیقی ہے اور مقتدی کے حق حکمی و مجازی حکمی اس لیے کہ شریعت مطہرہ نے اس کی قرأت ہونے کا حکم کیا ہے مجازی اس لیے کہ اس نے قرآن پڑھا نہیں حقیقی قرأت خود پڑھنے سے ہوتی ہے۔ ثالثاً وہابی

صاحب کا کہنا کہ اگر علمائے بریلوی کہیں کہ قرأت حکمی حقیقی ہے تو دریں صورت عموم مشترک کا قائل ہونا لازم آئے گا اور عموم مشترک احناف کے نزدیک نا جائز ہے۔ فقیر کہتا ہے یہ تو وہابی صاحب کا ذہنی مفروضہ ہے ورنہ ہمیں ایسا کہنے کی حاجت ہی کیا ہے اس کا مناسب جواب تو بفضلہ تعالیٰ ہو چکا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض کا تحقیقی جواب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم بھی کہتے ہو جو رکوع میں امام کیساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریمہ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جائے تو نماز نہ پائے گا سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی اس کے جواب میں وہابی صاحب لکھتے ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے محققین کا یہی نظریہ ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی' یہی مسلک کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور محدثین عظام کا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۵

الجواب اوّلاً: خود وہابی جی کی تحریر سے ظاہر ہے کہ سب نام نہاد اہلحدیثوں کا موقف نہیں کہ رکوع ملنے سے وہ رکعت نہیں ہوتی بلکہ بعض کا ہے ظاہر ہے باقیوں کے نزدیک وہ رکعت ہو جاتی ہے رہا یہ کہ وہ محققین وہابیوں کا موقف ہے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں ہوتی محققین اس لیے ہیں کہ ان کی بات یہاں وہابی صاحب کی ضرورت ہے ورنہ محقق تو اسے کہا جاتا ہے جس کی تحقیق قرآن و حدیث کے موافق ہو جب کہ یہاں ایسا نہیں کیونکہ امام کے پیچھے رکوع ملنے سے رکعت کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہے جن میں سے ہم نے ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور تفسیر آیات الاحکام سے علماء کا اتفاق اس پر کہ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے بیان کر چکے ہیں اسی طرح حضرت زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ:

قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَابْنُ مَسْعُوْدٍ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ رَاكِعٌ فَرَكَعْنَا ثُمَّ مَشَيْنَا حَتّٰى اسْتَوَيْنَا بِالصَّفِّ فَلَمَّا فَرَغَ الْاِمَامُ قُمْتُ اَقْضِیْ فَقَالَ قَدْ اَدْرَكْتَهٗ طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۷۱۔

فرمایا میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو امام اس وقت رکوع میں تھا پس ہم بھی رکوع میں شامل ہو گئے پھر آہستہ چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے جب امام فارغ ہوا تو میں کھڑا ہو کر رکعت پڑھنے لگا تب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بے شک تم نے اس رکعت کو پالیا۔ واضح رہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلند پایہ فقیہ مجتہد و محقق اور بارگاہ رسالت کے حاضر باش صحابی ہیں جو فرما رہے ہیں کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے مگر وہابی صاحب کے نزدیک محققین اہل حدیث وہ ہیں جو حدیث مرفوع اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ ارشاد اور جمہور علماء کے مذہب کے خلاف ہیں واضح رہے غیر مقلدوں کے علامہ شوکانی نے اقرار کیا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے چنانچہ اپنی نیل الاوطار جزء ثانی ص ۲۲۸ پر لکھتے ہیں: وَاَمَّا اِحْتِجَاجُ الْجُمْهُوْرِ بِحَدِيْثِ اَبِيْ بَكْرَةَ حَيْثُ صَلّٰى خَلْفَ الصَّفِّ مَخَافَةَ اَنْ تَفُوْتَهُ الرَّكْعَةُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ وَلَمْ يَاْمُرْ بِاِعَادَةِ الرَّكْعَةِ۔ اور بہر حال جمہور علماء کا دلیل پکڑنا ابی بکرہ کی حدیث سے جب کہ وہ کھڑے ہو گئے صف سے پیچھے اس خوف سے ان کی رکعت فوت نہ ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اللہ تیرا شوق زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا اور اسے اعادہ رکعت کا حکم نہ دیا۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ اور رکوع کرنیوالے کے ساتھ رکوع کرو۔

اس میں اشارہ ملتا ہے کہ امام کے ساتھ رکوع ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو رکوع سے تعبیر کیا اور جماعت کو راکعین سے۔ اس مسئلہ پر اور بھی دلائل موجود ہیں مگر ہم طول سے اجتناب کرتے ہوئے انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدین کا اعتراض نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ بن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے

آخری الفاظ یہ ہیں: قَالَ اِنِّيْ اَرَاكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ لَا تَقْرَءُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ۔ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراۃ کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔ اس میں صراحۃً سے ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے اور دوسرے سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں عبادہ بن صامت کی یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو رکعت بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔ دوسرا یہ کہ صرف عبادہ بن صامت سے یہ حدیث مرفوعاً نقل ہے جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ۔ عبداللہ بن مسعود۔ زید بن ثابت۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ حضرت علی اور حضرت عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں جن میں سے کچھ روایتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ بن صامت کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض لکھتے ہیں ہم نے بھی آگے ثابت کیا ہے کہ آپ کی پیش کردہ جملہ روایات ضعیف بلکہ موضوع ہیں جب کہ حدیث عبادہ صحیح ہے اور صحیح و ضعیف میں صحیح کو ترجیح ہوا کرتی ہے اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ دو ہزار آدمی غیر ثقہ بیان کریں کہ مفتی صاحب بے نماز تھے اور اس کے برعکس صرف ایک ہی ثقہ آدمی بیان کرتا ہے کہ مفتی صاحب نماز پڑھتے تھے تو اس ثقہ کی بات کو ہی ترجیح حاصل ہوگی نہ کہ دو ہزار غیر ثقہ کی بات کو۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۵۹

الجواب اولاً جب کسی میں حیاء و خوف خدا نہ ہو تو جو جی چاہے کہے لے ورنہ جن احادیث مبارکہ کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جاء الحق میں بیان کیا ہے ان میں

سے حدیث نمبر۲ مسلم شریف کی ہے جسے امام مسلم رضی اللہ عنہ خود صحیح کہا ہے اور حدیث نمبر۳ جامع ترمذی سے ہے جسے امام ترمذی رضی اللہ نے حسن صحیح کہا ہے اور حدیث نمبر ۶ تا ۱۰ موطا امام محمد سے ہے جس کو محمد ابن منیع اور ابن ہمام نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ مگر کس قدر بے شرمی کی بات ہے کہ وہابی ان سب کو ضعیف بلکہ موضوع (من گھڑت) کہے رہا ہے اور دوسری طرف عبادہ بن صامت کی حدیث جسے شیخین نے روایت نہیں کیا اور امام ترمذی نے صرف حسن کہا اس کو ان سب احادیث پر ترجیح دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی حدیث غیر مقلدوں کے خلاف ہو تو پھر ان کو محدثین کی بات پر بھی یقین نہیں آتا۔

ثانیاً: غیر مقلد کی جہالت ہے کہ ایک ثقہ کو دو ہزار غیر ثقہ پر ترجیح دیتا ہے حالانکہ اس قدر بڑی تعداد کی روایت عند العقل یقینی ہوگی۔ اس لیے کہ دو ہزار اشخاص کا غلطی پر جمع ہونا بعید العقل ہے اور از روئے اصول بھی خبر متواتر ہے جو کہ یقین کا فائدہ دیتی ہے بعض کے نزدیک چالیس اشخاص حد ہے بعض کے ہاں ستر اور بعض کے نزدیک اس سے بھی زائد اور صحیح مذہب علامہ ابن حجر نے اسے کہا ہے جس میں ہے کہ ہر زمانہ میں اس کے راوی بے شمار ہوں بخلاف خبر واحد کے وہ ظنی ہے اگر چہ راوی ثقہ ہو۔ مگر وہابی جی کی بے عقلی دیکھو کہ وہ دو ہزار پر ایک ہی ثقہ کو ترجیح دیتا ہے۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کے اعتراض کا تیسرا جواب:

تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے بھی خلاف ہے قرآن نے تلاوت کے وقت خاموشی کا حکم دیا ہے ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ آپ کی پیش کردہ آیت کو خود اکابر احناف نے فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ کے معارض قرار دے کر سنت کی طرف رجوع کا حکم لگایا ہے۔

نام نہاد دین الحق ۱۲۵۹ الجواب اوّلاً ابھی آگے آئے گا جس میں وہابی صاحب کہے رہے ہیں کہ قرآن و حدیث میں قطعاً تعارض نہیں ہوتا اور یہاں احناف کے معارض

کہنے کو اپنی دلیل بنالیا۔

ثانیاً: نور الانوار میں جو دو آیتوں میں تعارض کا کہا گیا وہ تعارض ظاہری کے اعتبار سے ہے حقیقی تعارض تب ہو جب کہ فاقرءوا میں مقتدی کو قرأت کا حکم ہو۔ جاء الحق سے چوتھا جواب مفتی صاحب فرماتے ہیں: تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو کہ ہم نے پیش کیں اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا بلکہ شیطان غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ ملا جی کے دل میں جو آیا وہ لکھتے رہے جو ان کی کم آگاہی بلکہ جہالت پر واضح دلیل ہے یہاں فاتحہ پڑھنے اور عدم کی احادیث میں تعارض تسلیم کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف یہ لکھتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے کا حکم منسوخ ہے اور اس نام کے مفتی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ناسخ و منسوخ میں تعارض نہیں ہوا کرتا۔

نام نہاد دین الحق ص ۱۲۶۰ الجواب وہابی بے عقل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ محققین کا طریقہ ہے کہ اول مخالف کے موقف کا دلائل سے رد کرتے ہیں پھر کہے دیتے ہیں کہ اگر اس موقف کو صحیح بھی مانا جائے تو پھر بھی فلاں وجہ سے قابل عمل نہیں یہی طریقہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ پہلے مخالفوں کے موقف کا دلائل سے رد کیا ہے۔ اس جگہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض مخالفوں کے دعویٰ کی دلیلوں کو مان لیا جائے تب بھی قابل عمل ہمارے ہی دلائل ہیں کیونکہ مخالف مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کے حکم کا دعویٰ کرتے ہیں اور دلیلیں دیتے ہیں جب کہ ہمارے دلائل مقتدی کو ممانعت پر ہیں تو بوقت تعارض ترجیح ممانعت کو ہوتی ہے اس پر آپ نے قرآن سے دلیل بھی پیش کی ہے مگر غیر مقلد عادت سے مجبور ہے خواہ مخواہ اعتراض کر دیتا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض:

آپ کی پیش کردہ روایات صحیح نہیں اور حدیث (لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ

الْكِتَابِ) متواتر ہے جیسا کہ امام بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ احناف کا اصول ہے کہ: وَلَا يَكُوْنُ بَيْنَ الْمَشْهُوْرِ وَالْآحَادِ مِنَ الْحَدِيْثِ مُعَارِضَةٌ۔

نور الانوار حدیث مشہور اور خبر احاد کے درمیان معارض نہیں ہوا کرتا۔ الجواب اولاً جب کسی میں خوف خدا نہ ہو تو وہ جس حدیث کو چاہے خلاف مذہب جان کر ضعیف و موضوع کہے اور جس کو چاہے موافق مذہب جان کر متواتر کا درجہ دے ورنہ ابھی پیچھے ہم نے اپنے موقف پر احادیث کی صحت پر محدثین کے اقوال کا ذکر کیا ہے۔

غیر مقلد کی جہالت کہ خبر واحد کو متواتر کہہ دیا

ثانیاً: اگر غیر مقلد کو تواتر کے شرائط کا علم ہوتا تو وہ حدیث عبادہ کے تواتر کا دعویٰ نہ کرتا حدیث متواتر کے شرائط سے ہے کہ اس کے رواۃ کثیر تعداد میں اور مختلف علاقوں کے ہوں اور ہر زمانے میں ان کی یہ کثرت قائم رہے جب کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث خبر واحد ہے خود وہابی صاحب نے بھی حضرت عبادہ کے سوا کسی اور صحابی کا ذکر نہیں کیا کہ اس نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

ثالثاً: انہیں کے غیر مقلد حافظ محمد لکھوی نے انواع محمدی کے ص ۶۱ پر احناف کے قول کا کہ آیہ فاقرءوا ما تیسر ا مطلق قرأۃ پر دلالت کرتی ہے اور اسے خبر واحد سے مقید کرنا قرآن پر زیادتی ہوگی جب کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی جائز نہیں کے جواب میں اس کے خبر واحد ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ قاعدہ سے ہی راہ فرار اختیار کی حدیث متواتر تو درکنار مشہور بھی ہوتی تو وہ ضرور کہتے کہ ہم خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں کرتے ہمارے پاس فلاں حدیث مشہور ہے۔ رابعاً- احناف کا اصول جو آپ نے نور الانوار کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیث مشہور اور احاد کے درمیان معارضہ نہیں ہوتا وہ تو اپنی جگہ درست ہے مگر پہلے آپ عبادہ کی حدیث کو مشہور تو ثابت کریں۔ غیر مقلد کا تیسرا اعتراض- آپ کا یہ لکھنا کہ نفی کو ترجیح ہوتی ہے اصول فقہ کے خلاف ہے چنانچہ ملا جیون فرماتے ہیں کہ: اذا تعارض المثبت والنافی فالمثبت اولی بالعمل من النافی۔ نور الانوار جب مثبت اور نفی میں

تعارض ہو تو اس وقت عمل کے اعتبار سے مثبت اولیٰ ہے نفی سے (انتہی) جب کہ آنجناب نے لکھا ہے کہ جب ثبوت اور نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۰ الجواب اولاً: جناب نے نور الانوار سے عبارت پیش کرنے میں خیانت کی ہے۔

دو یوں کہ متصل ہی عند الکرخی کے الفاظ چھوڑ دیے کیونکہ اس سے واضح ہو جاتا تھا کہ یہ کرخی کا مذہب ہے اہل اصول کا متفقہ اصول نہیں جب کہ وہابی جی کا مطلوب متفقہ اصول باور کرانا تھا اس لیے بددیانتی سے خلاف مقصود الفاظ ہی چھوڑ دیے۔ ثانیاً دوسری خیانت یہ کی کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکم اور ممانعت میں تعارض کی بات کی تھی وہابی صاحب نے ممانعت کو نفی سے بدلہ پھر اس پر نور الانوار کی عبارت پیش کیں جس میں مثبت و نافی کی بات ہے اور جاء الحق سے بھی ثبوت اور نفی کا حوالہ دیکر خواہ مخواہ مفتی صاحب پر تضاد کا الزام لگا دیا۔

ثالثاً- غیر مقلدین چونکہ فقہ اور اصول کو مانتے ہی نہیں اور نہ ہی بقاعدہ اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں اس لیے بوجہ جہالت حکم و منع کو ثبوت و نفی کی جگہ رکھ دیا اور پھر ثبوت و نفی کا کلیہ حکم و منع پر چسپاں کر دیا حالانکہ ان کے درمیان فرق ہے کہ حکم بصیغہ امر ثابت ہوتا نیز امر دینے والے کو مامور پر فوقیت حاصل ہو اور منع لائے نہی سے ثابت ہوتا ہے اور ثبوت شرع میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل و تقریر سب سے حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی زمانہ نزول قرآن میں صحابہ کوئی کام کرتے رہے اور انہیں منع نہ کیا گیا مگر وہابی اس عظیم فرق سے بے خبر ہے اس لیے حکم و ثبوت اور نفی و ممانعت کو ایک ہی سمجھ رہا ہے۔

جاء الحق سے پانچواں جواب

عبادہ بن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی حدیث مسلم شریف میں موجود نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے حوالہ ملاحظہ ہو ترمذی میں اسی تمہاری حدیث

کے ساتھ ہے: قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ عِبَادَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هٰذَا الْحَدِیْثَ الزُّهْرِیُّ عَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَهٰذَا اَصَحُّ ۔ ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے (صحیح نہیں) یہ ہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ بن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں بلکہ حسن ہے اور اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو وہ خود بھی کر رہے ہو۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ مفتی صاحب کی عبارت دوبارہ غور فرمالیں کہ مفتی صاحب نے اعتراض تو یہ کرنا تھا کہ روایت عبادہ بخاری و مسلم میں نہیں مگر عبارت ایسی لکھتے ہیں: جس سے روایت کا مسلم میں ہونا لازم آتا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱ الجواب اوّلاً: وہابی صاحب خود تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سمجھ نہیں سکا خواہ مخواہ اعتراض کر دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ بخاری و مسلم نے عبادہ کی حدیث کو نقل نہیں کیا جب کہ مقتدی کو قرأت سے ممانعت کی حدیث مسلم میں موجود ہے ثانیاً عبارت میں لفظ کی کمی بیشی صاحب کتاب کی عدم توجہ سے بھی ہو سکتی ہے کاتب کی غلطی بھی تو یہ مصنف کی کم علمی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ خود غیر مقلد کی نام نہاد دین الحق میں کئی عبارتی غلطیاں موجود ہیں مثلاً اسی کے ص ۲۵۰ پر لکھتا ہے باب وجوب القراۃ الفاتحۃ خلف الامام ۔ اس میں القرأت مضاف اور الفاتحہ مضاف الیہ ہے اور از روئے قاعدہ مضاف پر الف لام نہیں آتا مگر غیر مقلد نے خلاف قاعدہ القراۃ مضاف پر الف لام داخل کیا ہے اور اسے اس کی عدم توجہ بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ جہالت ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ آپ نے یہ شرط کہاں سے نکال لی کہ حدیث صحیح کا

بخاری و مسلم میں ہونا شرط ہے جب کہ آنجناب نے ہی اس کے خلاف شرط رکھی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱۔

الجواب یہ تو مفتی صاحب نے فرمایا ہی نہیں کہ حدیث کی صحت کا مدار بخاری و مسلم پر ہے ان کا مقصد ہے کہ بخاری و مسلم میں تمہارے موقف کی حدیث کا مروی نہ ہونا بیان وہی کرتا ہے کہ امام بخاری و مسلم رضی اللہ عنہما کے شرائط پر روایت پوری نہیں اترتی ورنہ وہ اسے روایت کرتے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض۔ اس روایت کو امام بخاری نے جزء القرأت میں روایت کر کے اور اسے صحیح تسلیم کر کے اس سے احتجاج کیا ہے۔ الجواب اوّلاً: اگر امام بخاری نے اس روایت کو صحیح کہا ہوتا تو وہابی صاحب عبارت یہاں ضرور لکھتے ان کا اس عبارت کو نہ لکھنا ہی ثابت کرتا ہے کہ امام بخاری نے اسے صحیح نہیں فرمایا۔

ثانیاً: امام بخاری کا کسی روایت کو محض نقل کر دینا صحت کی دلیل نہیں کیونکہ جب کوئی بھی مصنف کسی مضمون کو لکھتا ہے تو اس مضمون کے متعلق تمام روایتوں کو زیر تحریر لاتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انہیں صحیح بھی مانتا ہو۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض: آپ کی پیش کردہ جملہ روایات میں سے ایک کو بھی شیخین نے روایت کرنا تو کجا متفق ہو کر صحیح بھی نہیں کہا تو کیا آپ ان روایات کو ضعیف تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ نام نہاد دین الحق ۲۶۱ الجواب اوّلاً غیر مقلد صاحب نے اعتراض میں ایسی عبارت لکھی ہے جو اس کی بے عقلی پر واضح دلیل کیونکہ اس کی عبارت سے سمجھا جاتا ہے کہ شیخین کا کسی حدیث کو متفق ہو کر صحیح کہنا اتنی بڑی بات نہیں جتنا بڑا ان کا اسے روایت کرنا ہے حالانکہ محض روایت کر دینا صحت روایت کو لازم نہیں کرتا۔

ثانیاً: وہابی جی کا کہنا کہ شیخین نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر کوئی حدیث روایت نہیں کی محض جھوٹ ہے ہم اس سے قبل انہیں کے غیر مقلد شوکانی صاحب سے حوالہ دے چکے ہیں کہ انہوں نے امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر حدیث لکھے

کے بعد کیا کہا۔ رواہ الخمسۃ الا الترمذی وقال مسلم ھو صحیح۔ اسے ترمذی کے سوا سب صحاح ستہ نے روایت کیا اور امام مسلم نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔ نیل الاوطار جزء ۲ ص ۲۲۲۔ غیر مقلد کا پانچواں اعتراض امام ترمذی نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ایک اور طریق الزہری عن محمود بن ربیع بیان کر کے لکھا ہے کہ عبادہ کی روایت جو کہ محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع سے مروی ہے کہ وہ زیادہ صحیح ہے محدث مبارک پوری فرماتے ہیں: قولہ ھذا اصح ای من حدیث عبادۃ المذکورۃ فی الباب من طریق ابن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع تحفۃ الاحوذی۔ امام ترمذی کا قول کہ وہ زیادہ صحیح ہے یعنی حدیث عبادہ جو کہ اسی باب میں مذکورہ ہے ابن اسحاق عن مکحول عن محمود بن ربیع کے طریق سے۔ مگر مفتی صاحب الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۲۶۱ الجواب دیکھنا یہ ہے کہ وہابی صاحب کا زیر بحث حدیث کی صحت کا دعویٰ نرا جھوٹ ہے علامہ نیموی اپنی آثار السنن کے باب فی القرأۃ خلف الامام میں یہی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت کی حدیث میں ضعف کی تین وجہیں

قَالَ النِّیْموی فِیْهِ مَکْحُوْلٌ وَهُوَ مُدَلِّسٌ رَوَاهُ مُعَنْعَنًا وَقَدِ اضْطَرَبَ فِیْ اِسْنَادِهٖ وَمَعَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَفَرَّدَ بِذِکْرِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ عِبَادَةَ فِیْ طَرِیْقِ مَکْحُوْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ وَهُوَ لَا یُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ فَالْحَدِیْثُ مَعْلُوْلٌ بِثَلَاثَةِ وُجُوْهٍ۔

علامہ محمد بن علی نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مکحول ہیں جو کہ تدلیس کرتے ہیں اور اس نے اس روایت میں عنعن کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے نیز محمود کے طریق میں عبادہ سے روایت کے بارے محمود بن ربیع کے ذکر میں محمد بن اسحاق نے تفرد کیا ہے پس حدیث ان وجوہ کے ساتھ معلول ہے۔ علامہ نیموی کے اسی بیان کے بعد غیر مقلد کا صحت کا دعویٰ باطل و جھوٹ ثابت ہوا۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا

آٹھواں اعتراض۔

اعتراض نمبر ۸: اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ فِی الْقِرَاْءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ عِنْدَ اَکْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔

جب اکثر صحابہ کا اس پر عمل ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ عَلَی الْهُدٰی وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ

اور ان میں سے بہت ہدایت پر ہیں۔ اور بہت پر گمراہی ثابت ہو گئی۔

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قرأت خلف الامام کے سخت خلاف ہیں حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البخاری)

حضرت انس فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جائے۔ (ابن حبان)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں: جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدبو بھر جائے۔ (ابن حبان)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں خاک ہو۔ (طحاوی شریف)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں۔ (طحاوی

شریف)

حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔ (موطا امام محمد عبدالرزاق)

حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہو۔ (موطا امام محمد عبدالرزاق)

حضرت عبداللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے کہتے ہیں کہ امام کی قرآت کافی ہے موطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ ۸۰ صحابہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے تھے دیکھو شامی فتح القدیر

وغیرہ اگر بعض روایات میں آ جائے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے انکا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا یا تو وہ روایات قابلِ ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اس پر وہابی کا اعتراض۔ مفتی جی کی خود ساختہ آیت ملاجی نے امام ترمذی کے حوالہ سے ایک اعتراض کیا ہے کہ اکثر صحابہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم نہ پڑھتے تھے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

(وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ عَلَى الْهُدٰى وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ)

ان میں سے بہت ہدایت پر ہیں اور بہت پر گمراہی ثابت ہو گئی۔

پوری دُنیا رضا خانیوں کو ہماری طرف سے عام دعوت ہے کہ قرآن سے اس خود ساختہ عربی کو ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ مگر یاد رکھئے کہ دُنیا میں کوئی قبر چاٹنے والا ہمیں اس کا وجود قرآن سے نہیں دکھا سکتا۔ (زلزلہ م نہاد دین الحق ۲۹۳)

الجواب اوّلاً: وہابی جی اس قدر بدحواسی کا شکار ہوا کہ اُردو کی آسان عبارت بھی نہیں سمجھ سکا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی کے قول کی بناء پر غیر مقلدوں کے اعتراض کا جواب رقم فرمایا مگر وہابی جی نے بدحواسی کی بناء پر اعتراض وجواب دونوں کو مفتی صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے آیت اپنے پاس سے گھڑی اور کہنا کہ بریلوی حضرات کو قرآن سے ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ فقیر کہتا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم سنی حنفی بریلوی وہابی نجدی ٹولے کی طرح ضدی نہیں کہ ایک غلطی پر پردہ ڈالنے کو طرح طرح کے جھوٹ وبہانیں تراشا شروع کر دیں بلکہ ہمیں تسلیم ہے کہ آیت لکھنے میں غلطی ہوئی ہے لیکن فقیر پورے وثوق سے کہتا ہے کہ ایسا سہواً ہے قصداً نہیں کیونکہ مفتی صاحب جیسا کوئی بھی ذمہ دار اور خوف خدا رکھنے والا مسلمان ایسا قصد نہیں کر سکتا۔ پھر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی حاجت ہی کیا جب کہ ان کا مدعی کہ کثرت حقیقی ہے اضافی نہیں قرآن مجید کے دوسرے مقام سے ثابت ہے۔ اس پر برائے مثال یہاں دو آیتیں ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہے: "وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْعَذَابُ" (سورۃ الحج آیت ۱۸)

سیاق کے اعتبار سے اس کا مفہوم ہے کہ لوگوں میں سے بہت اللہ کے فرمانبردار اور اس کے حضور جھکنے والے ہیں اور ان کے بہتوں پر شرک ونافرمانی کے سبب عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ نیز ارشاد ہے: "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا" (البقرۃ آیت ۲۶)

اللہ بہتوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت فرماتا ہے اب ان دونوں آیتوں میں دونوں جانب کے لوگوں کو کثیر فرمایا اس جگہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ کلیہ ثابت ہے کہ کثیر کی اضافت دونوں جانب حقیقی ہے یعنی دونوں طرف متعدد وکثیر ہیں اور اضافی نہیں اگر اضافی مانی جائے تو معنی ہوگا کہ دونوں طرف ایک دوسرے سے زیادہ ہیں تو ایسا ماننے سے دور لازم آتا ہے جو کہ عندالاصولیین باطل

ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ مفتی صاحب نے جو کلیہ بیان فرمایا وہ حق اور قرآن کریم سے ثابت ہے مگر کوے کی نظر چونکہ گندگی پر ہی پڑتی ہے اور وہابیوں کی بھی مرغوب غذا کوا ہے۔ اور غذا کا اثر طبیعتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے ان کو بھی خوبی نہیں بلکہ برائی اور عیب ہی نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کا جو علمی کلیہ قرآن مجید سے ثابت ہے وہ تو وہابی جی کو نظر نہ آیا مگر ایک سہواً غلطی کو اچھال کر اس پر شور مچانا شروع کر دیا۔ اس جگہ ہم بھی پوری قوم وہابیہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلیہ کو غلط ثابت کرنے پر منہ مانگا انعام پائیں۔

یہاں تک کا بیان غیر مقلد کے جاء الحق پر اعتراضات کے جوابات میں تھا اب اس کے مذہب کی حمایت میں دیئے گئے دلائل کا جواب ہوگا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

پہلی دلیل قرآن سے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔

(سورہ حجر آیت ۸۷)

اور ہم نے دی تجھ کو آیتیں وظیفہ اور قرآن بڑے درجہ کا۔ (۲ م نہاد دین الحق ص ۲۵۰)

الجواب اوّلاً: سبعا من المثانی ۔ آیہ مبارکہ کے مفسرین نے تین احتمال بیان کیے ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے دوسرا یہ کہ مراد پورا قرآن ہے کیونکہ اس میں ہر ایک نوع اپنے مقابل نوع سے مل کر دو ہے مثلاً امر نہیں سے مل کر حرام حلال سے وعدہ وعید سے اور انذار تبشیر سے تیسرا یہ کہ مراد طوال مفصل سورتیں ہیں اور یہ اصول مسلمہ ہے کہ: اِذَا جَاءَتِ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَتِ الْاِسْتِدْلَالُ۔ جب احتمال پایا جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

غیر مقلد کا استدلال اندھاپن ہے

ثانیاً: اگر مراد سورہ فاتحہ ہے تب بھی اس سے اس کی فضیلت ثابت ہوگی نہ کہ فرضیت کیونکہ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ بطور مدح ہے بطور امر نہیں جب کہ فرضیت امر سے ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے غیر مقلد کا سورۃ فاتحہ کی نماز میں فرضیت پر استدلال کرنا اندھاپن ہے۔ غیر مقلد کا دوسری آیت سے استدلال (فَاقْرَءُوْا مَا

تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ) پڑھو جو آسان ہو قرآن سے۔ اس آیت سے علماء احناف نے مطلق قرأت کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ (ھدایہ مع فتح القدیر)

ان کے نزدیک یہ آیت قطعی ہے اس کا کوئی ناسخ بھی موجود نہیں ہے اور یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے تبھی تو فقہ حنفی کی اصول کی کتابوں میں اس آیت کو واذا قرئ القرآن کے معارض بتا کر سنت کی طرف رجوع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۲ م نہاد دین الحق ص ۲۵۱)

الجواب اوّلاً: اب خود ہی اپنے جال میں صیاد آ گیا۔ اگر آپ کے نزدیک فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ کے عموم میں مقتدی بھی ہے تو اسے فاتحہ کے ساتھ اور سورت پڑھنے سے کیوں منع کرتے ہو وہ بھی تو قرآن ہے۔

ثانیاً: اگر اس کے عموم مانتے ہو تو سورۃ فاتحہ کا بطور فرض کس لیے تعین کرتے ہو جب کہ عموم کا تقاضا ہے جہاں سے قرآن پڑھنا آسان و میسر ہو پڑھو۔ ثالثاً بہت بڑی فریب کاری اور واضح تضاد ہے کہ ایک طرف تو احناف کے استدلال کو مانتے نہیں ہو اگر مانوں تو سورۃ فاتحہ بطور فرض تعین کیوں کرو مگر جب اپنے مذہب کو دلیل درکار ہو تو احناف کا استدلال بطور دلیل پیش کرتے ہو۔ رابعاً: زیر بحث آیت کے عموم سے صرف ہم احناف ہی مقتدی کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ امام مالک اور اس کے زمانہ کے علمائے مدینہ بھی آیہ اذا قرئ القرآن کے پیش نظر جہری نمازوں میں مقتدی کو مخصوص کرتے تھے اور مقتدی کو قرأت سے منع فرماتے تھے اور خود غیر مقلدین بھی سورۃ ملانے کے بارے مقتدی کو آیہ مبارکہ کے عموم سے مخصوص کرتے ہیں۔

غیر مقلد کا تیسری آیت سے استدلال۔

(وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی) سورۃ النجم آیت ۳۹

ہر انسان کو اس کی کوشش ہی کام آئے گی۔ الجواب اوّلاً

غیر مقلد کے آیت سے استدلال کا جواب

وہابی صاحب نے مذکورہ آیت سے وجہ استدلال نہیں بیان کی کہ اس کا کونسا لفظ

امام کے پیچھے مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتا جب کہ کلام اس کا مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنے میں ہے۔

ثانیاً: اگر وہابی صاحب کی مراد ہے کہ آیہ مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ ہر آدمی کو اپنی کوشش کا فائدہ اور ثواب ہوگا لہذا مقتدی بھی فاتحہ پڑھے گا تو اس کی نماز ہوگی ورنہ نہیں ہوگی تو فقیر کہتا ہے پھر فاتحہ کے ساتھ مقتدی کو سورۃ ملانے سے کیوں منع کرتے ہو وہ بھی تو واجب ہے بلا پڑھے اس کا واجب کیسے ادا ہوگا۔

ثالثاً: جیسے پڑھنا قاری کی کوشش وفعل ہے ایسے ہی سننا سامع کی کوشش وفعل اور اللہ تعالیٰ کے اس امر کو بجالاتا ہے۔ جو فرمایا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ آپ کی پیش کردہ آیت ماسعیٰ کے تحت امام کے پیچھے قرأت سننے والے کو ثواب ملنا چاہیے اگر نماز قبول نہ ہو تو اسے ثواب کیا ملا وہابی جی کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ایسی بے تکی دلیلیں وہابیوں کو ہی دیا کریں اگر اوروں کو دیں گے تو اپنی بے عقلی ہی ظاہر کریں گے۔ غیر مقلد کا چوتھی آیت سے استدلال۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً۔ (سورۃ الاعراف آیت ۲۰۵)

''اور ذکر کر اپنے رب کا آہستہ عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے''۔

اس آیت سے قبل چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے اس لیے یہاں بتلایا گیا ہے کہ آہستہ پڑھو اور آہستہ پڑھنا انصاف اور سماع کے منافی نہیں ہے۔

(نام نہاد دین الحق ۲۵۱)

نوٹ: اصل میں انصات تھا جسے وہابی نے انصاف لکھ دیا۔

الجواب اوّلاً: وہابی جی نے آیہ مبارکہ کو اپنے مذہب کے تابع کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر اہل شعور جان لیں گے کہ یہ آیہ مبارکہ وہابی مذہب کو ہرگز مفید نہیں کیونکہ ارشاد ہے واذکر ربک اپنے رب کا ذکر کر۔ اور ذکر متعدد چیزوں کو شامل ہے۔ تسبیح وتہلیل دعا وقرأت ذکر قلبی ولسانی سب اس میں داخل ہیں ثبوت کے لیے تفسیر روح البیان وتفسیر نسفی اور صاوی کو ملاحظہ کریں مذکورہ تمام چیزوں سے صرف فاتحہ خلف

الامام کی تخصیص کرنا ترجیح بلا مرجح ہے جو عند اہل الاصول لا یجوز کے تحت آتی ہے۔

ثانیاً: اگر آیہ مبارکہ سے مراد قرأت خلف الامام لو تو پھر اس میں وہ کونسا اشارہ ہے جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی تو اجازت دیتا ہے لیکن آگے پڑھنے کو مانع ہے؟ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر امام کے پیچھے فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ ملایا بھی کرو۔

ثالثاً: غیر مقلدین مل کر بتائیں کہ زیر بحث آیت سے کس معتبر محدث مفسر نے فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو پھر اپنے مذہب کی خاطر تفسیر بالرائے سے باز رہو اللہ سے ڈرو۔

رابعاً: ''وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ'' میں امام کی قرأت خاموشی سے سننے کا حکم صریح ہے تو صریح کے مقابلہ میں مجمل سے استدلال کرنا اصول وعقل کے خلاف ہے۔

خامساً: وہابی صاحب نے اپنے کہے کو خود جھٹلا دیا کیونکہ قبل ازیں اس صاحب نے آیہ مبارکہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ کو کفار کے متعلق ثابت کرنے کو ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے لیکن اب چونکہ اپنے خود ساختہ مذہب کو ثابت کرنا تھا تو پہلے کے خلاف کہہ دیا کہ اس آیت سے قبل چونکہ قرآن پاک سننے کا حکم ہے اس لیے یہاں بتلایا گیا کہ آہستہ پڑھو اور آہستہ پڑھنا انصات وسماع کے منافی نہیں۔ قرآنی آیات کے جواب کے بعد اب فریق ثانی کی اپنے موقف پر پیش کردہ احادیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ واضح رہے کہ دلائل کے میدان میں وہابی صاحب نے اپنے موقف پر کہ امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ پڑھنا فرض ہے بزعم خود بارہ حدیثیں شمار کیں ہیں ان کے نقلی وعقلی جوابات حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافی وافی وشافی دیے ہیں۔ مگر طائفہ وہابیہ غیر مقلدہ کی عادت قدیمہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر ضعیف دلیل کو بھی نص قطعی کے مقام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے خلاف نص قویہ کو بھی ضعیف وموضوع کہہ دیتے ہیں فقیر بفضلہ تعالیٰ دلائل کی روشنی میں ثابت کرتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ درست

نہیں۔

اوّلاً: فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائلین وہ احادیث جنہیں وہ اپنے موقف پر پیش کرتے ہیں جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ: لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت: مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَّمْ یَقْرَءْ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ۔ اور اس کے مشابہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کہ: قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نَقْرَءَ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَمَا تَیَسَّرَ۔ اور رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جس کے الفاظ ہیں: ثُمَّ اقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ اقْرَءْ بِمَاشِئْتَ۔ ان روایتوں کو علامہ نیموی اپنی آثار السنن میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

غیر مقلدوں کے امام کے پیچھے فرضیت فاتحہ پر دلائل کے ضعف کا بیان

وَفِی الْاِسْتِدْلَالِ بِھٰذِہِ الْاَحَادِیْثِ نَظَرٌ۔ یعنی ان حدیثوں سے دلیل پکڑنے میں نظر ہے خود ہی نظر کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قُلْتُ قَالَ التِّرْمِذِیُّ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَعْنٰی قَوْلِہِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ اِذَا کَانَ وَحْدَہٗ وَقَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ سُفْیَانُ لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَہٗ۔ قُلْتُ وَالْاَوْلٰی اَنْ یُّقَالَ اِنَّ ھٰذَا الْحُکْمَ لِمَنْ کَانَ ضَامِنًا لِّلصَّلٰوۃِ وَمُتَکَفِّلًا لَّھَا اِمَامًا کَانَ اَوْمُنْفَرِدًا وَیُؤَیِّدُہٗ مَارَوَاہُ مُسْلِمٌ وَّفِیْ رِوَایَۃِ النَّسَائِیِّ مِنْ طَرِیْقِ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ فِیْ اٰخِرِ حَدِیْثِ الْبَابِ لَفْظُ فَصَاعِدًا"۔

"التعلیق علی آثار السنن میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی کا معنی ہے کہ جب اکیلا ہو اور ابوداؤد نے کہا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا یہ حکم اس کا ہے جس نے اکیلے نماز

پڑھی میں کہتا ہوں اولی یہ ہے کہ کہا جائے یہ حکم اس کے لیے ہے جو نماز کا ضامن اور اس کا ذمہ دار ہو امام ہو یا منفرد اور اس کی تائید کرتا ہے جسے امام مسلم نے ایک روایت میں روایت کیا اور نسائی نے معمر عن زہری کے طریق سے حدیث کے آخری لفظ ہیں"۔

فصاعدا یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ زیادہ اس میں احمد اور امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تصریح سے اظہر من الشمس ہوا کہ یہ حکم جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اس وقت ہے جب کوئی امام یا منفرد ہو مقتدی شامل نہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم احناف بھی مانتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ امام و منفرد پر واجب ہے فرض نہیں۔

ثانیاً: فاتحہ خلف الامام کی فرضیت و رکنیت کے قائلین کا موقف اس لیے بھی ضعیف ہے کہ جو دلائل وہ اس کی فرضیت و رکنیت ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے بعض سے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا منع ثابت ہوتا ہے اور بعض سے جہری وسری سب میں پڑھنا ثابت ہوتا اب جو جہری وسری دونوں طرح کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں وہ قرآن و حدیث سے ان دلائل کا خلاف کرتے ہیں جس سے واضح طور پر امام کے پیچھے قرأت کا منع ثابت ہے اور ان کا خلاف بھی جن سے جہری نمازوں میں منع ثابت۔

مثلاً نسائی جزء اول ص ۱۳۶ پر ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَاءَۃِ فَقَالَ ھَلْ قَرَءَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ اٰنِفًا قَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَۃِ مِنَ الصَّلٰوۃِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِکَ۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے جس میں قرآن بلند پڑھا جاتا ہے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرات کی ہے؟ ایک شخص عرض گزار ہوا ہاں یا رسول اللہ فرمایا: تبھی میں کہتا ہوں مجھے کہ کیا ہے کہ میں قرآن سے جھگڑتا ہوں پس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے قرات سے رک گے ان نمازوں میں جن میں آپ جہر قرات کرتے تھے"۔ جب انہوں نے یہ ارشاد سنا"۔

امام کے پیچھے فاتحہ کے بارے مذاہب آئمہ

ثالثاً: آئمہ اربعہ میں سے صرف امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جدید قول کے مطابق فاتحہ خلف الامام جہری وسری سب فرض نمازوں میں وجوب کے قائل ہیں قدیم قول ان کا بھی تھا کہ جہری نماز میں مقتدی پر فاتحہ واجب نہیں مگر آخر زندگی وفات سے دو سال قبل جب آپ مصر میں قیام پذیر ہوئے نیا قول یہ فرمایا کہ جہری نمازوں میں بھی مقتدی پر فاتحہ واجب ہے۔ اسی نئے قول پر ہی شوافع کے ہاں عمل ہے۔ مہذب میں ہے:

"وَهَلْ يَجِبُ عَلَى الْمَامُوْمِ؟ يُنْظَرُ فِيْهِ وَاِنْ كَانَ فِيْ صَلٰوةٍ يُسِرُّ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ وَجَبَتْ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ فِيْ صَلٰوةٍ يُجْهَرُ فِيْهَا فَفِيْهِ قَوْلَانِ قَالَ فِي الْاُمِّ وَالْبُوَيْطِيْ وَقَالَ فِي الْقَدِيْمِ لَا يَقْرَءُ"۔

ملخصاً: ادلۂ کاملہ۔ص ۶۳ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ اس میں دیکھا جائے گا اگر وہ سری نماز ہے تو مقتدی پر فاتحہ واجب ہے اور اگر نماز جہری ہے تو اس میں امام شافعی سے دو قول ہیں کتاب الام اور بویطی میں کہا واجب ہے۔ اور ان کا قدیم قول ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں فاتحہ نہ پڑھے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ اگر مقتدی جہری نماز میں امام کی قرات سنتا ہو تو فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور سری نماز اور جب امام کی قرات نہ سنتا ہو فاتحہ پڑھنا مقتدی کے لیے مستحب ہے واجب نہیں۔ مختصر الخرقی میں ہے:

وَالْمَامُوْمُ اِذَا سَمِعَ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ فَلَا يَقْرَءُ بِالْحَمْدِ وَلَا بِغَيْرِهَا وَالْاِسْتِحْبَابُ اَنْ يَقْرَءَ فِيْ سَكَتَاتِ الْاِمَامِ فِيْمَا لَا يَجْهَرُ فِيْهِ فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ صَلٰوتُهٗ تَامَّةٌ لِاَنَّ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔

(المغنی۔ ج ۱ ص ۶۰۲)

"مقتدی جب امام کی قرات سن رہا ہو تو نہ سورہ فاتحہ پڑھے نہ کوئی اور سورۃ اور امام کے سکتوں کے درمیان اور سری نماز میں فاتحہ پڑھنا مستحب ہے پس اگر مقتدی نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز تام ہے کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات اس کے لیے بھی قرات ہے"۔

امام احمد نے استدلال کر کے صحت حدیث کی تصدیق کر دی

فائدہ مندرجہ بالا عبارت کے آخر میں دی گئی حدیث سے امام احمد بن حنبل کا استدلال کرنا ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح و قابل استدلال ہے۔ امام مالک کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرنا مکروہ ہے خواہ وہ امام کی قرات سنتا ہو یا نہ اور سری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا مستحب ہے فرض و رکن نہیں چنانچہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے۔ اَلْمَالِكِيَّةُ قَالُوْا تُكْرَهُ الْقِرَاءَةُ لِلْمَامُوْمِ فِي الصَّلٰوةِ الْجَهْرِيَّةِ وَاِنْ لَمْ يَسْمَعْ اَوْ سَكَتَ الْاِمَامُ۔ (ج ۱ ص ۲۵۴)

مالکیہ کہتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرات مکروہ ہے۔ اگرچہ وہ امام کی قرات نہ سنتا ہو یا امام نے سکتہ کیا ہو اس بیان سے واضح ہوا کہ غیر مقلدین کا موقف کہ جہری و سری سب میں خلف الامام فاتحہ پڑھنا ہے اس سے قرآن و حدیث سے ان دلائل کا خلاف لازم آتا ہے جن میں امام کے پیچھے قرات مطلقاً منع ہے اور ان کا خلاف بھی جن میں جہری میں منع ثابت ہے اور امام شافعی کے علاوہ اور کوئی امام بھی جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل نہیں۔ مگر وہابی صاحبان کو اپنی ضد پر اڑے رہنے کی عادت ہے جو کہ ایک لاعلاج مرض ہے۔ یاد رہے کہ غیر مقلد نے اپنے موقف پر پیش کی گئی روایتوں کی صحت کے بہت بلند بانگ دعوے کیے ہیں دیکھنا یہ ہے

کہ اس میں حقیقت کس قدر ہے اس صاحب نے اپنے مذہب پر کہ مقتدی پر بھی فاتحہ پڑھنا فرض ہے کل بارہ حدیثیں پیش کی ہیں ان میں سے چھ صرف عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن کہ اسناد کے ضعف اور لفظی و معنوی اضطراب و اختلاف کے سبب علامہ نیموی نے حدیث عبادہ کو تین وجوں سے معلول اور نا قابل حجت کہا ہے۔

غیر مقلدوں کی فاتحہ خلف امام پر پیش کردہ حدیث میں ضعف

ملاحظہ اولاً: قَالَ النِّيْمَوِيُّ فِيْهِ مَكْحُوْلٌ وَهُوَ يُدَلِّسُ رَوَاهُ مُعَنْعَنًا وَقَدِ اضْطَرَبَ فِيْ إِسْنَادِهِ وَمَعَ ذٰلِكَ قَدْ تَفَرَّدَ بِذِكْرِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عِبَادَةَ فِيْ طَرِيْقِ مَكْحُوْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ وَهُوَ لَا يُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ فَالْحَدِيْثُ مَعْلُوْلٌ بِثَلَاثَةِ وُجُوْهٍ۔ (آثار السنن ص ۷۱)

"علامہ نیموی نے کہا کہ اس کی سند میں مکحول ہے اور وہ تدلیس کرتا ہے اور اس نے اسے معنعن سے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب اور اس کے ساتھ ساتھ عبادہ سے مکحول کے طریق میں محمود بن ربیع کے ذکر میں محمد بن اسحاق نے تفرد کیا اور وہ روایت قابل حجت نہیں جس وہ تفرد کرے پس حدیث تین وجوہ سے معلول ہے"۔

ثانیاً: تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۰ پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مَكْحُوْلُ الشَّامِيُّ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُقَالُ أَبُوْ أَيُّوْبَ وَيُقَالُ أَبُوْ مُسْلِمٍ الْفَقِيْهُ الدِّمَشْقِيُّ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَثَوْبَانَ وَعِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأُمِّ أَيْمَنَ وَأَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ مُرْسَلًا"۔

"مکحول شامی ابوعبد اللہ اور ابوایوب بھی کہا جاتا ہے اور ابومسلم بھی فقیہ دمشقی ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسل روایت کی ہے۔ اور

ابی بن کعب اور ثوبان اور عبادہ بن صامت اور ابوہریرہ اور حضرت عائشہ اور ام ایمن اور ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہم سے مرسل روایتیں کی ہیں"۔

اور مرسل روایت پر غیر مقلد کو سخت اعتراض ہوتا ہے۔ ثالثاً۔ میزان الاعتدال میں بھی مکحول کو متکلم فیہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (ج ۴ ص ۱۷۷)

لسان المیزان میں مکحول کا کثیر صحابہ سے مرسل روایت کرنا ذکر کیا گیا ہے رابعاً اب مکحول کے استاد نافع بن محمود کا حال ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال جز ۴ ص ۲۴۲ پر علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

نَافِعُ بْنُ مَحْمُوْدِ الْمَقْدِسِيُّ عَنْ عِبَادَةَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ وَعَنْهُ حَرَامُ بْنُ حَكِيْمٍ لَا يُعْرَفُ بِغَيْرِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَا هُوَ فِيْ كِتَابِ الْبُخَارِيِّ وَابْنِ أَبِيْ حَاتِمٍ ذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ وَقَالَ حَدِيْثُهُ مُعَلَّلٌ وَرَوٰى عَنْهُ مَكْحُوْلٌ۔

"ایضاً: یعنی نافع بن محمود المقدسی نے عبادہ بن صامت سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق روایت کی اور اس سے حرام بن حکیم روایت کرتے ہیں مگر اس ایک حدیث کے علاوہ کہیں پہچانے نہیں جاتے اور وہ بخاری کی سند میں نہیں ہیں اور نہ ہی ابن ابی حاتم نے سند میں ان کا ذکر کیا اور ابن حبان نے نافع کا ذکر ثقات میں کیا ہے مگر اس کی حدیث کو معلل کہا ہے اور ان سے وہ معلل حدیث مکحول نے روایت کی ہے"۔

خامساً: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نافع کو مستور الحال کہا ہے۔ تقریب التہذیب (ج ۳ ص ۲۳۹)

سادساً: نافع اپنے باپ محمود بن ربیع سے روایت کرتے ہیں مگر ان کی حدیث کا متن محمود بن ربیع کی حدیث سے مختلف ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ دو حدیثیں ہیں۔ تہذیب التہذیب۔ (ج ۱۰ ص ۳۱۰)

سابعاً: صحیح ابن خزیمہ اور جامع ترمذی کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحٰق ہے اس

میں محدثین کو سخت کلام ہے۔ ملاحظہ کو میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۴۶۰

ثامنا: صاحب جوہر النقی فرماتے ہیں:

وَالْكَلَامُ فِیْ اِبْنِ اِسْحٰقَ مَعْرُوْفٌ وَالْحَدِیْثُ مَعَ ذٰلِكَ مُضْطَرِبٌ۔ الجوہر النقی مع البیہقی۔ (ج ۲ ص ۱۶۲)

اور ابن اسحٰق میں محدثین کا کلام مشہور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث مضطرب ہے۔

تاسعا: ابن خزیمہ کی اسی حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل ہے جو کہ غیر مقلدوں کی دلیل سینے پر ہاتھ باندھنے کا بھی راوی ہے اس کے متعلق خود غیر مقلدوں کے مولوی ناصر صاحب لکھتے ہیں: اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ لِاَنَّ مُؤَمَّلًا وَهُوَ ابْنُ اِسْمٰعِیْلَ سَیِّئُ الْحِفْظِ۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۳)

یعنی اس کی سند ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں مؤمل ہے اور وہ اسمٰعیل بیٹا ہے جو کہ خراب حافظہ والا ہے۔ عاشرا: علامہ ابن حجر عسقلانی۔

تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۳۱ پر اسی مؤمل کے متعلق لکھتے ہیں: وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَدُوْقٌ شَدِیْدٌ فِی السُّنَّةِ كَثِیْرُ الْخَطَاءِ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ مُنْكَرُ الْحَدِیْثِ۔

یعنی ابو حاتم نے کہا مؤمل سچا ہے سنت کا بہت عامل ہے مگر غلطیاں بہت کرتا ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے اب غیر مقلدوں کو چاہیے اگر وہ امام بخاری کے سچے عقیدت مند ہیں تو سینے پر ہاتھ باندھنا ترک کر دیں اور عبادہ بن صامت کی زیر بحث روایت کی سند کو ضعیف مان لیں مگر ایسی امید ان سے عبث ہے جو اپنا مذہب بچانے کو صحیح حدیث کو بھی ضعیف و موضوع قرار دیتے ہوں۔ احدیٰ عشر۔ فریق ثانی کی دلیل کی مسلم کی سند میں ایک راوی ابو طاہر جسے خود غیر مقلد نے مجہول کہہ کر قبول نہیں کیا۔ تمام نہاد دین الحق ص ۵۳۲ دوسری حدیث غیر مقلد صاحب کی حدیث

لفظ خداج پر بحث

نمبر ۲ تا ۵ کے تحت حضرت ابوہریرہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت

عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہے سب کی روایتوں میں خداج کے لفظ موجود ہیں یعنی جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص و ناتمام ہے کیونکہ لغات کے اعتبار سے بھی خداج کا معنی ناقص ناتمام ہے اور پھر خود صاحب کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداج کی تفسیر ناتمام سے کی اور یہ حدیث دو وجوں سے خود مخالفین کے خلاف ہے اول وجہ خلاف ہونے کی یہ ہے کہ ناقص و ناتمام واجب کے ترک سے ہوتی ہے۔

فرض کے ترک سے نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں جب کہ غیر مقلدین فاتحہ پڑھنا فرض و رکن کہتے ہیں ثانی اس لیے خلاف ہے کہ حدیث میں ذکر نہیں کہ مقتدی بھی فاتحہ پڑھے مگر حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ذکر ہے تو وہ ان کے اپنے الفاظ ہیں اور اس نے دوسری روایت پر قیاس کیا ہے جب کہ غیر مقلدین اس سے مقتدی پر بھی فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں غیر مقلد کی بیان کردہ تیسری حدیث جسے اس نے حدیث نمبر ۱۱ کے تحت لکھا ہے یوں ہے کہ محمد بن ابی عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ قَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا اَنْ یَقْرَءَ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ شاید تم اس وقت پڑھتے ہو جب امام قرأت کر رہا ہوتا ہے صحابہ نے عرض کیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھا کرو۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۶۴)

وہابیوں کا ضعیف روایت سے استدلال

الجواب اوّلاً: مذکورہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے علامہ نیموی یہی حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاٰخَرُوْنَ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ۔ آثار السنن ص ۱۷۷ اسے امام احمد اور بعضوں نے روایت کیا ہے مگر سند اس کی ضعیف ہے۔

ثانیاً: اسی کے تحت التعلیق الحسن میں فرماتے ہیں: رَوَاهُ عَنْ رَجُلٍ مِنْ

الصَّحَابَةِ مُعَنْعَنًا لَمْ يُصَرِّحْ بِالسَّمَاعِ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَهٗ حَتّٰى يُنْظَرَ اَنَّهٗ اَدْرَكَ زَمَانَ ذٰلِكَ الرَّجُلِ اَمْ لَا وَالْمُعَنْعَنَةُ لَا تُقْبَلُ اِلَّا اِذَا رَوَاهُ الرَّاوِيُّ غَيْرُ مُدَلِّسٍ مِنْ مُعَاصِرِهٖ لِاَنَّ الْمُعَاصِرَةَ تُشْتَرَطُ فِي الْعَنْعَنَةِ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَاللِّقَاءِ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ وَاِذَا لَمْ تَثْبُتِ الْمُعَاصِرَةُ فَلَا يَخْلُوْ مِنْ مُظَنَّةٍ۔ یعنی محمد بن ابی عائشہ نے اسے صحابہ میں سے کسی سے عنعن سے روایت کیا ہے اور اس میں سماعت کی تصریح نہیں اور صحابی کا نام بھی ذکر نہ کیا کہ اسے دیکھا جاتا آیا اس نے اس صحابی کا زمانہ پایا یا نہیں اور عنعن والی روایت اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک کی راوی غیر مدلس نہ ہو اس لیے کہ عنعن کے قبول کرنے میں امام مسلم کے نزدیک ہم عصر ہونا شرط ہے۔

جب کہ امام بخاری کے ہاں ملاقات بھی شرط ہے اور جب معاصرۃ ثابت نہ ہو تو ظن سے خالی نہیں یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔ غیر مقلد کی پیش کردہ بارہویں دلیل: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

"اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ فِيْ صَلٰوتِكُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَالْاِمَامُ يَقْرَءُ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَوْ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا لِيَقْرَءْ اَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِيْ نَفْسِهٖ"۔

"بلا شبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام کی قرأت کی حالت میں تم بھی قرأت کرتے ہو؟ صحابہ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار کہا تو صحابہ نے عرض کی ہاں فرمایا نہ پڑھا کرو امام کے پیچھے مگر صرف سورۃ فاتحہ علامہ ہیثمی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں"۔ (نام نہاد دین الحق ص ۲۶۵)

غیر مقلدوں کی دلیل میں ضعف کا بیان

الجواب اوّلاً: امام بیہقی نے اپنی سنن بیہقی میں زیر بحث روایت کو دو طریقوں سے بیان کیا ہے ایک ابوقلابہ سے مرسل اور دوسرا مرفوع پھر بطور تنقید فرماتے ہیں: وَقَدْ قِيْلَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ ج ۲ ص ۱۶۶ اور کہا ہے کہ ابوقلابہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے اور یہ محفوظ نہیں۔

ثانیاً: مذکورہ روایت غیر محفوظ ہونے کے علاوہ متناً و اسناداً مضطرب بھی ہے؟ چنانچہ اعلاء السنن ج ۴ ص ۱۰۴ پر ہے: قُلْتُ هٰذَا اَيْضًا مُضْطَرِبُ الْاِسْنَادِ وَالْمَتْنِ فَاِنَّ كَثِيْرًا مِنَ الثِّقَاتِ رَوَاهُ عَنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَمِنْهُمْ مَنْ رَوَاهُ عَنْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَظْهَرُ مِنْ كِتَابِ الْقِرَاءَةِ لِلْبَيْهَقِيِّ وَعَلَّلَ الْبَيْهَقِيُّ طَرِيْقَةَ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا فِيْ سُنَنِهٖ فَقَالَ قَدْ قِيْلَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔ یعنی میں کہتا ہوں یہ روایت متن اور سند دونوں اعتبار سے مضطرب ہے کثیر ثقات نے اسے ایوب سختیانی سے اس نے ابوقلابہ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اور کچھ نے ابوقلابہ سے اس نے انس سے حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے جیسا کہ بیہقی کی کتاب القرآۃ سے ظاہر ہے اور امام بیہقی نے ابوقلابہ کی سند جو انس سے مرفوع ذکر ہوئی ہے کو معلل کہا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوا کہ روایت کے دونوں طریق قابل حجت نہیں کیونکہ ایک مرسل ہے دوسرا معلل وغیر محفوظ یہاں تک بفضلہ تعالیٰ غیر مقلدین کی طرف سے اپنے مذہب پر پیش کردہ احادیث کا جواب ہوا اب ان کی طرف سے پیش کردہ آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر مختصراً بحث ہوتی ہے۔ اوّلاً غیر مقلد کو آثار صحابہ اپنے مذہب پر دلیل بنا مناسب نہیں کیونکہ زیر بحث باب میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل پر اعتراضات کے ضمن میں در پردہ اس نے آثار صحابہ کی حجیت کا انکار کیا ہے مگر بہانہ یہ بنایا کہ احناف کے درمیان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال

واقعال کو حجت ماننے یا نہ ماننے میں اختلاف ہے آغاز کلام میں لکھتا ہے کہ رہا صحابی کا قول وعمل تو اس کے بارہ میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں اس اختلاف سے قطع نظر یہاں صرف علمائے احناف کے مسلک کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

(ءام نہاد دین الحق ۲۴۳)

اس بحث کے آخر میں غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں: یہ ہے آثار صحابہ کے متعلق علمائے احناف کے مسلک کی مختصر وضاحت مگر افسوس مؤلف جاء الحق زیر بحث مسئلہ میں بھی صحابہ کے اقوال کی حجیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ وہابی جی کے کلام بے لگام کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاذ اللہ مفتی صاحب کو مناسب نہیں تھا کہ وہ اقوال صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو دلیل بناتے مگر جب وہابی جی کو اپنا مذہب ثابت کرنے کی ضرورت در پیش آئی تو صحابہ کرام کے آثار کے بعد تابعین کے ناموں کی فہرست بطور دلیل پیش کر دی کہ یہ حضرات بھی قرأت خلف الامام کے قائل تھے بہر حال وہابی صاحب نے جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف آثار منسوب کیے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق
۲- امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ
۳- حضرت ابی بن کعب
۴- حضرت عبد اللہ ابن مسعود
۵- حضرت ابو ہریرہ
۶- حضرت عبد اللہ بن عمر
۷- حضرت ابو سعید خدری
۸- حضرت انس
۹- حضرت جابر بن عبد اللہ
۱۰- حضرت ابن عباس
۱۱- حضرت ابو درداء

۱۲- حضرت عبادہ بن صامت
۱۳- حضرت عبد اللہ بن مغفل
۱۴- حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

"الجواب بعون اللہ الوھاب وھو موفق بالصواب"

اولاً جن چودہ صحابہ کرام کے آثار غیر مقلد نے اپنے مذہب پر بطور دلیل پیش کیے ہیں ان میں سے اکثر غیر مقلدوں کے خلاف ہیں کیونکہ غیر مقلدوں کے نزدیک سری و جہری سب نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ جب کہ ان کے پیش کردہ آثار میں ہے۔ حضرت علی ابن مسعود حضرت جابر ابن عباس ابن عمر۔ عبد اللہ بن مغفل حضرت ابوہریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے صرف سری نماز میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت ہے۔

ثانیاً: غیر مقلدین امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں مقتدی کو اور سورۃ پڑھنے سے منع کرتے ہیں مگر ان کے پیش کردہ آثار میں سے عبد اللہ بن مغفل ابوہریرہ حضرت عائشہ حضرت جابر حضرت انس ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار میں فاتحہ کے ساتھ امام کے پیچھے اور سورۃ پڑھنے کا بھی ثبوت ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ جن آثار صحابہ پر مقلد خود عمل نہیں کرتے ان کے خلاف چلتے ہیں انہیں کو بوقت ضرورت اپنی دلیل بھی بناتے ہیں۔

ثالثاً: امام کے پیچھے قرأت کے منع پر ہمارے پاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے واضح ارشادات موجود ہیں جن کو قرآن و سنت کی تائید حاصل ہے ملاحظہ ہوں: عبد اللہ بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرماتے سنا کہ: مَنْ قَرَءَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَاءَ الْفِطْرَۃَ ۔ مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳۷ جس نے امام کے پیچھے تلاوت کی اس نے سنت کے خلاف کیا۔

نماز میں امام کی قرأت کافی ہے ابن مسعود کا ارشاد

بیہقی ج ۲ ص ۱۶۰ پر ہے کہ ایک شخص نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام

کے پیچھے قرأت کا پوچھا آپ نے فرمایا: اَنْصِتْ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شُغُلًا وَسَیَکْفِیْکَ ذَاکَ الْاِمَامُ۔ یعنی قرآن سننے کے لیے خاموش رہو بے شک نماز میں توجہ چاہیے اور وہ امام تجھے کافی ہے۔

اس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے بارے علامہ نیموی۔ اپنی آثار السنن میں فرماتے: رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور اسناد اس کی حسن ہے۔ نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے: مَنْ صَلّٰی وَرَاءَ الْاِمَامِ کَفَاہُ قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ ھٰذَا ھُوَ الصَّحِیْحُ مِنْ قَوْلِہٖ اِبْنِ عُمَرَ۔ (بیہقی ج ۲ ص ۱۶۱)

جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح منقول ہے۔

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے حضرت جابر کا ارشاد

الجوہر النقی مع البیہقی پر اسی جگہ صاحب الجوہر النقی فرماتے ہیں کہ:

"قُلْتُ الصَّحِیْحُ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الْمُؤْتَمَّ لَا یَقْرَءُ مُطْلَقًا کَمَا صَرَّحَ بِہِ الْبَیْہَقِیُّ اَوَّلًا وَقَالَ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ فِی الْمُصَنَّفِ۔ ثَنَا وَکِیْعٌ عَنِ الضَّحَّاکِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ وَھٰذَا اَیْضًا سَنَدُہٗ صَحِیْحٌ مُتَّصِلٌ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ"۔

"میں کہتا ہوں کہ روایت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح مروی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے مطلقاً قرآن نہ پڑھے جیسا کہ امام بیہقی نے پہلے اس کی تصریح فرمائی ہے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بیان کیا کہ ہمیں وکیع نے ضحاک بن عثمان سے اس نے عبید اللہ بن مقسم سے اس نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اس نے فرمایا کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے اور یہ روایت امام مسلم کی شرط پر صحیح متصل سند

سے ہے"۔

عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بیان کیا ہے کہ فرمایا: لَیْتَ فِیْ فَمِ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ حَجَرٌ۔ کاش ایسے شخص کے منہ میں پتھر ہو جو امام کے پیچھے پڑھے۔

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے ابن عباس کا فتویٰ

آثار السنن کے ص ۸۵ پر علامہ نیموی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد بیان کیا ہے: عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ قَالَ قُلْتُ لِاِبْنِ عَبَّاسٍ اَقْرَءُ وَالْاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ فَقَالَ لَا رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔ حضرت ابو جمرہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ جب امام میرے سامنے موجود ہو تو اس کے پیچھے قرأت کر لیا کروں فرمایا نہ کرو۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے اور اسناد اس کی حسن ہے فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے ص ۲۵ پر ہے کہ:

"فَقَدْ رَوٰی مَالِکٌ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ وَھْبِ بْنِ کَیْسَانَ اَنَّہٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی رَکْعَۃً لَمْ یَقْرَءْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَا یُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ۔ وَعَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ مِقْسَمٍ اَنَّہٗ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ وَزَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ فَقَالُوْا لَا یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلٰوتِ۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ وَ فَتْوٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ مَوْجُوْدٌ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ اَیْضًا فِیْ بَابِ سُجُوْدِ التِّلَاوَۃِ وَیُوَافِقُھُمْ فَتْوٰی اِبْنِ مَسْعُوْدٍ وَاِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ۔ اَنْصِتْ لِلْقِرَاءَۃِ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شُغُلًا وَسَیَکْفِیْکَ ذٰلِکَ الْاِمَامُ۔ وَعَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ قَالَ قُلْتُ لِاِبْنِ عَبَّاسٍ اَقْرَءُ وَالْاِمَامُ بَیْنَ یَدَیَّ فَقَالَ لَا" - الخ)

"تحقیق امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح سند کے ساتھ وہب بن

کیسان سے روایت کی اس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ جس نے رکعت نماز پڑھی اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی پس اس نے نماز نہ پڑھی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو اور عبداللہ بن مقسم سے ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا ان سب حضرات نے فرمایا کہ نمازوں میں کسی نماز میں مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے اور نیز زید بن ثابت کا فتویٰ صحیح مسلم کے باب سجود التلاوۃ میں موجود ہے اور ان کے موافق ہی ابن مسعود اور ابن عباس اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فتویٰ ہے اور ابووائل سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرأت سننے کے لیے خاموش رہ بے شک نماز میں توجہ چاہیے اور امام کی قرأت تجھے کافی ہے اور ابوجمرہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرأت کرلیا کروں فرمایا نہ کیا کرو"۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر ج۱ ص۲۳۸ پر ہے کہ:

"رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ عَشَرَۃٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْھَوْنَ الْقِرَاۃَ خَلْفَ الْاِمَامِ اَشَدُّ النَّھْیِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقِ وَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ"۔

"عبداللہ ابن زید اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے دس حضرات امام کے

پیچھے قرأت کرنے کو منع فرماتے تھے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سختی سے منع کرتے تھے"۔

مخفی نہ رہے کہ یہاں صرف ان حضرات کے آثار پیش کرنا یہ مقصود تھا ان حضرات سے منسوب آثار کو وہابی صاحب نے اپنے مؤقف پر بطور دلیل پیش کیا ہے ورنہ دیگر صحابہ کرام سے بھی امام کے پیچھے قرأت کے منع پر بہت اقوال ملتے ہیں پھر جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار امام کے پیچھے قرأت کی منع پر اوپر بیان کیے گئے ہیں ان میں سے بعض امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر واردہ احادیث کے بھی راوی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر بن عبداللہ۔ ابوہریرہ حضرت عائشہ حضرت انس حضرت ابودرداء حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اب جب ان حضرات کا عمل وقول ان سے مروی امام کے پیچھے قرأت کے عدم جواز پر احادیث کے مطابق ہے تو ترجیح ازروئے انصاف واصول انہیں ہونی چاہیے۔

اسی جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دو طرح کے آثار امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت اور منع پر آنے کی کیا وجہ ہے اس کا جواب ہے کہ اگر امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت پر بعض آثار صحیح ہوں تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

ثبوت کے اقوال منع سے پہلے ہوں پھر ان حضرات نے امام کے پیچھے قرأت کے منع کی طرف رجوع کرلیا۔

دوم امام کے پیچھے قرأت کے ثبوت پر آثار نسخ کا علم ہونے سے پہلے ہوں۔

یہاں تک بحمد اللہ تعالیٰ باب قرأت خلف الامام کی بحث پوری ہوئی اب جاء الحق سے پانچواں باب آمین آہستہ کہنے کے ثبوت میں شروع ہوتا ہے۔ حکیم الامت

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ۔ احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سری آمین آہستہ کہے مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں، اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں ہمارے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات' پہلی فصل آہستہ آمین کہنا حکم خدا اور رسول کے موافق ہے چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث وسنت کے بھی مخالف۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ۔ آمین بھی دعا ہے لہٰذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے رب فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔ اے محبوب! جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔ اس پر وہابی کا پہلا اعتراض۔ اگر آیات کا وہی مفہوم ہے جو مفتی صاحب اور عام حنفی علماء بیان کرتے ہیں تو نماز کے بعد اور جلسے جلوس میں یہ بدعتی لوگ ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا کرتے ہیں اور حاضرین آمین آمین کہتے ہیں بلکہ مساجد میں بدعتی ورد و وظائف سپیکر میں کیے جاتے ہیں جن سے اہل محلہ کا چین بھی حرام ہوتا ہے یہ قرآن کے مخالف ہیں جس سے بریلوی حضرات تائب ہونے کو قطعاً تیار نہیں ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۵)

الجواب بعون اللہ الوہاب وھو موفق بالصواب۔ اولاً: نیک مقاصد پر مسلمانوں کے اجتماعات اور نماز کے بعد حسب ضرورت کی حاضرین سن سکیں ہاتھ اٹھا کر بلند دعا کرنا بدعت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سنت ہے ملاحظہ ہو۔

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا سنت ہے

حدیث اوّل: صحیح البخاری ج ۲ باب رفع الایدی فی الدعا۔ میں کہ: وَقَالَ اَبُوْ

مُوْسٰی دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْهِ وَرَاَیْتُ بَیَاضَ اِبْطَیْهِ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی پھر ہاتھوں کو اس قدر بلند کیا کہ میں نے آپ کی بغلوں کی روشنی دیکھ لی۔ اس باب کی حدیث دوم اور سوم میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا میں ہاتھ مبارک اٹھانا ثابت ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس مضمون پر باب باندھنا اور اس کا نام باب رفع الایدی فی الدعا رکھنا ثابت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے مگر وہابی جی کی ہٹ دھرمی وجہالت دیکھو کہ ہاتھ اٹھا کر بلند دعا کو بدعت کہہ رہا ہے حالانکہ بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر باآواز بلند بکثرت اذکار و دعائیں منقول ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذکار و دعائیں بلند نہ پڑھتے تو صحابہ کو کیسے معلوم ہوتا وہ انہیں کیسے معمول بناتے اور کیسے روایت کرتے نیز خود غیر مقلد صاحب نے ابوداؤد شریف سے ابوزھیر النمیر کی روایت کو لکھا ہے کہ۔ آمین مثل مہر کے ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعا آمین پر ختم ہو وہ قبول ہوتی ہے تو سامعین کو آمین کے محل کا تب ہی پتہ چلے گا اور آمین کہیں گے جب کہ دعا باآواز بلند کی جائے اور نماز میں چیخ کر آمین کہنے کی حاجت نہیں کیونکہ مقتدیوں کو اس کا محل امام کے وَلَا الضَّآلِّیْنَ پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تم آمین کہو۔

حضور ﷺ نے دعا میں اس قدر ہاتھ اٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی

حدیث چہارم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِی الدُّعَاءِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْهِ ۔ مسلم ج ۱ ص ۲۹۳ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے دعا میں ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی روشنی دکھائی دی۔

حدیث پنجم: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا مَدَّ یَدَیْہِ فِی الدُّعَاءِ لَمْ یَرُدَّھُمَا حَتّٰی یَمْسَحَ بِھِمَا وَجْھَہٗ۔ (مستدرک ج ۱ ص ۵۳۶)

عبداللہ بن عمر اپنے پدر گرامی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دُعا میں ہاتھ اٹھاتے تو نیچے نہ لوٹاتے جب تک ان کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر نہ لیتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُمت کے فکر نے رولا دیا

حدیث ششم: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِ بْنِ الْعَاص۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَکٰی فَقَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ یَا جِبْرِیْلُ اِذْھَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَاَسْئَلْہُ مَا یُبْکِیْکَ وَھُوَ اَعْلَمُ فَاَتٰی جِبْرِیْلُ وَسَئَلَہٗ فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ وَھُوَ اَعْلَمُ فَقَالَ اللّٰہُ یَا جِبْرِیْلُ اِذْھَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَقُلْ لَہٗ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْئُکَ"۔

"خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳- تفسیر خازن ج ۷ ص ۲۵۸ تفسیر معالم التنزیل مع الخازن ج ۷ ص مذکورہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دُعا کی کہ اے پروردگار! میری اُمت میری اُمت اور گریہ کی تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ رونے کا کیا سبب ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے جبریل آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور رونے کا کیا سبب ہے تو آپ نے اسے اپنا مقصود بیان کیا حضرت جبریل نے وہی اللہ سے بیان کیا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! جاؤ اور میرے محبوب سے کہو کہ عنقریب ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں خوش کر دیں

گے۔ اور آپ کو رنج نہیں دیں گے"۔

جب دُعا سے فارغ ہو تو ہاتھ چہرہ پے ملو

حدیث ہفتم: وَعَنْ مَالِکِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰہَ فَاسْئَلُوْہُ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ وَلَا تَسْئَلُوْہُ بِظُھُوْرِھَا فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰہَ بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ وَلَا تَسْئَلُوْہُ بِظُھُوْرِھَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِھَا وُجُوْھَکُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۵)

"حضرت مالک بن یسار سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے دُعا کرو تو ہتھیلیوں سے کرو اور اس کی پشتوں سے نہ کرو اور ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: اللہ سے سیدھی ہتھیلیوں سے دُعا مانگو اور ان کی پشتوں سے دُعا نہ مانگو پھر جب دُعا سے فارغ ہو تو ان کو اپنے چہروں پر پھیرو"۔

اللہ تعالیٰ خالی ہاتھ موڑنے سے شرم کرتا ہے

حدیث ہشتم: وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اَنْ یَرُدَّھُمَا صِفْرًا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَیْھَقِیُّ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۵)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب حیاء والا کریم ہے وہ اپنے بندے سے حیاء کرتا ہے کہ جب بندہ دُعا کو ہاتھ اٹھائے انہیں خالی لوٹائے اس کے ثبوت پر کہ ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا مسنون ہے۔ احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

ثانیاً: وہابی جی کا کہنا ہے کہ مساجد میں بلند آواز سے درود و وظائف سپیکر میں کیے جاتے ہیں جن سے محلہ والوں کا چین حرام ہوتا ہے یہ قرآن کے مخالف ہے جس سے بریلوی حضرات تائب ہونے کو تیار نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: فَاِذَا قَالَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ قَالَ هٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَاَلَ اور جب نمازی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگتا ہے وہ اسے دے گا۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۶)

وہابی صاحب کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل پوشیدگی ہے تو سورۃ فاتحہ بھی تو دعا ہے اگر دعا میں آپ کے نزدیک اصل پوشیدگی ہے تو پھر حنفی امام جہری نمازوں میں اسے جہر کیوں پڑھتے ہیں۔

اعتراض کا جواب ملاحظہ ہو اولاً امام نماز میں سورۃ فاتحہ بحیثیت قرأت پڑھتا ہے اور اس لیے اسے قرأت کے احکام کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور قرأت کے احکام سے ہے کہ جہری نمازوں میں امام پر واجب ہے کہ اونچی آواز سے قرأت کرے مگر وہابی صاحب اس قدر عقل سے عاری ہے کہ اس فرق کو نہیں سمجھا۔

ثانیاً: حالت نماز اور عام حالت میں شرع مطہرہ نے فرق رکھا ہے نماز میں شرعاً جس چیز کا بلند کہنا مسنون یا واجب ہے اُسے بلند کہنا چاہیے اور جس کا آہستہ کہنا فرمایا اس کو آہستہ کہنا چاہیے جب کہ عام حالت میں ذکر و اذکار اور تلاوت دن ہو یا رات سب کو بلند و آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے لہٰذا وہابی صاحب کا سورۃ فاتحہ کو آمین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیوں کہ سورہ فاتحہ کا امام پر جہری نمازوں میں جہراً پڑھنا واجب ہے جب کہ آمین کا نماز میں آہستہ کہنا مسنون ہے۔ اب جاء الحق سے آہستہ آمین کے ثبوت پر حدیث نمبر ۱ تا ۸ ملاحظہ ہو۔

جس کے آمین فرشتوں کے موافق ہوئی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے

بخاری، مسلم، احمد، مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُہٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِکَةِ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ فرمایا: نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے وجہ استدلال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کی موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو، جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس پر

وہابی کا پہلا اعتراض

یہ مفتی صاحب کی سینہ زوری ہے یا موضوع روایات میں ایک مزید من گھڑت روایت کا اضافہ کرنا مقصود ہے کہ فرشتے آمین آہستہ کہتے ہیں۔

(نام نہاد دین الحق ص ۳۱۲)

الجواب: کسی حدیث کا مفاد بیان کرنے یا اس سے مسئلہ استخراج کرنے سے حدیث گھڑنا لازم نہیں آتا اگر بقول وہابی اس سے حدیث گھڑنا لازم آئے تو جن محدثین وفقہاء نے احادیث سے مسائل کا استخراج و استنباط کیا وہ سب معاذ اللہ مجرم ٹھہریں گے بلکہ خود وہابی بھی نہ بچ سکیں گے۔

وہابی کا دوسرا اعتراض

یہ اعتراض کے ہم نے آج تک ملائکہ کی آمین نہیں سنی یہ اعتراض دراصل منکرین حدیث سے ادھار لیا گیا کیونکہ اس طرح کی اوٹ پٹانگ فقاہت ان لوگوں کی ہی ہوتی ہے کہ عذاب قبر نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قبر کو اکھاڑ کر دیکھ لیں کوئی آگ وغیرہ نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک مسلمان کی قبر ستر ہاتھ کشادہ ہوتی ہے بلکہ جس طرح ایک کافر کی لاش مٹی میں مل جاتی ہے اس طرح ایک مسلمان کی بھی! بلکہ مفتی صاحب کے اس اصول کی بناء پر کوئی کافر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کراماً کاتبین اور نماز

کے وقت ملائکہ کے نزول والی روایات کو پیش کر کے انکار کر جائے اور دلیل یہ دے کہ ان کا وجود ہم نے اپنے کندھوں پر نہ پایا ہے اور نہ ہی آج تک حس محسوس کی ہے لہٰذا یہ روایات نعوذ اللہ وضعی ہیں تو جس دلیل سے ایک کافر اور بت پرست کو مطمئن کیا جا سکتا وہی دلیل ہماری طرف سے مفتی صاحب کے مذکورہ ڈھکوسلے کی کر لیجئے گا۔

(نام نہاد دین الحق ۳۱۳)

الجواب: حقیقت میں وہابی جی کو الزام تراشی کرتے اور جھوٹ بولتے ذرا شرم نہیں آتی ورنہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کو اور منکرین حدیث کے عذاب قبر سے انکار کو آپس میں کیا مناسبت کیوں کہ مفتی صاحب تو فرشتوں کے آمین کہنے کو مان کر استدلال کر رہے ہیں وہ آمین اور فرشتوں کے وجود کا انکار تو نہیں کرتے بلکہ وہ تو فرماتے ہیں کہ فرشتے آمین ضرور کہتے ہیں مگر آہستہ کہتے ہیں لہٰذا آہستہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کے موافق ہے تو یہ حدیث کو ماننا ہوا انکار نہ ہوا تو پھر منکرین حدیث کے ساتھ اس کو مشابہت کیسے ہو سکتی ہے۔

منکرین حدیث کو انکار کا موقع نجدیوں نے دیا

ثانیاً: بلکہ منکرین حدیث کو انکار حدیث کا موقع نجدیوں نے دیا ہے کیوں کہ انہوں نے نبیوں اور ولیوں کے متعلق کہا کہ وہ معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسم کا کھانا حرام فرما دیا ہے نجدیوں نے حدیث کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ نبی ولی سب مر کر مٹی میں مل جاتے ہیں لہٰذا ان کی پیروی میں منکرین حدیث نے عذاب قبر کا انکار کر دیا عذاب تو جسم مع الروح کو ہوتا ہے۔ نیز نجدیوں نے احادیث مبارکہ کو ضعیف کہہ کر انکار کیا اور منکرین حدیث نے موقع پا کر سرے سے ہی انکار کر دیا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ انکار حدیث کا دروازہ کھولنے والے اصل میں نجدی ہی ہیں۔

وہابی صاحب تیسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں:

الزامی جواب کے علاوہ حسب ذیل حدیث بھی مفتی صاحب کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہے: اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ اٰمِيْنَ وَقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِي السَّمَآءِ اٰمِيْنَ۔ جب تم سے کوئی آمین کہتا ہے تو فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب ہم ملائکہ کی عام گفتگو کو نہیں سن سکتے تو آمین جو کہ آسمان پر کہتے ہیں کیونکر ہم سن سکتے ہیں کیا آسمان والوں کی آواز دُنیا میں رہنے والے سنتے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ۳۱۳)

الجواب اوّلاً: حدیث سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ کی تردید تو تب لازم آئے جب مفتی صاحب نے دعویٰ کیا ہو کہ آسمان کے فرشتے آمین نہیں کہتے صرف زمین کے کہتے ہیں یا حدیث شریف میں زمین کے فرشتوں کے آمین کہنے کی نفی آئی ہو۔

ثانیاً: آپ کسی ایک حدیث سے ہی ثابت کر دیں کہ آسمان پر فرشتے بلند آواز سے آمین کہتے ہیں مگر ہم دوری کے سبب نہیں سنتے؟

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض

رہا یہ اعتراض کہ وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے تو یہ آنجناب کے اکابر کی تصریحات کے ہی خلاف ہے چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں: اِنَّ الْمُرَادَ الْمُوَافَقَةُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ فِيْ وَقْتِ التَّاْمِيْنِ۔ فتوی شامی ملائکہ موافقت سے مراد وقت کی موافقت ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۱۳)

غیر مقلد کی خیانت

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب نے فتاویٰ شامی کی عبارت پیش کرنے میں اس انداز سے خیانت کی کہ اصل کتاب کو بھی پیچھے چھوڑ گئے کہ حنفی فقہاء کی تصریحات ہیں حالانکہ شامی سے جو قول اس نے پیش کیا وہ احناف کا نہیں بلکہ علامہ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شارح مسلم کا ہے دوم صاحب فتاوی شامی علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

نے اس پر اپنی رائے قائم نہیں کی صرف ملائکہ کی آمین کی مراد بیان کرنے پر دو قول بیان کیے ہیں جن میں سے وہابی صاحب نے اپنے مقصد کے حصول کو صرف مذکورہ ایک قول لکھ دیا دوسرا خلاف مقصد جان کر چھوڑ دیا نیز وہابی جی نے علامہ نووی کا ذکر عبارت کی ابتداء میں چھوڑ دیا تاکہ مذکورہ قول کو احناف کے کھاتے ڈال کر مفتی صاحب پر الزام دے سکے کہ اس نے اپنے احناف کی تصریحات کا خلاف کیا۔ مناسب ہے کہ یہاں فتاویٰ شامی کی پوری عبارت لکھ دوں تاکہ خود قارئین وہابی کی خیانت ملاحظہ کر سکیں۔

وَفِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ لِلنَّوَوِیِّ الصَّحِیْحُ الصَّوَابُ اِنَّ مُرَادَ الْمُوَافِقَةِ لِلْمَلٰئِكَةِ فِیْ وَقْتِ التَّامِیْنِ وَقِیْلَ فِی الصِّفَةِ وَالْخُشُوْعِ وَالْاِخْلَاصِ۔ (شامی ج ا ص ۳۳۱)

''اور شرح مسلم نووی میں ہے کہ صحیح اور درست یہ ہے کہ مراد فرشتوں کی موافقت سے وقت میں موافقت ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد موافقت سے صفت اور خشوع اور اخلاص میں ہے''۔

ثانیاً: غیر مقلد صاحب کوئی احناف کا مقلد نہیں کہ احناف کی تصریحات دلیل بنا کر جان چھوڑائے۔ اسے تو چاہیے کہ اپنا مؤقف حدیث سے ثابت کرے کہ ملائکہ کی آمین میں موافقت سے مراد وقت میں موافقت ہے۔

غیر مقلد کا پانچواں اعتراض

بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مذکورہ روایت سے عدم جہر ثابت ہے جو کہ یقیناً غلط ہے تو بھی مذکورہ روایت مفتی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ امام آمین کو آہستہ بھی نہ کہے چنانچہ امام محمد جو کہ امام صاحب کے شاگرد خاص ہیں لکھتے ہیں: فَاَمَّا اَبُوْحَنِیْفَةَ فَقَالَ یُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَ الْاِمَامِ وَلَا یُؤَمِّنُ الْاِمَامُ۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۱۴)

الجواب: التعلیق المجد علی الموطا امام محمد امام صاحب کی طرف منسوب کردہ

مذکورہ قول کے جواب میں ہے کہ موطا میں بیان کردہ امام صاحب کا مذکورہ قول خود امام محمد کی کتاب الآثار کے خلاف ہے نیز کتاب الآثار میں امام محمد نے امام صاحب کے قول پر اپنا عمل بھی بیان کیا ہے ملاحظہ ہو۔

چار چیزوں کو امام آہستہ کہے

''قَوْلُهٗ وَلَا یُؤَمِّنُ الْاِمَامُ قَدْ یُقَالُ یُخَالِفُهٗ قَوْلُهٗ فِیْ كِتَابِ الْآثَارِ فَاِنَّهٗ اَخْرَجَ فِیْهِ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ اَرْبَعٌ یُخَافِتُ بِهِنَّ الْاِمَامُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالتَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ اٰمِیْنَ ثُمَّ قَالَ وَبِهٖ نَاْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ ۔ فَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اَبَا حَنِیْفَةَ اَیْضًا قَائِلٌ بِقَوْلِ الْاِمَامِ بِقَوْلُ اٰمِیْنَ سِرًّا''۔

''اس کا قول کہ امام صاحب کہتے ہیں امام آمین نہ کہے اس کے خلاف ہے جو خود امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں امام صاحب سے بیان کیا اس میں امام صاحب سے ہے وہ حماد سے وہ ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ فرمایا چار چیزوں کو امام آہستہ کہے سبحانک اللھم اور تعوذ بسم اللہ اور آمین پھر امام محمد نے کہا ہمارا عمل اسی پر ہی ہے اور یہی امام صاحب فرماتے ہیں پس یہ دلالت کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ امام آمین آہستہ کہے''۔

اس بیان سے اظہر من الشمس ہوا کہ وہابی کا مذکورہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۹ تا ۱۳ ملاحظہ ہو۔ بخاری' شافعی' مالک' ابوداؤد' نسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ تو تم کہو آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا ہوتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے: ''اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ فَامْتَحِنُوْهُنَّ'' جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔ دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا۔ کسی حدیث میں نہیں آیا کہ اِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْن۔ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہ لو۔ معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے جو آج تک ہم نے نہیں سنی۔ خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرتا ہے کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

غیر مقلد کے اس پر اعتراضات

اس جگہ ان کے معنوی تحریف کو ہم واضح کرتے ہیں۔

پہلی تحریف: مفتی صاحب حضرت ابو ہریرہ کی روایت اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فقولو امین) سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور یہ نہ فرماتے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تو تم آمین کہو معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔

الجواب اوّلاً: روایت میں اذا قال الامام کے الفاظ ہیں اور قال کا لفظ جب مطلقاً خطاب کے لیے آئے تو جہر پر محمول ہوتا ہے قرآن میں ہے: قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(پ ۱۱ سورہ یونس آیت نمبر ۹۱)

مولانا محمود حسن خان حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ: بولا فرعون یقین کر لیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پہ کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں۔ مولوی احمد رضا خاں بریلوی حسب ذیل معنی کرتا ہے کہ بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں۔ الغرض اذا قال الامام کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ صرف امام ہی بلند آواز سے کہے گا تاکہ ان الفاظ کو مقتدی بھی بلند آواز سے پڑھے۔

ثانیاً: ہاں البتہ مقتدی آمین کو بلند آواز سے کہے گا کیونکہ فقولوا آمین کے الفاظ اس بات کا قرینہ تو ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۴۷)

وہابی کی جہالت کی انتہاء

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب کی جہالت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے کہ یہ بھی نہ جان سکا کہ معنوی تحریف کسے کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم مفتی صاحب کی معنوی تحریف واضح کرتے ہیں مگر اعتراض استدلال پر کر دیا جب کہ معنوی تحریف ترجمہ میں کمی و زیادتی کو کہتے ہیں جس سے مفہوم بدل جائے پھر وہابی جی کی عبارت قارئین کے سامنے ہے۔ وہابی مصنف نے کوئی نشاندہی نہیں کی کہ مفتی صاحب نے استدلال میں کونسی غلط بیانی کی ہے محض اس نے مخالفت برائے مخالفت کرتے ہوئے فضول اوٹ پٹانگ مارے ہیں جو کہ اس کی کم عقلی کی علامت ہے دراصل مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال مذکورہ حدیث کے متن میں بالکل واضح اور معقول ہے کیونکہ اگر امام پر شرعاً آمین بلند کہنا ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ نہ فرماتے جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو بلکہ فرماتے کہ جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔

ثانیاً: بہت افسوس کی بات ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ قال غیب کا صیغہ ہے یا خطاب کا وہ وہابی قوم کا محقق و مصنف بن بیٹھا یہ تو علم صرف کا ابتدائی طالب علم بھی بتا دے گا کہ قال ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے خطاب کا نہیں اگر سب وہابی

مل کر بھی اسے خطاب ثابت کر دیں تو منہ مانگا انعام لیں۔ خود وہابی صاحب نے ثانی اعتراض کے تحت حدیث کے معنوی تحریف کی ہے زیر بحث حدیث کے کسی لفظ کا معنی نہیں کہ مقتدی بلند آواز سے آمین کہے جب کہ اس نے یہی معنی کیا ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸ ملاحظہ ہو۔ امام احمد' ابوداؤد طیالسی' ابویعلی موصلی' طبرانی' دار قطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهُ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن وَاَخْفٰی بِھَا صَوْتَهٗ۔ حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔ معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے اور بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔ واضح رہے کہ اس صحیح حدیث کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آمین آہستہ کہنا سنت ہے

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۱' ابوداؤد' ترمذی' ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی: قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ فَقَالَ اٰمِیْن وَخَفَضَ بِهٖ صَوْتَهٗ۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا: آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔ اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔ مفتی صاحب نے حضرت وائل بن حجر کی روایت امام شعبہ کے طریق سے مختلف کتب سے نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں وخفض بھا صوتہ پھر ان کا معنی کیا ہے اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔ حالانکہ خفض بھا صوتہ کا یہ معنی قطعی طور پر غلط ہے اور ان الفاظ سے عدم بالجہر اور اخفائے آمین کا استدلال باطل ہے کیونکہ احناف کا موقف ہے کہ آمین اتنی پوشیدہ کہی جائے کہ جس کو قریب سے قریب شخص بھی نہ سن سکے جب کہ خفض کے معنی ہیں آواز بہت زیادہ بلند نہ ہو۔ چنانچہ صاحب ہدایہ دوہری اذان کی کیفیت بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ: وَھُوَ اَنْ یَّرْجِعَ فَیَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالشَّھَادَتَیْنِ بَعْدَ مَا خَفَضَ بِھِمَا۔ اور ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کو خفض کے بعد دوبارہ بلند آواز سے دوہرایا جائے۔

(نام نہاد دین الحق ص ۳۲۷)

الجواب اوّلاً: اس سے اوپر گزری ابن حجر کی حدیث کے لفظ اَخْفٰی بِھَا صَوْتَهٗ ہیں تو زیر بحث روایت میں خفض بمعنی اخفی ہے اور اخفی جہر کی ضد ہے۔ جس کا معنی آہستہ ہے لہذا اس کا معنی آہستہ آواز کا کرنا غلط نہ ہوا غالباً اسی لیے غیر مقلد صاحب نے اس سے اوپر کی حدیث کا ذکر تک نہ کیا کہ کہیں قارئین کو معلوم نہ ہو جائے کہ ایک حدیث کے الفاظ اخفی بھا صوتہ بھی ہیں۔

ثانیاً: اگر خفض کے لغوی معنی کی طرف جائیں تو المنجد اور مصباح اللغات میں خفض الصوت کا معنی آواز کو پست و آہستہ کرنا مذکور ہے جو کہ احناف کے موافق اور وہابی مذہب کے مخالف ہے کیونکہ وہابیوں کے نزدیک آمین کو اس قدر چیخ کر کہنا چاہیے کہ مسجد میں گونج پڑ جائے۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسم اللہ آمین جہر نہیں پڑھتے تھے

جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۲ اور ۲۳۔ طبرانی نے تہذیب الآثار اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی: قَالَ لَمْ یَکُنْ عُمَرُ وَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا یَجْھَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا بِاٰمِیْن۔ حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔ معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنا سنت صحابہ بھی ہے۔

اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض

راوی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ ابی وائل ہیں شاید مفتی صاحب رجال کی ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۸)

الجواب: لفظی غلطی یا راوی کے نام میں غلطی سہواً بھی ہو سکتی ہے اور کاتب سے بھی یہ کسی کم علمی کی دلیل نہیں بخلاف اس کے کہ وہابی جی خود ماضی غائب کو خطاب

سمجھتا ہے جیسا کہ اس کتاب میں ہم نے وہابی صاحب کی اس غلطی پر گرفت کی ہے۔ اس تنقید سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

اس کی سند میں ابوسعد سعید بن مرزبان ہے اور یہ سخت ضعیف ہے۔

(نام نہاد دین الحق ص ۳۲۹)

ابوسعد سعید بن مرزبان کے ضعف کے سبب احناف کے اس حدیث سے استد لال میں ضعف نہیں آتا کیونکہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبار تابعین سے ہیں آپ نے سات صحابہ رضوان اللہ علیہم سے براہ راست حدیثیں سنیں ہیں جیسا کہ مناقب امام اعظم للامام الموفق بن احمد مکی جزء اول ص ۳۵ پر ہے جب کہ ابوسعد سعید بن مرزبان طبقہ خامسہ سے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے مقدمہ تقریب التہذیب میں وضاحت کی ہے تو بعد کے راوی کا ضعف پہلے کے استدلال کو مضر نہیں۔

ثانیاً: اگر آپ کو زیر بحث حدیث پر اعتراض ہے کہ اس کا ایک راوی ضعیف ہے تو اس سے قبل حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸ گزری امام احمد، ابوداؤد، ابویعلی موصلی، طبرانی، دار قطنی اور مستدرک کے حوالہ سے جسے حاکم شہید نے صحیح کہا اور آپ نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اسے ہی مان لو مگر آپ تو ضد و تعصب کے لا علاج مریض ہیں ایسی امید تم سے رکھنا لا حاصل ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۴ عینی شارح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا اَلتَّعَوُّذَ وَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ اٰمِيْنَ وَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ باللہ بسم اللہ آمین اور ربنا لک الحمد۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض

ہمارے شیخ فرماتے ہیں علامہ عینی نے یہ روایت بلا سند نقل کی ہے اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس روایت کی سند کا حدیث کی کسی معروف و مصدقہ کتاب

میں وجود نہیں یہ تو علامہ عینی کا ہی کمال ہے کہ یہ خود کو محدث بھی باور کراتے ہیں اور حنفی مذہب کی تائید میں بلا سند موضوع اور من گھڑت روایات کو اپنی کتابوں کی زینت بھی بناتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (محمد یحییٰ گوندلوی) قلت مولوی احمد رضا فاضل بریلوی نے لکھا ہے جو روایت کتب حدیث میں نہیں پائی جاتی وہ موضوع ہے۔

(فتاویٰ رضویہ نام نہاد دین الحق ص ۳۲۹)

الجواب اوّلاً: غیر مقلدوں کے نام نہاد شیخ گوندلوی صاحب نے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ پر احناف کی تائید میں روایات کو اپنے پاس سے گھڑنے کا الزام لگایا اور روایات روایت کی جمع ہے تو اسے چاہیے تھا کہ اپنے دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کو کم از کم تین موضوع روایتوں کی نشاندہی کرتا تاکہ جمع کا اطلاق صحیح ہو جاتا تو اس نے ایسا نہ کرکے اپنے جھوٹ کا پول کھول دیا۔

ثانیاً: گوندلوی صاحب یا نام نہاد دین الحق کے مصنف کو کسی حدیث کی سند کا علم نہ ہونا علامہ عینی کی اس کی سند پر عدم اطلاع کو لازم نہیں کیونکہ وہ جلیل القدر محدث ہیں۔

ثالثاً: علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس سے روایت گھڑنے کی حاجت ہی کیا تھی جب کہ احناف کے پاس اس مسئلہ پر احادیث موجود ہیں۔

رابعاً: زیر بحث روایت کی مثل کنز العمال میں بھی موجود ہے جو اس پر شاہد ہے چنانچہ صحیح البخاری ج اوّل ص ۳۹۰ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کے بعد لکھتے ہیں: وعن ابراہیم النخعی عن امیر المؤمنین عمر نحوہ کذا فی منتخب کنز العمال میں ہے۔ وہابی سے پوچھنے کی بات یہ ہے کہ اگر بقول تمہارے علامہ عینی نے مذکورہ روایت کو اپنے پاس سے گھڑا ہوتا تو پھر ابراہیم نخعی کی کے سند سے منتخب کنز العمال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی مثل روایت کہاں سے آگئی نیز حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا مذہب آمین آہستہ کہنے میں قبل ازیں بیان ہو چکا ہے جو اس کی صحت کی تائید کرتا ہے پھر وہابی صاحب آثار صحابہ کے نام پر اپنے مذہب کی

تائید میں جو کچھ لکھا ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی اثر بیان نہیں کیا جو اس کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب آمین جہر نہیں بلکہ آہستہ کہنا ہے۔

(جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۵)

بیہقی نے ابووائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا: ''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ یَخْفِی الْاِمَامُ اَرْبَعًا بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّشَهُّدُ'' امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ ربنا لك الحمد اعوذ اور التحیات۔

غیر مقلد کا اعتراض

قارئین آپ مذکورہ عبارت کو پڑھ لیں ہم نے بلفظہ مفتی صاحب کا ترجمہ نقل کیا ہے اس میں آمین کو بلند آواز سے یا خفی سے پڑھنے کا ذکر تو کجا کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۹)

الجواب اوّلاً: اگر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ حدیث میں آہستہ آمین کا ثبوت موجود نہ ہوتا تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے اپنے موقف پر بطور ثبوت پیش نہ کرتے یہاں البتہ یہاں آمین کے الفاظ سہواً نہیں لکھے گئے خواہ کاتب کی بھول یا خود مصنف کی اور بھول جانا انسان میں ایک فطری امر ہے البتہ بفضلہ تعالیٰ یہ ہم ثابت کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب آمین آہستہ کہنا ہے ملاحظہ ہو: قَالَ الطَّبْرِیُّ وَرُوِیَ ذٰلِكَ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ وَرُوِیَ عَنِ النَّخْعِیِّ وَالشَّعْبِیِّ وَاِبْرَاهِیْمَ التَّیْمِیِّ كَانُوْا یَخْفُوْنَ بِاٰمِیْنَ وَالصَّوَابُ اِنَّ الْخَبْرَیْنِ بِالْجَهْرِ بِهَا وَالْمَخَافَةِ صَحِیْحَانِ وَعَمَلَ بِكُلٍّ مِنْ فِعْلَیْهِ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَاِنْ كَانَتْ مُخْتَارًا خفضةُ الصَّوْتِ بِهَا اِذْ كَانَ اَكْثَرُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ عَلٰی ذٰلِكَ۔

(الجوہر النقی فی ذیل البیہقی - ج ۲ ص ۵۸)

محدث طبری نے کہا کہ یہ روایت ہے ابن مسعود اور ابراہیم نخعی اور شعبی اور ابراہیم تیمی سے کہ یہ حضرات آمین آہستہ کہتے تھے اور درست ہے کہ دو حدیثیں جہر کے ثبوت اور آہستہ کے ثبوت پر صحیح ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں فعلوں پر ایک

جماعت نے عمل کیا ہے اگرچہ مختار آمین آہستہ کہنا ہے کہ اس پر اکثر صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کا عمل ہے۔

ثانیاً: صاحب ہدایہ نے تعوذ و تسمیہ کی بحث میں لکھتے ہیں: وَیُسِرُّ بِهِمَا یَقُوْلِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْبَعٌ یَخْفِیْهِنَّ الْاِمَامُ وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا التَّعَوُّذَ وَالتَّسْمِیَةَ وَاٰمِیْنَ۔ یعنی تعوذ و تسمیہ اور آمین کو آہستہ پڑھے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی بناء پر فرمایا چار چیزیں آہستہ پڑھی جائیں ان میں تعوذ و تسمیہ اور آمین کا ذکر کیا۔

ثالثاً: ملک العلماء علامہ ظفر الدین محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح البہاری شریف میں لکھتے ہیں: اس بیان سے بفضلہٖ تعالیٰ اظہر من الشمس نیمروز ہوا کہ حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب آمین آہستہ کہنا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

امام بیہقی کی کونسی کتاب میں مذکورہ روایت پائی جاتی ہے کیونکہ امام بیہقی کی کتب اس قدر ہیں کہ ایک کتب خانہ ہے اگر مفتی صاحب کی بیہقی سے مراد سنن الکبریٰ للبیہقی ہے تو اس میں یہ روایت قطعاً نہیں فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ اس امر کی بحوالہ صراحت کریں کہ امام بیہقی نے اسے کہاں روایت کیا ہے۔

الجواب اوّلاً: جب آپ کو اقرار ہے کہ امام بیہقی کی کتب کثیر ہیں اور انکار اس کا ہے کہ زیر بحث روایت سنن الکبریٰ للبیہقی میں نہیں پائی جاتی تو ممکن ہے کہ روایت سنن الکبریٰ کے علاوہ امام بیہقی کی کسی کتاب میں موجود ہو یا مفتی صاحب کو سنن الکبریٰ بیہقی کا کوئی قدیمی نسخہ دستیاب ہو جس میں یہ روایت پائی جاتی ہو۔

ثانیاً: ابن مسعود کی روایت جس میں آمین آہستہ پڑھنے کا ثبوت موجود ہے۔ صاحب صحیح البہاری نے سنن الکبریٰ للبیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے جو کہ ابی وائل سے ہے ملاحظہ کے لیے مذکورہ کتاب ج ۱ ص ۳۹۱

اصل بات یہ ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت میں آمین کا

غلطی سے نہ لکھے جانے کو غیر مقلد نے غنیمت جان کر بیہقی میں اس کے وجود کا ہی انکار کر دیا اگر یہ بیہقی میں نہ ہوتی تو محدث بہاری کیسے نقل کرتے' جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۶ ملاحظہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کی: قَالَ اَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللهِ وَسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَاٰمِیْن۔ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْآثَارِ۔ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِيْ مُصَنَّفِه)

آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ و بسم اللہ' سبحانک اللّٰھم اور آمین' یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

اس اثر کو مفتی صاحب نے دوسری بار حنفی مذہب کی تائید میں پیش کیا ہے لیکن روایت کے اصل الفاظ میں ہیر پھیر کر گئے ہیں جن کی حقیقت بسم اللہ بالجہر کے باب میں مفتی صاحب کی تیسری دلیل کے زیر عنوان ملاحظہ کیجئے اور سند پر بحث بھی وہاں ہی دیکھیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۳۰)

الجواب اوّلاً: اگر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک روایت کو دوبارہ لکھنے پر اعتراض ہے تو پھر یہی اعتراض امام بخاری پر بھی لازم آتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنی صحیح بخاری شریف میں ایک روایت کا جتنے بابوں سے تعلق ہو اتنے میں ہی تکرار سے لکھتے ہیں اسی طرح امام ابراہیم نخعی کی زیر بحث روایت کو چار بابوں سے تعلق ہے۔

یعنی تعوذ و تسمیہ و سبحانک اللّٰھم اور آمین آہستہ ہے جب کہ مفتی صاحب نے اسے دو بابوں میں ذکر کیا ہے اگر دو دوسرے اس سے متعلق بابوں میں بھی اسے بیان کر دیں تو تب بھی اہل عقل و انصاف کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا مگر غیر مقلد صاحب چونکہ عقل و انصاف سے عاری ہیں لہذا بلاوجہ اعتراض کر دیتے ہیں۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر روایت کے الفاظ میں ہیر پھیر کا الزام وہابی جی کا خالص جھوٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب نے زیر بحث روایت کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے لکھا ہے اور روایت کا

متن مصنف عبد الرزاق سے لیا ہے جب کہ معناً دونوں متنوں میں کوئی فرق نہیں۔

اگر بقول وہابی اس کا نام ہیر پھیر ہے تو پھر صاحب مشکوٰۃ مثلاً بخاری و مسلم سے روایت لکھنے کے بعد فرما دیتے ہیں کہ یہ لفظ مسلم کے ہیں یا بخاری کے۔

ثانیاً: وہابی جی کا کہنا ہے کہ اس کی سند پر بھی بحث ہم نے وہاں کر دی ہے۔

الجواب سند پر جس بحث کی بات وہابی صاحب کرتے ہیں وہ سورج پر تھوکنے کے مترادف ہے وہ یہ کہ اس بے لگام نے امام الائمہ سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے شاگرد رشید امام محمد رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہا ہے اور پھر سورہ فاتحہ کی بحث میں ان حضرات قدسیہ پر خوب کیچڑ اچھالا ہے جس کا جواب ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ وہاں بھرپور طریقہ سے دیدیا ہے اب یہاں اسے دوہرانا باعث طول ہے اب یہاں طائفہ وہابیہ سے مخاطب ہوں کہ اگر آپ کو عداوت و عناد کے باعث امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہما کی سند قبول نہیں تو آؤ ہم تمہیں اس کے علاوہ اس کا متابع دکھا دیتے ہیں اسے ہی مان لو اور ضد چھوڑو مصنف عبد الرزاق میں ہے۔ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالْاِسْتِعَاذَةَ وَاٰمِيْنَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ (ج ۲ ص ۸۷)

یعنی ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور آمین اور جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو ربنا لک الحمد کو آہستہ پڑھے۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ و محدثین ہیں۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

اس کی سند کی حیثیت سے قطع نظر آیئے ذرا اسے کوئی خراد پر چڑھا کر دیکھیے کہ کیا یہ واجب العمل اور لائق دلیل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اِذَا جَاءَ الْحَدِيْثُ صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَخَذْنَاهُ وَاِذَا جَاءَ

عَنْ اَصْحَابِہٖ نَتَخَیَّرْنَا وَلَمْ نَخْرُجْ مِنْ قَوْلِهِمْ وَاِذَا جَاءَ عَنِ التَّابِعِیْنَ زَاحَمْنَاهُمْ۔ ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اس کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال و آثار ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیتے ہیں اور ان کے دائرہ عمل سے نہیں نکلتے البتہ جب کسی تابعی کا قول آتا ہے اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔ (الجوہر المنیفہ ج ۲ ص ۲۵۰)

لہٰذا اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو بھی احادیث صحیحہ مرفوعہ کے بالمقابل امام ابراہیم نخعی کے قول کی کیا حیثیت ہے۔

الجواب اوّلاً: یہ بات درست ہے کہ جھوٹا حافظہ نہیں رکھتا اس سے قبل قرأت کے باب میں وہابی صاحب الزام لگا چکا ہے کہ احناف کے نزدیک صحابہ کا قول و فعل حجت نہیں لہٰذا انہیں حق نہیں پہنچتا کہ صحابہ کے اقوال و افعال کو حجت بنائیں اب خود ہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ثابت کر رہا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قول و فعل احناف کے نزدیک حجت ہے۔

ثانیاً: تابعی کے قول کے مزاحم ہونے سے مراد کہ جب وہ ظاہر شرع کے خلاف لگتا ہو یا قیاس جلی کے خلاف ہو یا کسی مسئلہ کی بنیاد ہی اس پر ہو تو پھر اسے دیکھا جائے گا مطابقت ہو جائے تو قابل عمل ہے ورنہ چھوڑ دیا جائے گا اب دیکھیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ان احادیث کے موافق ہے جن میں آمین آہستہ کہنے کا ثبوت ہے اور صحابہ کے ان ارشادات کے بھی مطابق ہے جن میں آمین آہستہ کہنے کا ذکر ہے پھر یہ قابل عمل کیونکہ نہ ہو۔ واضح رہے کہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ آہستہ آمین کے ثبوت پر نقلیہ دلائل کے بعد عقلیہ دلائل بھی دیئے ہیں جن کا وہابی جی سے کوئی جواب نہیں بن سکا اس لیے وہابی صاحب نے خاموشی و چشم پوشی میں عافیت جانی اسے معلوم تھا کہ مفتی صاحب کے عقلی دلائل کا جواب دینے سے اپنی بے عقلی ظاہر ہو جائے گی۔ بہر حال قارئین کے استفادہ کے لیے مفتی صاحب کے عقلی دلائل کو یہاں لکھ دینا مناسب ہے۔ فرماتے ہیں:

آمین آہستہ کہنے پر عقلی دلائل

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لیے نہ جبرائیل امین اسے لائے نہ قرآن میں لکھی گئی بلکہ دُعا اور ذکر اللہ ہے تو چاہیے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی دُعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کا خلاف ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آئے گی قرآن میں غیر قرآن آئے گا۔ اور درمیان سورہ فاتحہ کے شور مچے گا۔ وہابی صاحب نے مذکورہ عقلی دلائل کا جواب نہ دے کر ثابت کر دیا کہ ان کا مذہب خلاف عقل ہے۔ جاء الحق سے دوسری فصل اس مسئلہ پر اعتراضات و جواب بات میں۔

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل وار مع جوابات عرض کر دیے ہیں اعتراض نمبر ا آمین دُعا نہیں ہے لہٰذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جائے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دُعا آہستہ کہنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا' جواب آمین دُعا ہے اس کا دُعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔ اے رب! ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ رب نے ان کی دُعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا: قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا۔ رب نے فرمایا: تمہاری دونوں کی دُعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو فرمایئے دُعا صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تمہاری دونوں کی دُعا قبول

کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون کی۔ حضرت ہارون نے دُعا کب مانگی تھی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دُعا پر آمین کہا تھا' رب نے آمین کو دُعا فرمایا! معلوم ہوا کہ آمین دُعا ہے اور دُعا آہستہ ہونا چاہیے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہیں۔ واضح رہے کہ فریق ثانی نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن سے معقول استدلال کا کہ آمین دُعا ہے کوئی جواب نہیں دیا یہ بیچارہ جواب کیا دیتا اس کا جواب تو پوری وہابی قوم کے پاس سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کے مذکورہ آیتوں سے آمین کا دُعا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

غیر مقلدوں کا جاء الحق سے اعتراض نمبر ۲

ترمذی شریف میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ وَقَالَ اٰمِيْن وَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ ۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا اور آمین فرمائی اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔ معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔ جواب آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا اس میں مد ارشاد ہوا مَدًّ مَدَّ سے بنا۔ اس کا معنی بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مدکی مقابل قصر ہے اور خفاء کا مقابل جہر رفع کا مقابل خفض ہے اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی جہر کسی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۔ بے شک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔ دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا ہے نہ کہ مدّ

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

حدیث میں مد بھا صوتہ کے الفاظ ہیں یعنی آواز کو کھینچا۔ مد بھا القہ یعنی الف کو کھینچا کے الفاظ نہیں لہذا فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ لغت عرب سے ثابت کرے کہ القا

صوت الف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الجواب اوّلاً: آپ کا مبلغ علم تو یہ ہے کہ آپ مفتی صاحب کی ظاہر عبارت کو بھی نہیں سمجھے وہابی صاحب الف یا واو کو حروف مد کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حروف آواز کھینچنے سے پیدا ہوتے ہیں خواہ بلند آواز کو کھینچا جائے یہ آہستہ کو یہی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروزن قالین الف اور میم کو کھینچا یعنی الف اور یا حروف مد کو پورا ادا فرمایا بہت افسوس ہے کہ غیر مقلد مفتی صاحب کے عالمانہ جواب پر جاہلانہ اعتراض گھڑ رہا ہے۔

غیر مقلد قرآن کا فیصلہ ہی مان لیں

ثانیاً: وہابی ضد چھوڑیں قرآن کا فیصلہ مان لیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۔ (سورۃ الرعد پارہ ۱۳)

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر اور نہریں بنائیں۔ ترجمہ کنز الایمان۔ للامام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اب آپ اپنے مذہبی پیشواؤں سے مد کے معنی ملاحظہ کریں۔ اسی آیت کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی وحید الزماں صاحب نے تفسیر وحیدی میں محمد جونا گڑھی نے تفسیر احسن البیان میں۔ سید احمد حسن تفسیر احسن التفاسیر میں۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری تفسیر ثنائی میں مَدَّ الْاَرْضَ کا ترجمہ زمین کو پھیلایا کیا ہے۔ زمین کو بلند یا اونچا کیا نہیں کیا اور ترجمہ وتفسیر فوائد سلفیہ میں مد الارض کا ترجمہ زمین کو کھینچا کیا ہے۔ اب وہابی صاحب بتائیں کہ اس کے ہم مذہبوں نے مد کے معنی میں تحریف کی ہے؟! اگر نہیں تو پھر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تحریف کا الزام کیوں اور اپنوں سے چشم پوشی کیوں؟ کیا اسلام میں دوہرے رویہ کی اجازت ہے قطعاً نہیں خدارا خدا سے ڈرو اور ضد و تعصب اور مذہبی پاسداری ترک کرو۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض

بالفرض اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مد بھا صوتہ کا معنی الف کو کھینچنا ہے (حالانکہ یہ غلط ہے) تو تب بھی یہ معنی ان کے مخالف ہے کیونکہ راوی نے الف لمبا ہونے کی آواز

سنی تھی تو تب ہی اس کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز کو کھینچا ہے۔
(نام نہاد دین الحق ۳۲۰)

الجواب اوّلاً: کتب احادیث میں یہ روایات بکثرت موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر وعصر میں فلاں فلاں سورۃ پڑھتے تھے حالانکہ ان دونوں نمازوں میں آہستہ قرأت واجب ہے تو کیا اس سے بلند قرأت کا ہونا لازم آتا ہے؟ اگر یہاں منفا جہر کو مقتضی نہیں تو آمین سننے میں بھی نہیں نہ مانوں تو جو جواب ظہر وعصر کی قرأت میں تمہارا ہے وہی آمین میں ہمارا ہے۔

ثانیاً: آمین سننے کا ایک سبب یہ ہے کہ حضور سے قریب کے نمازی سانس جیسی دھیمی آواز سن کر معلوم کرتے اور یہ اخفی کے منافی نہیں دوسرا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی برائے تعلیم قدرے آواز نکالتے جسے قریب والے حضرات سن لیتے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

مد بہا صوتہ کا معنی آواز کو بلند کرنا ہی ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے (اَلْمُؤَذِّنُ یُغْفَرُ لَہٗ مَدَّی صَوْتِہٖ مشکوۃ) اس کا معنی حاشیہ مشکوۃ پر حنفی محشی لکھتے ہیں: اِنَّ الْمَغْفِرَۃَ مُقَدَّرَۃٌ بِقَدْرِ ھُوَ ارْتِفَاعِ صَوْتِہٖ۔ یعنی مؤذن کے لیے مغفرت مقدر ہے اس کی آواز بلند ہونے کے حساب سے۔ **الجواب** غیر مقلد صاحب نے حاشیہ مشکوۃ کے حوالہ سے مد کا معنی بیان کرنے میں خیانت کی ہے وہ یہ کہ صاحب حاشیہ نے جو اس کا معنی بیان کیا ہے تو اس نے چھوڑ دیا اور جو ماحصل کے طور پر بیان کیا اسے اس نے لکھ دیا۔ اب دیانت داری سے وہ عبارت لکھی جاتی ہے جس میں مد صوتہ کا معنی بیان ہوا ہے۔ (قولہ مدی صوتہ بفتحین بمعنہ النھایہ ای یغفرلہ منتھی صوتہ۔ یعنی مدی دو زبروں کے ساتھ بمعنی انتہا یعنی اس کی بخشش ہو جائیگی جہاں تک اس کی آواز جائیگی۔ الغرض مد کا معنی دراز ہونا لمبا ہونا کھینچنا انتہا ہونا ہے۔ بلند ہونا یا بلند کرنا نہیں۔ اگر کسی جگہ اس کا معنی بلند کرنا آبھی جائے تو مجازی ہوگا اور جب تک

حقیقت پر عمل ہو سکے اہل اصول مجاز کی طرف نہیں جاتے۔ وہابی صاحب آگے مزید لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی۔ اس میں ترجیع کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ثُمَّ ارْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ) یعنی دوبارہ لوٹ اور اپنی آواز کو بلند کر۔ امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں: اِنَّمَا کَانَ لِاَنَّ اَبَا مَحْذُوْرَۃَ لَمْ یَمُدَّ بِذٰلِكَ صَوْتَہٗ عَلٰی مَا اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْہُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ وَامْدُدْ مِنْ صَوْتِكَ۔ شاید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو دوہری اذان کا حکم اس لیے دیا ہو کہ انہوں نے پہلی بار اذان کے کلمات کو اتنی بلند آواز سے نہ کہا ہو جس قدر بلند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو حکم دیا کہ اذان کو اچھی طرح بلند آواز سے کہے۔ لیجئے مفتی صاحب مد بہا صوتہ کے معنی (آواز بلند کرنے) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ امام طحاوی کے دستخط بھی وصول کیجئے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲)

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب اپنا مذہب ثابت کرنے کی غرض سے مد بہا صوتہ کا معنی بار بار غلط کر رہے ہیں اگر امام طحاوی کا یہ احتمال بتانا مقصود ہوتا کہ شاید پہلے ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز کو بلند نہ کیا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمات دوہرانے کا حکم دیا تو پھر یوں کہے: لَمْ یَرْفَعْ بِذٰلِكَ صَوْتَہٗ۔ اس کے ساتھ ابو محذورہ نے اپنی آواز کو بلند نہ کیا تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کلموں کو دوبارہ کہو وارْفَعْ بِھَا صَوْتَكَ۔ اور اپنی آواز بلند کرو۔ امام طحاوی کا ایسا نہ کہنا بلکہ لم یمد بذلك صوتہ کہنا اور رسول اللہ کی طرف امدد من صوتك کے الفاظ نسبت کرنا آپ کے ترجمہ اور مقصود دونوں کی تردید کرتا ہے۔

ثانیاً: حدیث ارشاد ہونے کا سبب بھی بتاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو محذورہ کو حروف مدا کو کھینچ کر صحیح ادائیگی کے لیے اذان کلمات دوبارہ کا حکم دیا کیونکہ آپ ان کو اذان کی تعلیم دے رہے تھے۔ تو حروف مدا کو نہ کھینچے سے معانی میں خلل آتا

ہے۔ ثالثاً اگر آپ امام طحاوی کی بات مانتے ہیں وہ تو فرما رہے ہیں کہ اذان میں ترجیع کا سبب ابومحذورہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے مطابق حروف کو نہ کھینچنا تھا مگر تم وہابی لوگ ترجیع کو مسنون جانتے ہو امام طحاوی کی بات کیوں نہیں مانتے حالانکہ اپنے مقصد پر ان کا ارشاد بطور دلیل پیش کر رہے ہو کیا یہ دو رنگی چال نہیں تو اور کیا ہے۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۳

ابو داؤد شریف میں حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے: قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَءَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن وَرَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فرماتے تھے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں اپنی آواز شریف بلند فرماتے تھے۔ یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں بلند اونچا کیا۔ معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ وائل بن حجر کی اصل روایت میں مد ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا جس کے معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بمعنی کی مد کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں صرف حضور کی قرأت کا ذکر ہے ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قرأت کا ذکر فرمایا ہو مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ احادیث بالجہر اور خفی کی احادیث میں تعارض ہے مگر جہر والی احادیث قرآن کریم کے خلاف ہیں لہٰذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں لہٰذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہٰذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں اس کے خلاف قابل ترک قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں منسوخ ہیں اسی لیے صحابہ ہمیشہ آہستہ آمین کہتے

تھے اور اس کا حکم دیتے تھے اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔ مخفی نہ رہے کہ غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض نمبر ۳ کا جو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معقول مدلل و مفصل جواب دیا ہے غیر مقلد نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا نامعلوم جواب دینے سے اسے کیا مجبوری درپیش تھی۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۴ اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن حَتّٰی یَسْمَعَھَا اَھْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَیَرْتَجُّ بِھَا الْمَسْجِدُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونجنے کا ذکر ہے گونج بغیر شور پیدا نہیں ہوتی۔ جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی اول عبارت چھوڑ دی ہے وہ یہ ہے: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ تَرَکَ النَّاسُ التَّاْمِیْنَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ الخ) اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی جس پر سیدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری' دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لیں جائے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جب کہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد آپ کے زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی آج کوئی غیر مقلد صاحب چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھائے۔ انشاء

اللہ چیختے چیختے مر جائیں مگر گونج نہ پیدا ہو گی۔ اس اعتراض کے باقی دو جواب ہیں جو اعتراض نمبر ۳ کے ماتحت عرض کیے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۔ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہو گئی' قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔ مخفی نہ رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہابیوں کے مذکورہ اعتراض کے مدلل و مفصل جواب کا غیر مقلد کوئی جواب نہیں دے سکا یہ احناف کی واضح فتح ہے۔ اب غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۵ اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے۔ قَالَ عَطَاءٌ اٰمِيْنُ دُعَاءٌ اَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَّرَاءَهٗ حَتّٰى اَنَّ الْمَسْجِدَ لَلَجَّةٌ۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور حضرت ابن زبیر اور اس کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہو گئی اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیے کہ مسجد گونج جائے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اول' دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم کہ خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج ہو گی تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل ومشاہد کے خلاف ہے کیونکہ پکی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل ومشاہدے کے خلاف ہو تو وہ یہاں تاویل واجب ہو جاتی ہے ورنہ کفر لازم آ جاتا ہے آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہر معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہے جیسے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ تم جدھر پھرو ادھر

ہی اللہ کا منہ ہے۔ خدا کے لیے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہٰذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے: فَوَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۔ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا۔ سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا لہٰذا اس کی تاویل کی جاتی ہے یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی وہابیوں کو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور صدق دل سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہے۔ اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔ یاد رہے غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض کا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عالمانہ مدلل جواب دیا ہے۔ وہابی صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا باقی مجبوریوں سے قطع نظر اس صاحب کی ایک مجبوری یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قبل ازیں یہ صاحب آمین کے دعا ہونے کا انکاری ہو چکا ہے جب کہ اعتراض کے ضمن میں لکھی گئی روایت میں اس کا واضح طور پر دعا ہونا ثابت ہے واضح رہے کہ اب تک حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے پانچ اعتراضوں کے معقول مدلل اور مفصل عالمانہ فاضلانہ جوابات دیئے ہیں جب کہ غیر مقلد نے ان میں سے ایک کا جواب دیا جس کا حال قارئین نے خود دیکھ لیا۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۶ ملاحظہ ہو۔ آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل بن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں: حَدِيْثُ سُفْيَانَ اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ فِيْ هٰذَا اِلٰى اَنْ وَقَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ وَاِنَّمَا هُوَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ ۔ آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث زیادہ صحیح ہے شعبہ کی حدیث سے شعبہ یہاں کہتے ہیں خفض یعنی

حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔ جواب شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے آپ کے سوال کے چند جواب ہیں:

۱- ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ راوی آ رہے ہیں اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے۔

۲- دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

۳- تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی امام صاحب کو یہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔

۴- چوتھے یہ کہ اگر پہلے ہی سے یہ حدیث ضعیف تھی جب بھی امام اعظم سراج الامت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

۵- پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

۶- یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

۷- ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرض کہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے اس پر عمل

چاہیے۔

اس پر غیر مقلد صاحب کا پہلا اعتراض اگر ۲۶ اسناد سے مفتی صاحب کی مراد وائل بن حجر کی ہیں تو یہ مفتی صاحب کا خالص مغالطہ اور صریحاً کذب بیانی ہے اس قدر اسناد تو کجا فریق ثانی حضرت شعبہ کا ہمیں متابع دکھا دیں ہم کسی دوسری علیحدہ سند کا مطالبہ نہیں کرتے۔

ثانیاً۔ اگر ۲۶ اسناد سے یہ مراد ہے کہ مفتی صاحب نے کل دلائل اخفاء آمین پر اتنی روایات پیش کی ہیں تو بھی غلط بیانی ہے۔ الجواب بعون الوہاب وھو موفق للصواب۔ اولاً مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دعویٰ ہی نہیں کیا کہ حضرت شعبہ کی چھبیس اسنادیں ہیں تو پھر وہابی کا ان کی ذمہ مغالطہ اور کذب لگانا خلاف انسانیت ہے۔

ثانیاً: اس میں کوئی ابہام ہے ہی نہیں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ نمبر سے ظاہر ہے کہ چھبیس اسناد سے مراد روایات کی مختلف اسناد ہیں۔ راویوں اور ان محدثین کے اعتبار سے جنہوں نے اپنی کتب میں روایت کیں۔ رہا یہ مطالبہ کہ امام شعبہ کا متابع دکھاؤ تو شعبہ کا متابع حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض صحیح احادیث کے بالمقابل ضعیف سند سے جس قدر بھی روایات ہوں وہ قابل اعتبار اور لائق عمل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: اِنَّ الْعَمَلَ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ مُحَلَّہٗ اِذَا لَمْ یَکُنْ مُخَالِفًا لِلْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ ۔ یعنی ضعیف حدیث پر عمل کرنا تب جائز ہے جب صحیح کے خلاف نہ ہو۔

الجواب اوّلاً: ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کی مذکورہ عبارت ہمارے خلاف نہیں خود وہابیوں کے خلاف ہے کیونکہ جب کوئی صحیح حدیث بھی وہابی وھرم کے خلاف ہو تو اسے خلاف مجرم جان کر ضعیف و موضوع کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ثانیاً: غیر مقلد کی تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب بزعم خود آمین آہستہ پر احناف کی پیش کردہ تمام احادیث کو ضعیف جانتا ہے اور اپنے مذہب کی روایتوں کو صحیح ہم

بفضلہٖ تعالیٰ وہابی جی کی آنکھیں کھولنے اور اس کا زعم بے بنیاد ثابت کرنے کو احناف کے مؤقف کی احادیث کی صحت سے بیان کر دیتے ہیں۔

آمین آہستہ کے ثبوت پر احادیث کی صحت کا بیان

اول: علامہ نیموی نے اپنی آثار السنن میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث دو سندوں سے نقل کی ابوداؤد اور دار قطنی ابوداؤد کی سند کے متعلق فرمایا: اِسْنَادُهٗ صَالِحٌ یعنی اس کی اسناد درست ہے اور دار قطنی کی سند کو فرمایا: قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ سَمُرَةَ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔ یعنی امام ترمذی ابوعیسٰی نے فرمایا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی سند صحیح ہے یعنی اس حدیث کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں دو جگہ سکتہ فرماتے:

اول- ایک سورہ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے (یعنی ثناء تعوذ اور تسمیہ کے لیے) اور دوسرا ولا الضالین کے بعد (اور وہ آمین آہستہ کہنے پر ہوتا)

دوم- اسی میں علامہ نیموی ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی روایت مصنف عبدالرزاق سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔ اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔ اس روایت میں ہے کہ امام پانچ چیزیں آہستہ کہے ان میں آمین کا بھی ذکر فرمایا۔

حضور نے سورہ فاتحہ کے بعد آمین آہستہ کہی

سوم- محدث طبرانی اپنی طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۳۷ پر نقل فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ الْمُثَنّٰی ثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَنْبَسٍ يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّهٗ صَلّٰى خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن فَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ۔

یعنی شعبہ کی سند سے حضرت وائل ابن حجر حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی جب ولا الضالین فرمائی تو آمین فرمائی تو آواز مبارک کو آہستہ رکھا۔ اسی کے تحت حاشیہ پر

ہے کہ:

رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَوَافَقَهُ الذَّهَبِيُّ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ الطَّيَالِسِيُّ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَمِنْ طَرِيْقِهِ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ۔

اسے حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا شیخین کی شرط پر اور علامہ ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی اور اسے روایت کیا ابوداؤد طیالسی نے اور اسی کے طریق سے امام بیہقی نے اسے حضرت شعبہ سے روایت کیا اس نے سلمہ سے۔ اب اس سے فریق ثانی کی تشفی و تسلی ہو جانی چاہیے جو کہ امام شعبہ کی روایت کو ضعیف کہے رہا ہے۔

چہارم- مصنف ابن ابی شیبہ کی اضافی جلد ۹ کے مقدمہ پر امین صفدر صاحب بیان کرتے ہیں:

وَحَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عِنْدَ اَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ وَالدَّارِمِيِّ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ۔ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْن فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَقُوْلُ اٰمِيْن وَاِنَّ الْاِمَامَ يَقُوْلُ اٰمِيْن فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

"اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد اور نسائی اور دارمی کے نزدیک بسند صحیح مروی ہے (جس میں ارشاد ہے) جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو اس لیے کہ ملائکہ آمین کہتے ہیں جب امام آمین کہے تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے"۔

اس پر صاحب مقدمہ لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهٗ اِنَّ الْاِمَامَ يَقُوْلُ اٰمِيْن۔ فِيْهِ دَلَالَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى الْاِخْفَاءِ بِاٰمِيْن وَلَوْلَا مَا اُحْتِيْجَ اِلٰى بَيَانِ مَا يَفْعَلُهُ الْاِمَامُ۔

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد میں کہ بے شک امام بھی آمین کہتا

ہے۔ آہستہ آمین کہنے پر واضح دلالت ہے ورنہ امام کا فعل بیان کرنے کی حاجت ہی کیا تھی''۔

اب غیر مقلد کا تیسرا اعتراض ملاحظہ ہو

مفتی صاحب نے نہ تو ہمارے اعتراض کو سمجھا ہے اور نہ ہی فن رجال میں غور کیا ہے ہمارا اعتراض یہ ہے کہ اصل روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے بھی قبل (رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ) کے الفاظ تھے اور امام سلمہ بن کھیل تابعی تک یہ روایت اسی طرح منقول تھی جس میں امام شعبہ کو وہم ہوا ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ (خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ) کے الفاظ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح اسناد سے مل گئے تھے اوّل تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بریلوی علماء وہ روایت پیش کریں جس میں انہوں نے سلمہ بن کھیل سے (خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ) کے الفاظ روایت کیے ہیں کیونکہ سلمہ بن کھیل نے ۱۲۳ میں کوفہ میں وفات پائی تھی۔

دوم سلمہ بن کھیل کی وفات ۱۲۳ میں ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵۰ میں وفات پائی۔ جس سے واضح ہے کہ امام صاحب کی عین حیات میں امام سلمہ بن کھیل سے امام شعبہ نے روایت اخذ کی تھی جس کے بیان کرنے میں انہوں نے غلطی کی ہے۔ (امام نہاد دین الحق ص ۳۱۹)

الجواب اوّلاً: ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی صحت دو جلیل القدر محدثوں سے بیان کر دی ہے اب کوئی باشعور غیر مقلد کی بات کہ حضرت شعبہ کی روایت ضعیف ہے قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے ہمارا اعتراض سمجھا نہیں وہ اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ سلمہ کی اصل روایت میں رفع بہا صوتہ تھا مگر شعبہ کو غلطی ہوئی کہ اس نے رفع کو خفض سے بدل دیا یہ وہی رافضیوں والی بات ہوئی کہ حضرت عثمان کی بکری نے قرآن سے اہل بیت کی شان والی سورتوں کو کھا لیا یعنی وہ بکری اتنی عقل مند تھی کہ اس نے قرآن میں سے پہچان کر اہل بیت کی شان بیان کرنے والی سورتوں کو کھایا ایسے ہی

امام شعبہ کو اور کہیں غلطی نہ ہوئی اسے یہی غلطی ہوئی کہ وہابیوں کی دلیل رفع کو خفض سے بدل دیا یہ ہے ان بہانہ باز لوگوں کا حال۔

ثالثاً: سب وہابیوں کو چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آہستہ آمین پر شعبہ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہی نہ کر سکیں تو پھر امام صاحب کے استدلال میں کیسے ضعف آئے گا۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کو اس حدیث کا مل جانا ثابت کیا جائے۔

ثانیاً: وخفض بہا صوتہ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ امام کو آمین کہنی چاہیے حالانکہ امام صاحب کا مؤقف ہے کہ امام آمین کہے ہی نہ اگر انہیں یہ حدیث بقول مفتی صاحب مل گئی تھی تو اس کی مخالفت ہی کیوں کی؟ (امام نہاد دین الحق ص ۳۱۹)

الجواب: یہ بات درست نہیں کہ امام صاحب اس کے قائل ہوں کہ امام آمین نہ کہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ امام آمین کہے لیکن آہستہ ہم نے پہلے اس پر حوالہ پیش کیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الآثار میں بیان کیا کہ امام صاحب نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے ان میں آمین کا بھی ذکر کیا امام محمد نے اس جگہ کہا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ اور امام صاحب کے اسی قول پر ہی احناف کا عمل ہے۔

وہابی صاحب کا پانچواں اعتراض

فریق ثانی پہ لازم ہے کہ یہ ثابت کریں کہ احناف کے علاوہ اُمت سے اس پر کس کس نے عمل کیا ہے۔

ثانیاً: اُمت کا تعامل مختلف ہے لہٰذا تعامل سے ضعف کو دور کرنا مفتی صاحب کو تب مفید تھا جب اخفاء آمین پر اجماع اُمت کے علاوہ، تامین بالجہر کی صحیح احادیث موجود نہ ہوتیں۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلد کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اجماع اُمت احادیث صحیحہ کے خلاف بھی ممکن ہے جب ہی تو اس نے قید لگائی کہ اجماع کے علاوہ تامین بالجہر کی صحیح احادیث موجود نہ ہوتیں۔ حالانکہ احادیث صحیحہ کے خلاف تو اجماع اُمت ممکن ہی نہیں کیونکہ اجماع اُمت نص قرآنی اور حدیث متواترہ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے منکر کو علمائے کافر قرار دیا ہے اگر بعد والوں کا اجماع ہے تو اس پر بھی عمل لازم وفرض ہے نیز احادیث صحیحہ غیر منسوخہ کے خلاف عمل کرنا گمراہی پر جمع ہونا ہے جب کہ سب اُمت کا گمراہی پر جمع ہونا ازروئے حدیث محال ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

اللہ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ اِلَى النَّارِ۔ (ترمذی جلد ثانی ص ۳۹)

''تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ میری اُمت کو یا فرمایا اُمت محمد کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا اور اللہ کا دست (قدرت و حمایت) جماعت پر ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ دوزخ میں جدا گیا''۔

ثانیاً: وہابی صاحب کا قول کہ فریق ثانی پہ لازم ہے کہ ثابت کریں احناف کے علاوہ کس کس نے اس پر عمل کیا ہے۔ اس کا جواب ہے کہ جب عمر فاروق علی المرتضیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے باآواز بلند آمین نہ پڑھنا ثابت ہے اور یہ حضرات صحابہ علیہم الرضوان کے آئمہ خلفاء تھے تو صحابہ کا ان کے آمین آہستہ پڑھنے پر سکوت فرمانا یہ اجماع صحابہ کو ثابت کرتا ہے۔

ثالثاً: نام نہاد دین الحق کے مصنف نے آمین بالجہر پر آثار صحابہ کا عنوان قائم کیا لیکن دلیل کو کسی ایک صحابی کا ارشاد نہ ملا صرف تابعی کا قول پیش کیا۔ حقیقتاً اسکا آخر حصہ

بھی غیر مقلدوں کے مذہب کے خلاف ہے اس لیے فقہائے احناف نے اس سے آمین خفی پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آمین دُعا ہے اور دُعا میں اصل ازروئے شرع اخفاء ہے۔ لہٰذا اگر آہستہ آمین پر صحابہ کرام کا اجماع نہ ہوتا تو وہابی صاحب کو آمین جہر پہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار ضرور مل جاتے۔

غیر مقلد کا چھٹا اعتراض

فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ قرآن سے ہمیں صریحاً دکھائیں کہ آمین کو آہستہ کہنا چاہیے اور یہ کہ شعبہ کی روایت صحیح ہے اور سفیان کی ضعیف ہے۔

ثانیاً: اگر تائید سے مراد وہی ہے جو آگے آپ نے من گھڑت دلائل دیے ہیں تو ان کی حقیقت آگے آرہی ہے۔

ثالثاً: جب سفیان ثوری کی روایت صحیح ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کرکے دکھا دیا کہ آپ کا خلاف قرآن کہنا غلط بیانی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۱۹)

الجواب اوّلاً: قرآن میں کوئی امر صریحاً موجود ہو تو اس کا انکاری کافر ٹھہرتا ہے اور اسے معمول بہ بنانا فرض ہوتا ہے جب کہ ہم احناف آمین خفی کے منکر کو اس وجہ سے کافر نہیں کہتے اور نہ ہی اسے فرض کہتے ہیں پھر وہابی صاحب ہم سے قرآنی نص صریح کا مطالبہ کس لیے کرتا ہے۔ یہ اس صاحب کی سینہ زوری اور احناف کے مؤقف سے جہالت ہے۔

ثانیاً: مسائل شرعیہ صرف قرآن کے نص صریحہ سے ہی ثابت نہیں ہوتے بلکہ کسی طرح کی دلالت نص قرآنی میں پائی جائے صریحاً یا سیاقاً یا اشارۃً تو علماء اسلام نے اس سے مسائل شرعیہ ثابت کیے ہیں مگر مقام ضرور مختلف ہو جاتا ہے یعنی جو مقام صراحۃ النص کا ہے وہ اشارۃ النص کا نہیں۔ لہٰذا آمین آہستہ ہونے پر بھی نص میں کسی طرح کی دلالت موجود ہونے سے عمل کا مقتضی ہے۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا نص صریح کا مطالبہ کرنا اس کا ثبوت ہے کہ مفتی صاحب کا آیت سے استدلال بے جا نہیں ورنہ وہابی صاحب سرے سے آمین آہستہ کے قرآن

سے ثابت ہونے کا انکار کرتے صریحاً کی شرط نہ لگاتے۔

رابعاً: غیر مقلد کا ہم سے حضرت شعبہ کی روایت کی صحت دیکھانے کا مطالبہ تو یہ ہم نے بفضلہ تعالیٰ پہلے ہی پورا کر دیا ہے اب اسے دہرانے کی حاجت نہیں۔

خامساً: غیر مقلد کا دعویٰ کہ سفیان ثوری کی روایت صحیح ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھا دیا کہ آپ کا خلاف قرآن کہنا محض غلط ہے۔

جواب: اوّلاً نجدی صاحبان ویسے تو انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کا علم غیب تو مانتے نہیں مگر اپنا مذہب ثابت کرنے کو حضور کے علم غیب شریف کا بھی اقرار کر لیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم تھا کہ سفیان ثوری آمین بالجہر کو روایت کریں گے تو آپ نے عمل کر کے دکھا دیا اور آپ کو علم تھا کہ احناف آمین بالجہر کو خلاف قرآن کہیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمل کر کے دکھا دیا کہ ایسا کہنا محض غلط ہے۔

ثانیاً: اگر آپ کا دعویٰ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آمین چیخ کر کہنا تھا تو آپ نے نماز کا تمام طریقہ صحابہ کو بیان فرمایا: تم دکھا دو کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو اجہروا بالتامین۔ آمین کو باآواز بلند کہا کرو۔

غیر مقلد کا ساتویں اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ دین میں قیاس معیار نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہے فقہ حنفی میں بھی یہی لکھا ہے کیونکہ دلائل شرعی چار ہیں: قرآن سنت، اجماع، قیاس لیکن قرآن وسنت کے بالمقابل نہ اجماع ہوسکتا ہے نہ قیاس۔

(نام نہاد دین الحق ص ۳۳۰)

الجواب اوّلاً: غیر مقلدین کا احناف پر مشہور اعتراض ہے کہ یہ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اور قرآن وحدیث کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں مگر نام نہاد دین الحق کے مصنف صاحب نے اپنے ہم مذہبوں کی تردید کر دی کہ فقہ حنفی میں اصل ومعیار قرآن وسنت ہی ہے وہ قیاس کو قرآن وسنت کا مقابل نہیں جانتے۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا لیکن قرآن وسنت کے بالمقابل نہ اجماع ہوسکتا ہے نہ قیاس۔ جواب اگر لیکن سے آگے کی عبارت احناف کی طرف منسوب ہے تو یہ غلط ہے

کیونکہ قیاس تو فرع ہے وہ اپنی اصل قرآن وسنت اور اجماع کے مقابل نہیں ہوسکتا مگر اجماع اُمت اصل ہے اور اس کا قرآن وسنت کے مقابل وخلاف منعقد ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ اس کا قرآن وسنت کے بالمقابل وخلاف منعقد ہونا گمراہی ہے جب کہ ازروئے حدیث شریف اُمت کا گمراہی پر جمع ہونا ممکن نہیں۔

ثالثاً: اصل میں وہابی صاحب نے مفتی صاحب کی عبارت کو سمجھے بغیر اعتراض کر دیا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا کہ تمہاری پیش کردہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے یہ مطلب نہیں کہ دو حدیث وقیاس کا آپس میں مقابلہ ومعارضہ کر رہے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو حدیثیں ہیں ایک کی بناء پر تم کہتے ہو کہ آمین چیخ کر کہنی چاہیے اور دوسری حدیث ہماری دلیل ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث اس لیے قیاس شرعی کے خلاف ہے کہ آمین دُعا ہے اور دُعا میں اصل ازروئے شرع اخفاء ہے لہٰذا قیاس شرعی کا تقاضا ہے کہ آمین اصل کے خلاف نہ ہو تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد قیاس شرعی سے یہ ہے کہ اس قیاس کی علت نص شرعیہ میں موجود ہے۔

رابعاً: مقابلہ کا اعتراض تو تب کرو جب کہ حدیث صریح الدلالت ہو جب حدیث میں ہی احتمالات ہیں حروف مدا کو کھینچنا وغیرہ تو اصول ہے کہ جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کا استدلال ہی باطل ہے۔ اب غیر مقلد کے وہ اعتراض ملاحظہ ہوں جو اس نے ہماری پیش کردہ امام شعبہ کی روایت پر کیے ہیں۔

پہلا اعتراض

ان الفاظ سے مروی یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ صرف امام شعبہ نے سلمہ بن کہیل سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں جس کے نقل کرنے میں امام شعبہ سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں جب کہ امام سفیان اور دیگر محدثین نے سلمہ بن کہیل سے یہی روایت کی ہے جس میں مد بہا صوتہ کے الفاظ ہیں اور یہ الفاظ صحیح ہیں۔ محقق محدثین نے امام سفیان اور دیگر

محدثین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نام نہاد دین الحق)

الجواب اولاً: ہم نے بفضلہ تعالیٰ امام شعبہ کی حدیث کی صحت بیان کر دی جس سے غیر مقلد کا مذکورہ اعتراض غلط ثابت ہوا۔

ثانیاً: ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت سفیان کی روایت مد بہا صوتہ میں احتمالات ہیں لہٰذا یہ شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صریح الدلالت روایت کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ثالثاً: امام شعبہ اور امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہما کی روایتوں کے الفاظ مد بہا صوتہ اور خفض بہا صوتہ متضاد نہیں کہ دونوں پر بیک وقت عمل نہ ہو سکے اس لیے کہ مد کا معنی ہے کھینچنا تو کھینچنا آہستہ آواز سے بھی ہو سکتا ہے۔

رابعاً: آگے آ رہا ہے کہ امام سفیان ثوری کا عمل آمین جہر پر نہیں بلکہ آہستہ پر ہے جو امام شعبہ کی روایت کی صحت پر واضح دلیل ہے۔

خامساً: یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ محدثین نے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ترجیح دی ہے بلکہ ان کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے۔ محدثین کرام کے اقوال مختلف ہیں جیسے کہ علامہ نیموی نے اپنی آثار السنن پر تعلیق میں بیان کیا ملاحظہ ہو:

وَاَمَّا مَا قَالُوْا تَرْجِیْحًا لِحَدِیْثِ الرَّفْعِ عَلٰی حَدِیْثِ الْخَفْضِ مِنْ اَنَّ الثَّوْرِیَّ اَحْفَظُ مِنْ شُعْبَةَ فَهٰذَا الْقَوْلُ لَیْسَ بِمُجْمَعٍ عَلَیْهِ بَلْ فِیْ تَرْجِیْحِ اَحَدِهِمَا عَلَی الْاٰخَرِ اَقْوَالٌ۔ (ص ۹۲)

"اور جو بعض رفع کی حدیث کو خفض پر ترجیح کے قائل ہوئے اس وجہ سے کہ سفیان ثوری حفظ میں شعبہ سے زیادہ ہیں تو اس بات پر اجماع نہیں بلکہ ان سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں"۔

اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت سفیان یا حضرت شعبہ میں سے کسی کو ترجیح دینا متفق علیہا نہیں لیکن غیر مقلدوں کا اپنا راج ہے اگر وہ سفیان ثوری کی روایت کو ترجیح

دینے والے محدثین کو محقق کہہ کر قبول کر لیں اور شعبہ کی روایت کو ارجح کہنے والے محدثین کو غیر محقق کہہ کر رد کر دیں تو کیا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہابیوں کی اپنی گنگا ہے جس طرف چاہیں بہا دیں۔ لیکن انصاف اس کی اجازت نہیں دیتا۔ غیر مقلد صاحب دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں: امام ترمذی نے سنن کے مختلف مقامات پر امام شعبہ کی اغلاط واضح کیں۔

الجواب اولاً: امام ترمذی نے امام شعبہ کے متعلق خود اپنی رائے قائم نہیں کی بلکہ انہوں نے امام بخاری کا قول نقل کیا اس میں شعبہ کی غلطیاں یہ ذکر کیں کہ شعبہ نے حجر کو ابو عنبس کہا ہے حالانکہ وہ حجر بن عنبس ہیں دوسرا یہ کہ علقمہ بن وائل کو سند میں زیادہ کیا اور وہ اس سند میں نہیں۔۔ تیسرا انہوں نے مد بہا صوتہ کی بجائے خفض بہا صوتہ بیان کیا۔ فقہاء احناف نے امام بخاری کے مذکورہ اعتراض کے کئی جواب مختلف کتب میں دیئے ہیں۔ علامہ نیموی اپنی آثار السنن پر تعلیق میں اور مصنف ابن ابی شیبہ کی اضافی جلد نمبر ۹ مقدمہ میں ص ۱۸۹ پر ابن حبان نے کتاب الثقات کے حوالہ سے ان کا قول بیان کیا کہ حجر بن عنبس کی دو کنیتیں تھی ابو عنبس اور ابو السکن لہٰذا امام شعبہ نے کنیت بیان کرنے میں غلطی نہیں کی کیونکہ یہ ان کی کنیت ہے۔۔

ثانیاً: یہ اعتراض کہ امام شعبہ نے علقمہ کو سند میں زیادہ کیا ہے اس کا جواب کتب احناف میں یہ مذکورہ ہے کہ شعبہ نے زیر بحث حدیث کو علقمہ بن وائل سے بھی سنا اور بلاواسطہ حضرت وائل سے بھی لہٰذا سند میں کوئی اضافہ نہیں کیا کیونکہ امام شعبہ نے دونوں سے سنا ہے۔

ثالثاً: غیر مقلدوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ آنکھوں سے امام بخاری کی تقلید کی عینک اتار کر دیکھیں تو ان کو نظر آئے گا کہ ابوداؤد کی روایت میں امام سفیان سے بھی حجر کی کنیت ابو العنبس منقول ہے لہٰذا یہ غلطی نہیں بلکہ یہی درست ہے کہ حجر کی کنیت ابو العنبس بھی ہے نیز اگر امام شعبہ کی غلطی کا شور مچاتے ہو تو امام سفیان کی غلطی بھی مانو۔

رابعاً: امام بخاری کا کہنا کہ امام شعبہ نے خفض کے الفاظ ذکر کیے ہیں حالانکہ روایت میں مد کے لفظ ہیں۔ اس کا جواب ہے کہ اگر اسے تسلیم کیا بھی جائے تو یہ پہلے عرض کر چکے ہیں مد خفض کے خلاف نہیں۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

یہ قاعدہ بھی محدثین کے ہاں طے شدہ ہے کہ جب امام شعبہ امام سفیان کی مخالفت کریں تو امام سفیان ثوری کی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(دوام نہاد و دین الحق ص ۳۱۶)

الجواب: ہم نے ابھی بحوالہ بیان کر دیا ہے کہ سفیان ثوری اور امام شعبہ کو آپس کی ترجیح میں محدثین کرام کے اقوال مختلف ہیں لہذا آپ کا مذکورہ قاعدہ یہاں صادق نہیں آتا۔

وہابی صاحب کا چوتھا اعتراض

خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کے الفاظ روایت کرنے میں امام شعبہ کا کوئی ثقہ یا ضعیف متابع موجود نہیں جب کہ امام سفیان ثوری کے تابع موجود ہیں ایک علاء بن صالح جیسا کہ امام ترمذی کی عبارت میں گزر چکا ہے دوسرے علی بن صالح جنہوں نے براہ راست سلمہ بن کہیل سے روایت کی ہے اور فَجَهَرَ بِآمِيْنَ کے الفاظ روایت کیے ہیں۔ اور تیسرا محمد بن سلمہ ہے مؤخر الذکر ضعیف ہے لیکن متابعت میں کوئی حرج نہیں الغرض سفیان کے دو ثقہ اور ایک ضعیف متابع موجود ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۱۷)

الجواب اوّلاً: ہم نے بفضلہ تعالیٰ پہلے اس کا جواب دیا ہے کہ امام شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت صریح الدلالت ہے جب کہ اس کے برعکس امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں معنی اور حکم دونوں میں احتمالات ہیں اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب احتمال آئے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: یہ غلط ہے کہ حضرت سفیان کے تین متابع موجود ہیں صحیح یہ ہے کہ ان کے صرف دو ہی متابع ہیں علاء بن صالح اور محمد بن سلمہ اور یہ دونوں ضعیف ہیں علی بن

صالح ان کے متابع نہیں۔ ملاحظہ کو تعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۹۳ دیکھیں۔

آمین جہر کے راوی سفیان ثوری کا خود اس کے خلاف عمل

ثانیاً: خود امام ثوری کا مذہب آمین آہستہ کہنا ہے۔ حاشیہ العرف الشذی علی الجامع الترمذی آمین کی بحث میں ہے کہ اِنَّ مَذْهَبَ سُفْيَانَ اِخْفَاءُ اٰمِيْنَ مَعَ اَنَّهُ يُرْوٰى عَنْهُ جَهْرَهُ۔ بلاشبہ حضرت سفیان کا مذہب آمین آہستہ کہنا ہے باوجودیکہ وہ اسے جہر پڑھنے کے راوی ہیں۔ امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل ہونے کا یا تو یہ سبب ہے کہ وہ مد بہا صوتہ کا معنی بلند کہنا نہیں مانتے یا ان کے نزدیک آمین بلند کہنا بطور تعلیم تھا بطریقہ مسلوکہ نہیں۔

رابعاً: فریق ثانی کا مذہب آمین کے مسئلہ میں اس لیے بھی ضعیف ہے کہ احناف کے علاوہ آئمہ ثلاثہ میں سے امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی آمین جہر نہ کہے اور امام احمد کے متعلق ان سے خفی و جہر کے بلا ترجیح دو روایتیں ہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب امام مالک کے برعکس ہے یعنی امام آمین جہر کہے اور مقتدی کی آمین کے بارے میں ان سے جہر و خفی میں دو روایتیں ہیں مگر ترجیح جہر کی روایت کو ہے۔ ملاحظہ کو رحمۃ الامۃ فی اختلاف الآئمہ اور المیزان الکبریٰ دیکھیں۔ امام مالک و امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اقوال مختلف وارد ہونے کی وجہ یہی ہے کہ جہر آمین پر جو روایتیں اس کے قائلین پیش کرتے ہیں ان کے معنی و حکم دونوں میں احتمال ہے یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ کبھی کبھی بلند آمین کہنا برائے تعلیم تھا یا وہ حضرات ویسی آواز سنتے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل قریب ہوتے۔

یہاں تک بفضلہ تعالیٰ آمین پر بحث پوری ہوئی اب ترک رفع یدین پر بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں سب توفیق و قوت اس کے ہاتھ ہے۔ واضح رہے کہ یہ جاء الحق حصہ دوم سے چھٹا باب ہے اس کا عنوان ہے کہ رفع یدین کرنا منع ہے۔ اس کی تمہید میں حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: احناف اہلسنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں

ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ پہلی فصل رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور اقوال مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تکبیر اولیٰ کے بعد رفع یدین نہ کیا

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ابی شیبہ' نے حضرت علقمہ سے روایت کی:

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ۔ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ بِہٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

ایک د[illegible]م سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی اس میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ اور علماء تابعین کا عمل ہے۔ یہ حدیث لکھنے کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔

دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کر[illegible] ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی اگر رفع یدین سنت

ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا بلکہ حسن فرمایا۔

چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔

پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اسے قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔

چھٹے یہ کہ عام امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم آئندہ انشاء اللہ عرض کریں گے ان وجوہ سے ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود حسن ہے۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراضات پہلا اعتراض حدیث مفتی صاحب نے آگے چل کر طحاوی سے نقل کر کے حدیث نمبر ۷ کا عنوان لگایا ہے پھر مکرر ابوداؤد سے نقل کر کے حدیث نمبر ۲۲ کی سرخی قائم کی ہے اور یوں مفتی صاحب نے ایک ہی حدیث کو چھ احادیث باور کرایا ہے جو کہ یقیناً غلط بیانی ہے کیونکہ روایت سند اور متن کے لحاظ سے ایک ہے اور دارو مدار عاصم بن کلیب پر ہے۔

الجواب: وہابی صاحب کا جھوٹ اور غلط بیانی ہے کہ مفتی صاحب نے ایک ہی حدیث کو چھ احادیث باور کرایا ہے اور ان کا متن و سند ایک ہی ہے میں کہتا ہوں اگر وہابی صاحب چشم دیدہ سے دیکھتا تو اسے ضرور متن و سند مختلف نظر آتا کیونکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نمبر ۱ تا ۴ کے تحت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف حدیث بیان کی ہے جس میں ابن مسعود نے عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ لوگوں کو دکھایا اور جس کو مفتی صاحب نے حدیث نمبر ۷ کے تحت لکھا یہ مرفوع ہے جس کے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ اور حدیث اوّل اور حدیث نمبر ۲۲ کا متن مختلف ہے حدیث اوّل کا متن تو اوپر لکھا جا چکا ہے جب کہ حدیث نمبر ۲۲ کا متن یوں ہے: فَرَفَعَ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ وَقَالَ بَعْضُھُمْ مَرَّۃً

وَاحِدَۃٌ۔ اب قارئین خود انصاف سے بتائیں کہ وہابی صاحب کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

عاصم بن کلیب مرجیہ تھا شریک بن عبد اللہ النخعی علامہ ذھبی اور حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ کان مرجئا۔ یعنی عاصم بن کلیب مرجیہ تھا۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۷۴)

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب نے حافظ ابن حجر اور ذہبی کے حوالہ سے عاصم بن کلیب کے بارے صرف وہی عبارت لکھی جس سے اس کا مقصد پورا ہوتا تھا باقی کو چھوڑ دیا ملاحظہ ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تقریب التہذیب کے صفحہ ۱۲۰ پر حضرت عاصم کے متعلق لکھتے ہیں: صَدُوْقٌ رُمِیَ بِالْاِرْجَاءِ۔ یعنی عاصم بن کلیب سچے ہیں ان پر مرجی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۵۶ پر علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''عَاصِمُ بْنُ کُلَیْبِ الْجرمِیُّ الْکُوْفِیُّ عَنْ اَبِیْهِ کُلَیْبِ بْنِ شِهَابٍ وَ اَبِیْ بُرْدَۃَ۔ وَعَنْ جَمَاعَۃٍ۔ وَعَنْهُ شُعْبَۃُ وَعَلِیُّ بْنُ عَاصِمٍ وَ طَائِفَۃٌ وَکَانَ مِنْ عِبَادِ الْاَوْلِیَاءِ لٰکِنَّهٗ مُرْجِئِیٌّ وَثَّقَهُ ابْنُ مُعِیْنٍ وَغَیْرُهٗ وَقَالَ ابْنُ الْمَدِیْنِیْ لَا یُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحٌ''۔

''عاصم بن کلیب جرمی کوفی ہیں اس نے اپنے باپ کلیب بن شہاب سے اور ابو ہریرہ اور ایک جماعت سے روایتیں کیں اور ان سے شعبہ اور علی بن عاصم اور ایک جماعت نے روایات بیان کیں اور عاصم بن کلیب اولیاء اللہ سے تھے لیکن مرجی اور ابن معین اور اس کے علاوہ بھی محدثین نے اسے ثقہ کہا اور ابن مدینی نے کہا کہ جب وہ روایت کے بیان میں تفرد کریں تو حجت نہیں ابن حاتم نے کہا کہ ان کی روایت درست ہے''۔

اب مذکورہ دونوں عبارتوں سے واضح ہوا کہ کسی نے بھی حضرت عاصم کو ضعیف نہیں کہا بلکہ صدوق وثقہ اور صالح کے الفاظ سے ان کی مدح کی ہے اور محدثین کی

جماعت نے ان سے روایتیں کی ہیں اگر بقول وہابی ان کی روایت غیر مقبول ہوتی تو محدثین ان سے روایات نہ لیتے رہا یہ کہ وہ مرجیہ تھے تو اس کا جواب ہے کہ علامہ ذہبی نے اسے اولیاء اللہ سے کہا ہے اگر ان کا عقیدہ درست نہ ہوتا تو مرجیہ ہوتے تو ولی کیسے ہوئے؟ مگر افسوس ہے کہ غیر مقلد صاحب جان چھڑانے کے لیے بہانوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

وہابی کے تضاد کی ایک جھلک

ثانیاً: لطف کی بات یہ کہ نام نہاد دین الحق کے اگلے صفحے پر ہی جس عاصم بن کلیب کی وجہ سے مفتی صاحب کی پیش کردہ حدیث کو ضعیف و نا قابل قبول کہہ رہے ہیں حالانکہ امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن فرمایا ہے اسی عاصم بن کلیب کی روایت کو جزء رفع الیدین کے حوالہ سے صحیح ثابت کر رہے ہیں ملاحظہ ہو:

وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ یَحْیٰی بْنِ اٰدَمَ قَالَ نَظَرْتُ فِیْ کِتَابِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِدْرِیْسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ کُلَیْبٍ لَیْسَ فِیْهِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ فَهٰذَا اَصَحُّ۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۷۵)

''امام احمد بن حنبل یحیٰی بن آدم سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ادریس کی کتاب کو دیکھا ہے جو انہوں نے عاصم بن کلیب سے روایت کی ہے اس میں (ثُمَّ لَمْ یَعُدْ) یعنی پھر رفع یدین نہ کرتے کے لفظ نہیں ہیں پس یہ زیادہ صحیح ہے''۔

اس عبارت میں عاصم بن کلیب کی دو روایتوں کا ذکر ہے ایک میں ثُمَّ لَمْ یَعُدْ کے لفظ موجود ہیں دوسری میں موجود نہیں جس میں موجود نہیں اسے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ صحیح کہا ہے مگر جس روایت میں ثُمَّ لَمْ یَعُدْ لفظ موجود ہیں اس کی صحت کا انکار نہیں کیا اگر عاصم بن کلیب کی روایت ضعیف ہے قابل قبول نہیں تو امام احمد نے ان کی دونوں روایتوں کو صحیح کیوں کہہ دیا وہابی صاحب نے عاصم بن کلیب کے بارے دو متضاد دلیلوں کو دلیل مان کر ثابت کر دیا کہ وہابیوں کے نزدیک کسی راوی کے

ثقہ وضعیف کا مدار ان کے مذہب کی تائید یا مخالفت ہے تائید میں روایت کرے تو ثقہ مخالفت میں کرے تو ضعیف۔

غیر مقلد صاحب کا تیسرا اعتراض

کتب حدیث کو کھنگال لیجئے آپ کو عاصم بن کلیب کا کوئی ثقہ تو کجا کوئی ضعیف راوی بھی متابع نہیں ملے گا اور آئمہ جرح وتعدیل نے صراحت کی ہے کہ عاصم بن کلیب جب کسی حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو حجت نہیں ہے چنانچہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ: لَا یُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهٖ۔ جب منفرد ہو تو اس سے احتجاج نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ آئمہ فن اور جلیل القدر محدثین کرام نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: هٰذَا حَدِيْثٌ مُخْتَصَرٌ مِنْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ وَلَيْسَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى۔ (تام نہاد رین الحق ص ۳۷۳)

الجواب اولاً: غیر مقلد کا کہنا کہ آئمہ جرح وتعدیل نے صراحت کی ہے کہ عاصم بن کلیب جب کسی حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو حجت نہیں اور دلیل کو نیچے صرف علی بن مدینی کا قول پیش کرنا اس کے جھوٹ کی واضح دلیل ہے کیونکہ اوپر آئمہ جمع لا رہا ہے جس سے مغالطہ لگتا ہے کہ شاید آئمہ اس بات پر متفق ہیں جب کہ نیچے صرف علی بن مدینی کا ایک ہی قول پیش کر رہا مگر وہابی جی جان لیں کہ ہم نے اوپر تقریب التہذیب اور میزان الاعتدال کے حوالہ سے عاصم بن کلیب کی ثقاہت وصدق اور مدح میں محدثین کے اقوال پیش کر دیے اب اس کے مغالطہ میں بفضلہ تعالیٰ کوئی نہ آئے گا۔

ایک قول کی امام ابوداؤد کی طرف سے غلط نسبت

ثانیاً: غیر مقلد کے اعتراض میں مذکورہ قول جس کی نسبت امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی گئی خالص وسولی صد جھوٹ ہے بلکہ غیر مقلدوں کی اپنی ایجاد ہے جب فقیر مذکورہ قول کی تحقیق وتلاش میں تھا تو ترجمانہ اہلسنت ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ محسن اہلسنت ترجمانِ مسلک رضا جناب مولانا علامہ الحاج ابوداؤد

محمد صادق مدظلہ العالی کی زیر قیادت شائع ہونے والا شمارہ ماہ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۱ اتفاقاً نظروں سے گزرا جس پر حضرات علامہ مولانا محمد علی شیخوپوری صاحب نے خوب تحقیق وتدقیق سے ثابت فرمایا کہ یہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نہیں بلکہ غیر مقلدین کی ایجاد ہے چنانچہ لکھتے ہیں: امام ابوداؤد کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا غیر مقلدین کی بددیانتی اور تحریف ہے ابوداؤد کے کسی متداول نسخہ میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ تلاش کرنے پر پتہ چلا کہ اولاً بددیانتی کا ارتکاب کرتے ہوئے مولوی عبد الرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی اور مولوی شمس الحق غیر مقلد نے عون المعبود شرح ابی داؤد میں ان الفاظ کو امام ابوداؤد کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ اس کے بعد محمد محی الدین عبد الحمید غیر مقلد وہابی کی تحقیق و حواشی کے ساتھ سنن ابوداؤد کا جو عربی ایڈیشن مصر اور بیروت سے شائع ہوا اس میں امام ابوداؤد سے منسوب ان الفاظ کو قوسین (بریکٹ) میں لکھا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ امام ابوداؤد سے منسوب یہ الفاظ متن حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ الکتب الستہ کے نام سے چھپنے والے مجموعہ احادیث میں مزید تحریف اور بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوسین کا نشان ختم کر دیا گیا ہے بہر حال متعدد وجوہ کی بناء پر امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ سے منسوب یہ الفاظ اور تبصرہ غلط ہے اولاً سنن ابوداؤد کے کسی متند اول ومعتبر نسخہ میں یہ نہیں ہیں حتیٰ کہ غیر مقلدین کے مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل سے احمد شاکر غیر مقلد اور محمد حامد غیر مقلد کی تحقیق کے ساتھ شائع ہونے والی مختصر سنن ابوداؤد مرتبہ امام منذری علیہ الرحمۃ مع معالم السنن لابی سلمان الخطابی ومع تہذیب ابن القیم الجوزیہ میں بھی یہ اضافہ موجود نہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام عبد العظیم منذری علیہ الرحمۃ اور ابن القیم الجوزی کے پیش نظر صدیوں پہلے جو نسخہ سنن ابوداؤد کا تھا اس میں یہ الفاظ موجود نہیں تھے۔ وہابیوں میں سب سے پہلے صحاح الستہ کا ترجمہ نواب وحید الزمان حیدر آبادی نے کیا ان کا ترجمہ کردہ نسخہ میں بھی۔ لیس بصحیح کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

ثانیاً: حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طویل حدیث کا حصہ نہیں ہے بلکہ یہ اتنی ہی حدیث ہے اور حدیث کی آٹھ دس کتب میں موجود ہے۔ امام ابوداؤد جیسا امام حدیث سے اتنا بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ اس روایت کو حدیث طویل کا اختصار قرار دیتا اگر کسی غیر مقلد وہابی میں جرأت وغیرت ہے تو وہ کسی حدیث کے معتبر کتاب سے اس حدیث کی نشاندہی کرے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۵ ملاحظہ ہو۔ ابن ابی شیبہ نے براء بن عازب سے روایت کی۔

رسول اللہ ﷺ صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتّٰى يَفْرُغَ۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک ہاتھ نہ اٹھاتے تھے''۔

خیال رہے کہ حدیث ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ: وَفِي الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ۔

اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض

حدیث کے الفاظ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نہیں بلکہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں۔

الجواب: اگر وہابی جی کے پاس فرصت ہو تو دیکھ لے کہ یہی براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ابوداؤد ج ا ص ۱۱۶ اور طحاوی ج ا ص ۱۵۴ پر كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اگر انّ کے ساتھ آپ مانتے ہیں تو پھر بھی ہمارے استدلال میں کوئی نقص وکمی نہیں آئیگی کیونکہ ان حرف تحقیق اور حدیث میں اذا لفظ عموم زمانہ کا فائدہ دیتا ہے یعنی بے شک جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز شروع فرماتے تو یوں کرتے۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض

یہ محض ایک ہی روایت ہے اسے مفتی صاحب کا چار احادیث قرار دینا غلط بیانی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۸)

الجواب: وہابی صاحب یہی اعتراض محدثین پر کیوں نہیں کرتے وہ تو جب کسی حدیث کے متن یا سند میں اختلاف یا حدیث کا تعلق مسائل کے اعتبار سے کئی بابوں سے ہو تو حدیث کو مکرر بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی متن وسند حدیث مختلف ہے جس کا جی چاہے کتب حدیث سے دیکھ لے اسی لیے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متن وسند کے اعتبار سے چار جگہ بیان کیا ہے مگر وہابی صاحب چونکہ تعصب وعناد کے لاعلاج مرض کا مریض ہے لہٰذا اسے مفتی صاحب کا صحیح طریقہ بھی غلط نظر آتا ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور یہ شیعہ ہے جیسا کہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے۔ اور شیعہ کی روایت مفتی صاحب کے نزدیک سخت ضعیف ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۲۸)

الجواب اولاً: امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں زیر بحث حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں ایک میں یزید بن ابی زیاد راوی موجود ہے دو میں نہیں لہٰذا اگر آپ کو یزید بن ابی زیاد والی سند قبول نہیں تو باقی دو سندیں تو قبول کر لو اور ضد چھوڑ دو۔

ثانیاً: وہابی صاحب کوئی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد نہیں کہ وہ یہ کہہ کر کہ مفتی صاحب کے نزدیک شیعہ کے روایت سخت ضعیف ہے حدیث سے فرار کی راہ لے بات تو اس کے ماننے کی ہے اسے چاہیے بتانے کہ اس کے نزدیک شیعہ کی روایت قابل عمل ہے یا نہیں؟ حقیقت میں راوی وہابیوں کے اعتراضات کا تب ہی مورد ٹھہرتا ہے جب کہ روایت ان کے مذہب کے خلاف ہو ورنہ شیعہ بھی قابل قبول ہے یہ تماشہ دیکھنا ہو تو نام نہاد دین الحق کا صفحہ نمبر ۳۴۱ دیکھیں۔ چنانچہ جواب میں لکھتے ہیں: مفتی صاحب کے ایک اعتراض کے جواب میں اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امام عبید اللہ

العمری اور امام شعیب بن دینار شیعہ تھے جو کہ یقیناً غلط ہے تو بھی کوئی وجہ حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی نہیں ہے کیونکہ متقدمین حضرات محدثین کرام کے نزدیک اور متاخرین کی اصطلاح میں لفظ شیعہ میں فرق ہے۔ اب یہی فرق وہابی جی کو یہاں بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ یا ثابت کرنا چاہیے کہ یزید بن ابی زیادہ متاخرین کے نزدیک شیعہ ہے۔

ثالثاً: شیعہ رفع یدین کے قائل و فاعل ہیں ان سے رفع یدین کی روایتیں گھڑنے کا احتمال واندیشہ ہے نہ کہ ترک رفع یدین کی۔

غیر مقلدین کا چوتھا اعتراض

یزید بن ابی زیادہ شیعہ ہونے کے علاوہ ضعیف بھی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۷۹ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ امام طحاوی نے زیر بحث روایت کی تین سندیں بیان کی ہیں اگر غیر مقلد کو اس ایک سند پر اعتراض ہے تو باقی دو تو ہیں وہ ہی قبول کر لے نیز جب ابن ابی زیاد کے دو متابع موجود ہیں تو ضعف جاتا رہا۔

غیر مقلد کا پانچواں اعتراض

اس روایت میں لا یعود یعنی دوبارہ رفع الیدین نہ کرتے تھے مندرج ہے چنانچہ یزید جب اس روایت کو مکہ میں بیان کرتا تھا۔ تو اس میں لا یعود نہ کہتا تھا جب کوفہ میں گیا تو وہاں کسی نے انہیں لا یعود کا لقمہ دیا جو انہوں نے قبول کر لیا اور روایت میں شامل کر دیا۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۷۹)

الجواب اولاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روایت میں لا یعود کے الفاظ یزید بن ابی زیاد نے درج کر دیے ہیں تو ان کے دو متابع ہیں ان کی روایتوں میں یہ الفاظ کیسے آئے؟

ثانیاً: عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث جسے غیر مقلدوں کے امام شوکانی نے بھی نیل الاوطار کی ج ۲ ص ۱۸۱ پر نقل کیا اور کہا کہ اسے امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تکبیر

اولیٰ میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۶ ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی:

قَالَ رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْھُمَا حَتّٰی انْصَرَفَ۔

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے"۔

اس پر غیر مقلد صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ۔

"وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے"۔

واضح رہے کہ وہابی صاحب نے اس مرفوع حدیث کا بھی کچھ جواب نہیں دیا۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۸ تا ۱۴ ملاحظہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات جگہوں میں ہاتھ اٹھائے جائیں

حاکم و بیہقی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس و حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی:

"قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَیْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَالْمَوْقِفَیْنِ وَالْجَمْرَتَیْنِ"۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کو منہ کرتے وقت صفا و مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے یہ حدیث ۱۰ بزار نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے۔

(۱۱) ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ ابن عبا سے۔ (۱۲) بیہقی نے حضرت ابن عباس سے۔ (۱۳) طبرانی نے (۱۴) اور بخاری نے۔

کتاب المفرد میں عبد اللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی۔ بعض روایات میں نماز عید کا بھی ذکر ہے۔

اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض

علامہ زیلعی حنفی نے اس کے جمیع طرق کو جمع کیا ہے اور ان کی تمام اسناد میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ واقعہ ہے اس کا تمام حال گزر چکا ہے کہ یہ زبردست کمزور حافظے والا ہے اور یہ خرابی حافظے کی وجہ سے کبھی مرفوع اور کبھی موقوف بیان کرتا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنِ الْحَکَمِ عَنْ مقسمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ مَرَّۃً مَوْقُوْفًا عَلَیْہِمَا وَمَرَّۃً مَرْفُوْعًا۔

"محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی نے حکم سے انہوں نے مقسم سے انہوں نے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ کبھی تو ان دونوں کا قول نقل کرتا ہے اور کبھی ان دونوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتا ہے"۔ (امام نہ دو دین الحق ص ۳۸۳)

الجواب اوّلاً: یہ غلط ہے کہ زیر بحث حدیث کی تمام اسناد میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی ہے کیونکہ امام بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۵ باب رفع الیدین اذا رءی البیت میں زیر بحث روایت دو سندوں سے بیان کی ہے ایک میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں جب کہ دوسری سند امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے ہے اس میں مذکورہ راوی موجود ہی نہیں لہٰذا جس سند میں یہ موجود ہی نہیں اس پر اس کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پڑتا اسے تو ماننا چاہیے۔

ثانیاً: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت کرنے میں محمد بن

عبد الرحمن بن ابی لیلی کے حافظے کا کوئی قصور نہیں بلکہ حقیقت یہ روایت مرفوع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہے اور موقوفاً بھی یعنی عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ بھی ہے جو کہ اس حدیث کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ راوی کا قول وعمل حدیث کے مطابق ہونا اس کی صحت کی دلیل ہوتا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

تمام اسناد میں حکم بن عتیبہ ہے اور یہ مدلس ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وَصَفَہُ النَّسَائِیُّ بِالتَّدْلِیْسِ وَحَکَاہُ السُّلَمِیُّ عَنِ الدَّارَ قُطْنِیْ۔ طبقات ص ۳۰۔ امام نسائی نے اس کی تدلیس کی صراحت کی ہے اور سلمی نے دارقطنی سے اور زیر بحث روایت معنعن ہے۔

الجواب اوّلاً: وہابی جی نے طبقات سے عبارت میں خیانت کی ہے اس کا اوّل خلاف مقصود جان کر چھوڑ دیا ہے طبقات سے پوری عبارت ملاحظہ ہو۔ الحکم بن عتیبہ (بمثناہ ثم موحدۃ مصغر) تابعی صَغِیْرٌ مِنْ فُقَہَاءِ الْکُوْفَۃِ مَشْہُوْرٌ۔ وَصَفَہُ النَّسَائِیُّ بِالتَّدْلِیْسِ وَحَکَاہُ السُّلَمِیُّ عَنِ الدَّارِ قُطْنِیِّ۔ یعنی حکم بن عتیبہ تا کے بعد با کے ساتھ مصغر ہے تابعی صغیر اور فقہاء کوفہ سے مشہور ہیں اور نسائی نے اس کی تدلیس کی ہے اور اسے سلمی نے دارقطنی سے حکایت کیا۔ (طبقات ص ۳۰)

اب وہابی صاحب نے باقی اوصاف تابعی اور فقہاء کوفہ میں سے مشہور فقیہ کا ذکر گوارا نہیں کیا کہ کہیں کوئی کہہ نہ دے کہ جناب جب راوی بلند مرتبہ تابعی ہے تو ثقہ کی تدلیس وعنعن قابل رد نہیں ہوتا۔

ثانیاً: جس تدلیس کا ذکر ہوا اس کے قائل ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ ناقل ہیں وہ تو حکم بن عتیبہ کو بلند پایا فقیہ ثقہ اور ثبت مانتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

اَلْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ بِالْمُثَنَّاۃِ ثُمَّ الْمُوحدۃِ مُصَغَّرًا اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْکِنْدِیُّ الْکُوْفِیُّ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ فَقِیْہٌ اِلَّا رُبَّمَا دَلَّسَ۔ (تقریب التہذیب ج اول ص ۲۳۲)

"حکم بن عتیبہ تا کے ساتھ پھر با کے ساتھ مصغر ہے۔ ابو محمد الکندی الکوفی

ثقہ ثبت اور فقیہ ہے مگر کبھی کبھی تدلیس کی ہے۔ یہ عرض ہو چکا ہے کہ ثقہ
کی تدلیس سبب ضعف نہیں''۔

غیر مقلد سے ایک سوال

ثالثاً: غیر مقلد کا اعتراض کی حدیث معنعن ہے۔ اس کا ایک جواب تو تحقیقی گزرا
کہ ثقہ کہ معنعن مقبول ہے دوسرا جواب اس کا الزامی ہے کہ جناب اگر عنعن باعث
ضعف ہے تو آپ کے لیے بھی سبب ضعف ہے یا کہ آپ کو کھلی چھٹی ہے جسے چاہیں
صحیح قرار دیں یہی بات ہے کہ نام نہاد دین الحق کے ص ۳۳۲ پر آپ نے اپنے مذہب
کو ثابت کرنے کے لیے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت پیش کی ہے جو کہ معنعن
ہے مگر تم نے خوب لائیں وڈ کے مارتے ہوئے لکھا۔ اس حدیث کی صحت پر کوئی
کلام نہیں دنیا بھر کے منکرین رفع الیدین کی گاڑی اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے
مگر اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ قارئین وہابی صاحب کی بھڑکیں ملاحظہ کرنے کے
بعد حدیث کی سند دیکھ لیں کہ اس میں معنعن آتا ہے یا نہیں۔ عن الزہری عن سالم عن عبد
اللہ بن عمر۔ ابوداؤد وابن ماجہ' عن الزہری قال اخبرنا سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمرؓ
بخاری' اخبرنا قتیبہ عن مالک عن ابن شہاب عن سالم عن عبداللہ بن عمر۔ نسائی مجتبائی۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

بعض روایات میں حصر کے لفظوں سے مروی ہے۔ لا ترفع الاید الا فی سبع
مواطن۔ طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ومصنف ابن ابی شیبہ یعنی نہ ہاتھ اٹھاؤ مگر سات مقام
پر۔ اور بعض روایات میں حصر نہیں ہے۔ ترفع الایدی فی سبع مواطن (مسند بزار وحاکم)
بحوالہ نصب الرایہ یعنی نہ اٹھاؤ مگر سات مقام پر۔ ایک روایت میں سات چیزیں یہ ہیں
نماز کے افتتاح پر کسی شہر سے گھر آنا بیت اللہ کو دیکھنا صفا ومروہ پر عرفات میں رکن یمانی
اور شیطان کو کنکریاں مارتے وقت۔ ایک روایت میں سات چیزیں یہ ہیں۔ افتتاح
مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ کو دیکھتے ہوئے صفا ومروہ پر جب لوگوں
کے ساتھ عرفہ میں ہو رکن یمانی کو کنکریاں مارتے وقت۔ ایک روایت میں سات مقام

یہ ہیں۔ افتتاح نماز استقبال بیت اللہ' صفا ومروہ' موقفین اور جمرتین' الغرض متن میں
زبردست اضطراب اور سند میں بھی (تبصرہ بلا تبصرہ) قارئین کرام! ذرا غور فرمائیے کہ
اس کا مرکزی راوی محمد بن عبدالرحمٰن ہے جس پر سنگین قسم کی جرح سئی الحفظ ہے دوسرا
راوی حکم مدلس ہے تو پھر اس سے رفع الیدین کا نسخ کس طرح ثابت۔ محدثین کرام کی
تصریحات کے علاوہ روایت کی اندروں شہادات بھی اسے لچر ثابت کرتی ہیں۔ کبھی
مرفوع اور کبھی موقوف روایت کرتا ہے کبھی ابن عمر اور کبھی ابن عباس سے روایت کرتا
ہے۔ کبھی حصر کے صیغہ سے اور کبھی بغیر حصر کے روایت کرتا ہے کبھی سات چیزیں چھ
گنا تا ہے اور کبھی کچھ بیان کرتا ہے۔ الخ (نام نہاد دین الحق ص ۳۸۵ تا ۳۸۶)

الجواب اولاً: وہابی صاحب کا فرمان کہ زیر بحث روایت کبھی حصر سے آئی ہے
کبھی بلا حصر حقیقت میں وہابی صاحب حصر کا معنیٰ نہیں جانتا غالباً وہ سمجھتا ہے حرف الا
حصر کے لیے مخصوص ہے حالانکہ حصر یہ ہے کہ کسی چیز کی اقسام وانواع یا عدد کو معین و
مقرر کیا جائے اور اس حصر کو روایت میں موجود لفظ سبع مواطن بیان کر رہا ہے جو کہ سب
مختلف روایتوں میں آ رہا ہے پھر وہابی جی کا بلا حصر کہنا کیسے درست ہوا۔

ثانیاً: اگر متن حدیث میں اختلاف ہے تو یہ غیر مقلد کے لیے حدیث سے فرار کا
بہانہ نہیں کیونکہ ہمارا موقف صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھانا ثابت کرنا ہے تو یہ تمام
مختلف روایتوں سے ثابت ہے خود غیر مقلد نے جتنی کتب حدیث کے حوالے دیے ہیں
سب میں آ رہا ہے نیز اس قدر کثیر کتب حدیث میں زیر بحث حدیث کا پایا جانا اس کی
اصل کی دلیل ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد صاحب کا اعتراض کہ روایت میں اضطراب ہے کبھی راوی مرفوع
بیان کرتا ہے اور کبھی موقوف تو اس کا ایک جواب پہلے ہو چکا کہ حقیقت میں روایت
دونوں طرح سے آئی ہے مرفوع بھی ہے اور موقوف بھی اور اس کی موقوف صحت کا اقرار
تو وہابیوں کے امام ابن قیم نے بھی کیا ہے چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قَالَ وَحَدِيْثُ وَكِيْعٍ عَنْ اِبْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مقسم عَنْ

اِبْنِ عَبَّاسٍ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ عِنْدَ سَبْعِ مَوَاطِنَ۔ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَاسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ لَا يَصِحُّ رَفْعُهٗ وَالصَّحِيْحُ وَقْفُهٗ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ۔

"یعنی ابن قیم نے کہا کہ وکیع کی حدیث ابن ابی لیلیٰ سے اس نے حکم سے اس نے مقسم سے اس نے ابن عباس اور نافع اور نافع نے ابن عمر سے ان دونوں یعنی ابن عباس و ابن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ سات جگہ اٹھائے جائیں شروع نماز اور استقبال قبلہ کے وقت صفا و مروہ پہاڑ پر اور منا اور مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے پاس۔ ابن قیم کہتے ہیں: اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں لیکن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ الموضوعات الکبریٰ ص ۳۵۵' واضح رہے کہ مذکورہ عبارت ملا علی قاری نے ابن قیم کی المنار المنیف سے لی ہے اس کے جواب میں ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

ملا علی قاری سے ابن قیم کا رد

قُلْتُ وَعَلٰى تَقْدِيْرِ صِحَّةِ رَفْعِهٖ تَكْفِيْنَا صِحَّةُ وَقْفِهٖ لَا سِيَمَا وَهُوَ فِيْ حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ اِذْ لَا يُقَالُ مِثْلُ هٰذَا مِنْ قِبَلِ الرَّأْيِ كَيْفَ وَقَدْ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ بِسَنَدِهٖ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَحِيْنَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَيَنْظُرُ اِلَى الْبَيْتِ وَحِيْنَ يَقُوْمُ عَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَحِيْنَ يَقِفُ مَعَ النَّاسِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ وَبِجَمْعٍ وَالْمَقَامَيْنِ حِيْنَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ۔

میں کہتا ہوں بالفرض بقول ابن قیم اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح نہ بھی ہو تو ہمیں

موقوف روایت کا صحیح ہونا ہی کافی ہے بالخصوص جب کہ یہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات ذاتی رائے سے نہیں کہی جاسکتی' بالخصوص جب کہ طبرانی نے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔ حدیث کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ اس میں قابل غور یہ کہ ابن قیم صاحب نے وہابی کا رد کر دیا کہ مجھے اس کی سند پر کوئی اعتراض نہیں اگر سند صحیح نہ ہوتی تو موقوف کو ابن قیم کیسے صحیح کہتے جب کہ راوی وہی ہیں جن پر وہابی صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ غیر مقلد چوتھے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں: مفتی صاحب کی عالمانہ تحریف محدثین کرام نے بالعموم اور امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بالخصوص اور دیگر علماء نے احناف پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں نماز عیدین اور جنازہ کی تکبیرات اور دعائے قنوت وغیرہ کے وقت رفع الیدین کا بھی ذکر نہیں ہے تو پھر جس دلیل سے احناف نے ان مواضع کو اس روایت سے علیحدہ کر لیا ہے وہی دلیل ہماری طرف سے رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی تصور کر لیجئے گا؟ مفتی صاحب نے اس اعتراض کو ختم کرنے کی نیت سے نہایت دیدہ دلیری سے یہ لکھا ہے کہ بعض روایات میں نماز عید کا بھی ذکر ہے حالانکہ یہ صریحا جھوٹ سو فی صد غلط بیانی ہے اور سولہ آنے فراڈ ہے اس سے پہلے صاحب ہدایہ نے بھی یہ گپ ہانکی تھی کہ و یرفع یدیہ فی تکبیرات العیدین لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْ جُمْلَتِهَا تَكْبِيْرَاتِ الْاَعْيَادِ۔ یعنی تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنا چاہیے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات جگہوں میں اور انہیں سات جگہوں میں تکبیرات عیدین کو بھی ذکر کیا ہے (انتہی) اس جھوٹ کا رد کرتے ہوئے علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں کہ: قُلْتُ تَقَدَّمَ فِيْ صِفَةِ الصَّلٰوةِ لَيْسَ فِيْهِ ذِكْرُ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ۔ علامہ ابن ہمام ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: تَقَدَّمَ الْحَدِيْثُ فِيْ بَابِ صِفَةِ الصَّلٰوةِ وَلَيْسَ فِيْهِ تَكْبِيْرَاتُ الْاَعْيَادِ۔ فتح القدیر۔ یعنی یہ حدیث صفۃ الصلوۃ میں گزر چکی ہے مگر اس میں تکبیرات العیدین میں رفع الیدین کا کہیں ذکر نہیں۔

الجواب اولاً: ہم احناف محض اس لیے نماز کے اندر رفع یدین کو منع نہیں کرتے کہ اس کا ذکر زیر بحث حدیث میں نہیں آتا ہم اس لیے منع کرتے ہیں کہ نماز میں ترک ونسخ رفع یدین کا ثبوت حدیث مرفوع اور صحابہ اور تابعین کے قول فعل میں موجود ہے آپ عیدین وقنوت کے وقت رفع یدین کو تو اس پر تب قیاس کریں جب ادھر بھی یہ بات موجود ہو۔ یعنی عیدین وقنوت کی تکبیروں کا ترک ونسخ حدیث سے ثابت ہو۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جھوٹا اور فراڈی کہنے والے غیر مقلد نے خود اپنے جھوٹ سے اپنے ہاتھوں پردہ اٹھا دیا کہ جس حدیث کو معاذ اللہ یہ بد اندیش لچر (فحش) تک کہہ چکا اب بخاری وغیرہ کے حوالہ سے احناف پر اعتراض بیان کیا ہے کہ زیر بحث حدیث میں عیدین اور قنوت وغیرہ کی تکبیروں کا ذکر نہیں تو احناف ان میں رفع یدین کیوں کرتے ہیں مگر انہوں نے حدیث کی اصل کا انکار نہیں کیا جس سے وہابی صاحب کا حدیث کو لچر اور موضوع کہنا جھوٹ ثابت ہوا اگر بقول وہابی حدیث موضوع ہوتی تو امام بخاری وغیرہ معترضین کہہ دیتے کہ حدیث موضوع ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۵ ملاحظہ ہو۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

ابن مسعود سے ترک رفع یدین پر حدیث کی ترجیح کا سبب

اِنْ کَانَ وَائِلٌ رَاٰہُ مَرَّۃً یَفْعَلُ ذٰلِکَ فَقَدْ رَاٰہُ عَبْدُ اللّٰہِ خَمْسِیْنَ مَرَّۃً لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ۔ اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں حضور کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور کے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب وہ کھڑے ہوتے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایت میں وارد ہے۔ واضح رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی

رحمۃ اللہ علیہ کی اس دلیل وہابی صاحب نے یہاں کوئی جواب نہیں دیا البتہ اسی باب کی دوسری فصل جو مفتی صاحب نے غیر مقلدوں کے اعتراضات کے جوابات میں لکھی ہے اس جگہ ایک اعتراض کے ضمن میں کچھ لکھا ہے جس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ وہاں ہی دیا جائیگا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی: قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ۔ کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

اس پر وہابی صاحب کا پہلا اعتراض

اثر کے الفاظ فلم یکن یرفع یدیہ ہیں اور مفتی صاحب سے الفاظ نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۸۸)

الجواب: قارئین کرام وہابی جی کے اس فضول اعتراض سے خوب جان جائیں گے کہ اس صاحب کا ذہنی توازن درست نہیں ہے کیونکہ حضرت مجاہد کی روایت اور وہابی صاحب کے اعتراض میں دیئے گئے الفاظ کو بغور دیکھ لیں ان میں کچھ فرق نہیں۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ملاحظہ ہو

اس کی سند میں ابوبکر بن عیاش راوی ہے جس کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا جیسا کہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے۔ مزید تفصیل ابن عمر کے عمل کے تحت گزر چکی ہے۔ (نام نہاد دین الحق صفحہ مذکورہ)

جس کا حافظہ خراب ہوا وہ ساتھ ہی وہابی مذہب کے خلاف ہوا

الجواب اولاً: وہابی صاحب کو یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ جب ابوبکر بن عیاش کا حافظہ خراب ہوا ساتھ ہی اسے وہابی مذہب سے دشمنی بھی ہو گئی تھی کہ اس نے ان کے خلاف اور احناف کے حق میں روایت کرنا شروع کر دی غالباً جس کا بھی حافظہ خراب ہوتا ہے وہ ساتھ ہی وہابی مذہب کے بھی خلاف ہو جاتا ہے کہ ان کے خلاف

روایتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ مذکورہ راوی حافظہ کی خرابی سے قبل نماز میں رفع یدین کے ثبوت میں روایت کرتا تھا بعد میں اس کے خلاف روایت کر دی۔

ثالثاً: ابوبکر بن عیاش ثقہ اور عابد و زاہد شخص تھا اور حدیث میں اس کی صحیح کتاب موجود تھی اگر حافظہ خراب ہونے کے بعد وہ زیر بحث روایت میں غلطی کرے تو محدثین و فقہاء کرام اس کی کتاب کی طرف رجوع فرما کر غلطی کی نشاندہی فرما دیتے ایسا نہ ہونا عدم غلطی اور روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ثِقَةٌ عَابِدٌ اِلَّا اَنَّهُ لَمَّا كَبُرَ سَاءَ حِفْظُهُ كِتَابُهُ صَحِيْحٌ ۔ تقریب التہذیب ص ۳۹۶ یعنی ابوبکر بن عیاش ثقہ عبادت گزار تھے البتہ جب عمر بڑی ہوگئی تو حافظہ خراب ہوا لیکن کتاب ان کی صحیح ہے۔ وہابی جی کی خیانت دیکھو کہ ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کی خرابی تو اپنا مقصد پورا کرنے کو بیان کر دی مگر حافظ ابن حجر نے جو کچھ ان کی مدح میں بیان کیا اور ان کی صحیح کتاب کی موجودگی کا ذکر کیا اسے بیان نہ کیا کہ کہیں لوگ سوال نہ کر دیں کہ حضرت جی اگر وہ حافظہ کی خرابی کے بعد غلطی کرتے تو ان کی کتاب دیکھی جا سکتی تھی۔

رابعاً: علامہ نیموی حضرت مجاہد کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاَبُوْبَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ وَاِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ۔ آثار السنن ص ۱۱۰۲ اس کو امام طحاوی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے المعرفۃ میں روایت کیا۔ اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

رفع یدین کے نسخ پر دلیل

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۸ عینی شارح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی: اَنَّهُ رَاٰى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَاْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ لَهٗ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّهٗ شَيْءٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَرَكَهٗ ۔ کہ آپ

نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ وہ کام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

وہابی صاحب کا اس پر پہلا اعتراض

بلاشبہ علامہ عینی نے بخاری کی شرح ج ۳ ص ۲۷۳ میں علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۵۷ میں سرخی نے المبسوط ج ۱ ص ۱۴ میں اور خوارزمی نے کنایہ ج ۱ ص ۲۷۱ میں ذکر کیا ہے مگر اس کی سند کیا ہے اور یہ کونسی حدیث کی کتاب میں پائی جاتی ہے یقین جانیے کہ پوری دنیا کے منکرین رفع الیدین مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود یہ روایت ثابت نہیں کر سکتے اور کوئی گھسی پٹی سند بھی پیش نہیں کر سکتے مگر قربان جائیے مفتی صاحب پر کہ انہوں نے اسے دلیل بناتے ہوئے ذرا بھر حیاء نہیں کیا علامہ زیلعی حنفی نے اپنے مخصوص انداز میں اسے غریب اور حافظ ابن حجر نے لم اجدہ لکھا ہے بلکہ ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ: لَا يَعْرِفُ اَهْلُ الثَّابِتِ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ خَلَافَهُ۔ یہ حدیث نہیں پائے گا بلکہ عبداللہ بن زبیر سے اس کو خلاف مروی ہے۔

(دام نہاد دین الحق ص ۳۸۹ ۳۸۸)

الجواب اوّلاً: وہابی جی پہلے یہ بتائیں کہ ہماری پیش کردہ کسی حدیث کو اس نے مانا بھی ہے یہاں تو اس کا مطالبہ ہے کہ کوئی گھسی پٹی سند دکھا دیں مگر عمل اس کا یہ ہے کہ اسے صحیح اور حسن اسناد سے احادیث دکھاتے ہیں لیکن یہ حیلہ بہانہ سے سرے سے ان کا انکار کر جاتا ہے لہٰذا منکر الحدیث وہابی ہوئے۔

ثانیاً: غیر مقلد کو اقرار ہے کہ علامہ عینی، علامہ کاسانی، علامہ سرخی اور علامہ خوارزمی نے مذکورہ کتب میں ابن زبیر کی حدیث کو نقل کیا ہے اگر بقول اس کے زیر بحث حدیث کا کسی حدیث کی کتاب میں وجود ہی نہیں تو پھر ان حضرات نے کہاں سے نقل کی۔

ثانیاً: وہابی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ابن زبیر لی حدیث کتب احادیث میں نہیں پائی جاتی اس نے تمام کتب احادیث کا مطالعہ کیا ہے یا سب کتب احادیث نام ہی اسے یاد ہیں یہ دعویٰ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں کیا کہ یہ حدیث تمام کتب احادیث میں نہیں پائی جاتی بلکہ فرمایا کہ میں نہیں پاتا مگر وہابی صاحب نے اپنے کو ان سے بھی بڑا حافظ الحدیث سمجھ لیا مگر وہابی صاحب کا یہ حال ہے کہ متعدد بار دعویٰ کر چکا ہے کہ ایسی کوئی حدیث نہیں جس میں مرد و زن کے تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت کا فرق بیان ہو حالانکہ حدیث کی متعدد معتبر کتب میں حدیث موجود ہے جس میں کیفیت کا فرق مذکور ہے۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا اصل مقصد رفع یدین کے نسخ سے انکار کرنا ہے اور یہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ نسخ ماننے سے ان کے مذہب کا خانہ خراب ہو جاتا ہے تو اسے بچانا انہیں مقدم ہے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے مگر ہم بفضلہ تعالیٰ اس کی منسوخیت حدیث مرفوع اور عمل صحابہ سے ثابت کرتے ہیں۔

رفع یدین کے نسخ پر دلائل

صاحب بدائع الصنائع نماز میں رفع یدین کے منسوخ ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَلَا حَاجَةَ اِلَى رَفْعِ الْيَدَيْنِ وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوْخٌ فَاِنَّهُ رُوِيَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ ثُمَّ تَرَكَ ذَالِكَ بِدَلِيْلِ مَارَوٰى اِبْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهُ قَالَ رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعْنَا وَ تَرَكَ فَتَرَكْنَا دَلَّ عَلَيْهِ اِنَّ مَدَارَ حَدِيْثِ الرَّفْعِ عَلٰى عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَ عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ وَ مُجَاهِدٌ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ سَنَتَيْنِ فَكَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ فَدَلَّ عَمَلُهُمَا عَلٰى خِلَافِ مَا رَوَيَا عَلٰى

مَعْرِفَتِهِمَا اِنْتِسَاخَ ذٰلِكَ"۔ (ج۱ ص۲۰۸)

"پس رفع یدین کی حاجت نہیں اور جو اس بارے روایت ہوا منسوخ ہے روایت ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے پھر آپ نے اسے ترک فرما دیا اس پر یعنی ترک رفع یدین پر وہ روایت دلیل ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو آپ کی اتباع میں ہم نے بھی کیا پھر جب آپ نے ترک فرمایا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔ اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ بے شک رفع یدین کی حدیث کا مدار حضرت علی اور ابن عمر پر ہے لیکن عاصم بن کلیب نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے دو سال نماز پڑھی آپ تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور مجاہد نے بیان کیا کہ میں نے دو سال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی آپ پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ پس ان دونوں حضرات کا عمل (نماز میں رفع یدین کے) خلاف پر دلالت کرتا ہے جو انہوں نے (نماز میں رفع یدین) کے بارے روایت کیا تو یہ تعارض اس کی دلیل ہے کہ حضرت علی و ابن عمر رفع یدین کو منسوخ جانتے تھے"۔

رابعاً: علامہ نیموی نے ترک رفع یدین کے ثبوت پر حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو۔

خلفاء راشدین سے تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین ثابت نہیں

وَعَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَصْحَابُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔ قَالَ وَكِيْعٌ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ۔ رَوَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاسناده صَحِيْحٌ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ اَلصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مُخْتَلِفُوْنَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ وَاَمَّا الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنْهُمْ لَمْ یَثْبُتْ عَنْهُمْ فِیْ غَیْرِ . تَکْبِیْرَۃِ الْاِحْرَامِ"۔

(آثار السنن مع التعلیق ص ۱۰۲)

حضرت ابواسحاق نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علیؓ کے تلامذہ اور صحبت یافتہ نماز کی پہلی تکبیر کے سوا کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور حضرت وکیع کی روایت میں ہے کہ پھر دوبارہ نہ اٹھاتے تھے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے۔ اور کہا نیموی نے کہ صحابہ اور بعد کے آئمہ وفقہاء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے مگر خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔ اقول جب چاروں خلفاء مسلمانوں کے امیر و امام تھے یہ حضرات صحابہ کو جمعہ عیدین اور دیگر نمازیں پڑھاتے تھے اور پہلی تکبیر کے بعد رفع نہ فرماتے تھے۔ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہوتا ہو وہ ضرور اعتراض کرتے خاموش نہ رہتے لہٰذا ان حضرات کا خاموش رہنا فسخ رفع یدین پر واضح دلیل ہے۔ صاحب بدائع الصنائع ترک رفع یدین کی ترجیح کو فقیہہ مسئلہ سے ثابت کرنے کو لکھتے ہیں:

"ان ترک الرفع مع ثبوته لا یوجب فساد الصلوٰۃ والتحصیل مع عدم الثبوت یوجب فساد الصلوٰۃ لانه اشتغال بعمل لیس من اعمال الصلوٰۃ بالیدین جمیعا"۔ (ج ا ص ۲۰۸)

"بے شک رفع یدین کو ترک کرنا اگرچہ وہ بالفرض ثابت بھی ہو نماز کے فساد کو لازم نہیں کرتا لیکن عدم ثبوت کے باوجود رفع یدین کرنا نماز کے فساد کو لازم کرتا ہے کیونکہ وہ مشغول ہوتا ہے دونوں ہاتھوں سے اس فعل میں جو افعال نماز نہیں"۔

خامساً: غیر مقلد صاحب کا کہنا کہ علامہ زیلعی نے اپنے مخصوص انداز میں اسے غریب کہا ہے۔ اقول یہ تو وہابی جی جانتے ہیں کہ انہیں کوئی اشارہ مل گیا ہوگا جو کہ مخصوص انداز پر دلالت کرتا ہو البتہ علامہ موصوف نے نصب الرایہ ج ا ص ۳۹۲ پر یوں

لکھا ہے (قُلْتُ غَرِیْبٌ) میں کہتا ہوں کہ حدیث غریب ہے۔ اصل میں اس جگہ علامہ زیلعی کا مذکورہ حوالہ دینا غیر مقلد صاحب کی کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ دعویٰ اس کا یہ تھا کہ ابن زبیر کی زیر بحث روایت کی کوئی کچی پکی سند بھی موجود نہیں جب کہ علامہ زیلعی کی مذکورہ عبارت سے سند کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ حدیث غریب اسے نہیں کہتے جس کی سند ہی نہ ہو بلکہ حدیث غریب اس کو کہتے ہیں جس کی سند تو موجود ہو مگر کسی کسی جگہ سند میں ایک ہی راوی پایا جاتا ہو نیز حدیث غریب راوی کے اعتبار سے صحیح، حسن اور ضعیف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی کی عادت ہے کہ وہ حدیث کو کبھی غریب صحیح کبھی غریب حسن اور کبھی غریب ضعیف کہتے ہیں۔

وہابی صاحب کی کم عقلی

سادساً: یہ وہابی صاحب کی کم عقلی ہے کہ اس نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث کو آثار صحابہ میں شامل کیا ہے حالانکہ اصول حدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ جب صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل مبارک بیان کرے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے اور زیر بحث حدیث میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بیان کیا ہے کہ رفع یدین وہ کام ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کیا پھر ترک فرما دیا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۰ ملاحظہ ہو۔ بیہقی وطحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی: اَنَّهٗ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُ فِیْ شَیْءٍ مِنْهَا۔ کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

اس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے اور مفتی صاحب کی دلیل نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے کہ یہ منفرد کی صورت میں حجت نہیں ہے، اور بقول مفتی صاحب سخت ضعیف ہے قارئین کرام ورق الٹ کر اس کی بحث کو ایک بار پھر دیکھ لیں۔ (وہ نہا دین الحق ص ۳۴۰)

الجواب: وہابی صاحب کے اس سند پر اعتراض کا ہم نے بھی بفضلہ تعالیٰ وہیں جواب دے دیا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

امام بیہقی روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: قَالَ عُثْمَانُ الدارمی فَهٰذَا قَدْ رُوِیَ مِنْ طَرِیْقٍ الْوَھی۔ امام دارمی فرماتے ہیں کہ جو علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی گئی ہے اس کی سند نہایت کمزور ہے۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰن مَهْدِیٌّ ذَكَرْتُ لِلثَّوْرِیِّ النَّهْشَلِیِّ عَنْ حَدِیْثِ النَّهْشَلِیِّ عَاصِمِ بْنِ كُلَیْبٍ فَاَنْكَرَهٗ۔ (تام نہاد وین الحق ص ۳۹۰)

الجواب اوّلاً: امام بیہقی نے عثمان دارمی کا قول نقل کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس میں وجہ ضعف بیان نہیں کی کہ لہذا جرح مبہم ہے جس سے ضعف ثابت نہیں ہوتا۔

ثانیاً: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں عاصم بن کلیب کا ذکر کیا ہے مگر اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

ثالثاً: تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۶ پر امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد عاصم بن کلیب کے متعلق یہ ہے کہ: لَا بَأْسَ بِحَدِیْثِهٖ اس کی روایت حجت بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح - اعلاء السنن جز ۳ ص ۵۰ پر ہے کہ: وَقَالَ الزَّیْلَعِیُّ هُوَ اَثَرٌ صَحِیْحٌ۔ وَفِی الدِّرَایَة وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ وَفِی التَّعْلِیْقِ الْحَسَنِ وَقَالَ الْعَیْنِیُّ فِی عمدۃ القاری اِسْنَادُ حَدِیْثِ عَاصِمِ بْنِ كُلَیْبٍ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ زیلعی نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ) کا اثر صحیح ہے اور درایہ میں ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور التعلیق الحسن میں ہے کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا کہ عاصم بن کلیب کی حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے ہم نے بفضلہ تعالیٰ روایت اور اس کی سند کی صحت پر جس قدر شواہد پیش کر دیے ہیں وہ صاحب شعور کو کافی ہیں۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۱ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: قَالَ

رَاَیْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ یَدَیْهِ فِی اَوَّلِ تَكْبِیْرَةٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ۔ وَقَالَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔ میں نے عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہیں اور یہ مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: ذَكَرَ الْحَاكِمُ اَنَّهٗ یُدَلِّسُ۔ (طبقات المدلسین) یعنی حاکم نے کہا کہ تدلیس کرتے تھے اور تقریب میں ہے کہ: اَنَّهٗ یُرْسِلُ كَثِیْرًا یعنی وہ کثرت سے مرسل روایات کرتے ہیں۔ اور زیر بحث روایت معنعن ہے۔ (تام نہاد دین الحق ص ۳۹۲)

غیر مقلد کی مکاری

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب نے ابن حجر کی طبقات المدلسین سے حوالہ دیا مگر شروع کی عبارت چھوڑ دی کیونکہ ان کے کھاتہ میں بزرگوں کے عیب نکالنا ہی ہے شروع کی عبارت یوں ہے۔ ابراہیم بن یزید النخعی الفقیہ مشہور فی التابعین من اہل الکوف۔ طبقات المدلسین ص ۲۸ ابراہیم بن یزید نخعی فقیہ مشہور تابعی ہیں اہل کوفہ سے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ الکبیر میں امام ابراہیم نخعی کا ذکر کیا مگر ان کی تدلیس کا ذکر نہیں بلکہ ان کی شان میں فرماتے ہیں: فَسَمِعْتُ الشَّعْبِیَّ یَقُوْلُ مَاتَ رَجُلٌ مَا تَرَكَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ لَا بِالْكُوْفَةِ وَلَا بِالْبَصْرَةِ وَلَا بِمَكَّةَ وَلَا بِالْمَدِیْنَةِ وَلَا بِالشَّامِ۔ (ج ۱ ص ۳۳۳)

میں نے امام شعبی کو فرماتے سنا کہ فرمایا وہ مرد فوت ہوا جس نے اپنے جیسا نہ کوفہ میں چھوڑا اور نہ بصرہ میں اور نہ مکہ اور نہ مدینہ میں اور نہ شام میں۔

ثانیاً: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر تابعی مشہور فقیہ اور ثقہ ہیں تو ثقہ کی تدلیس، مرسل، معنعن روایت بھی مقبول ہے چنانچہ تاریخ الثقات ص ۵۷ پر ہے کہ: اِبْرَاهِیْمُ بْنُ یَزِیْدَ النَّخْعِیُّ یُكْنٰی اَبَا عِمْرَانَ الْكُوْفِیُّ ثِقَةٌ۔ ابراہیم بن یزید نخعی کنیت ان کی ابو عمران ہے کوفی ثقہ ہیں۔ وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض اس روایت

ہیں ثُمَّ لَا یَعُوْدُ مدرج ہے۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں کہ:

وَاعْتِرَاضُ الْحَاكِمِ بِاَنَّ هٰذِهٖ رِوَايَةٌ شَاذَّةٌ لَا يَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ وَلَا تَعَارُضَ بِهَا الْاَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ عَنِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عدی وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ۔

"امام حاکم نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے اس کے ساتھ حجت قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ روایات صحیحہ کا اس کو معارض قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ امام طاؤس نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ اور روایت (جس سے مفتی صاحب نے دلیل پکڑی ہے) امام سفیان نے زبیر بن عدی سے روایت کی مگر اس میں یہ نہیں کہ آپ دوبارہ رفع الیدین نہ کرتے تھے"۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۹۱)

الجواب اوّلاً: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر بحث روایت کو امام طحاوی جیسے محقق شخص نے صحیح کہا ہے مگر غیر مقلد صاحب ان کی بات کو پلے نہیں باندھ رہا لیکن حاکم کی تقلید کو پسند کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا مذہبی فائدہ اسی میں ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد صاحب پہلے تو جگہ جگہ اعتراض کرتا نظر آ رہا ہے کہ روایت معنعن ہے قابلِ حجت نہیں مگر جب حاکم کی تقلید مفید نظر آئی تو معنعن بھی قابل قبول ہوا اور حجت ٹھہرا۔

ثالثاً: غیر مقلد کو ہماری پیش کردہ روایت نہ قبول کرنے کا ایک یہ بہانہ ہاتھ آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ (ثُمَّ لَمْ يَعُدْ) کو سفیان ثوری نے ذکر نہیں کیا ہم اسے حضرت سفیان ثوری سے مرفوع حدیث میں یہ الفاظ دکھا دیتے ہیں: حَدَّثَنَا اِبْنُ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ

سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۵۴) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اولیٰ میں ہاتھ مبارک اٹھاتے پھر پوری نماز میں کہیں نہ اٹھاتے۔ اب غیر مقلد کو چاہیے کہ حاکم کی تقلید چھوڑ کر اس مرفوع حدیث کو تسلیم کر لے۔

رابعاً: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکورہ روایت کہ آپ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے اگر صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف اس لیے نہیں کہ آپ رفع یدین منسوخ ہونے سے پہلے کرتے ہوں گے تو منسوخ کے بعد چھوڑ دیا جیسا کہ آپ سے منقول ہوا ہے۔ واضح رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی ترک رفع یدین پر پیش کردہ حدیث نمبر ۲۲ تا ۲۵ تک وہابی صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا یہ تو وہی جانے کہ اس میں اس کی کیا مجبوری تھی بہر حال قارئین کے استفادہ کے لیے ان احادیث کو لکھ دیتا ہوں۔ (جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۲ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ اِسْنَادُهٗ بِهٰذَا قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً۔ حضرت سفیان اسی سند سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔

حضور نے شروع نماز میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۳ دار قطنی نے براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذٰى بِهِمَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ اِلٰى شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ۔ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔

حدیث نمبر ۲۴ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم النخعی سے اس طرح روایت کی: اَنَّهٗ قَالَ لَا تَرْفَعِ الْاَیْدِیْ فِیْ شَیْءٍ مِنْ صَلٰوتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْاُوْلٰی۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کہیں ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ حدیث نمبر ۲۵ ابوداؤد نے براء بن عازب سے روایت کی: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْهِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِنْ اُذُنَیْهِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے پھر عود نہ کرتے۔ احادیث کے بیان کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو موطا امام محمد۔ طحاوی شریف صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمائیں۔ آخر میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔ امام ابو محمد بخاری محدث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مکہ میں ملاقات ہو گئی تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اعظم اور امام اوزاعی کے درمیان رفع یدین پر مناظرہ

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے امام ابوحنیفہ اس لیے کہ رفع یدین اس موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ امام اوزاعی آپ نے کیا فرمایا: میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں: حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرَّفْعِ عَنْهُ۔ مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔ امام اوزاعی اچھا فوراً پیش فرمائیں۔ امام اعظم لیجئے سنیئے:

"حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِنْ ذٰلِكَ"۔

"ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری حدیث پر کیا فوقیت حاصل ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا امام اعظم اس لیے کہ حماد زہری سے زیادہ عالم فقیہ ہیں اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم فقیہ ہیں علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں۔ اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہ وافضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ قرأت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔ چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں بہت زیادہ ہیں لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔ امام اوزاعی۔ خاموش۔ غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کے پاس سوا خاموشی کے کوئی چارہ کار نہ ہوا یہ ہے امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔

اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے ضد کا کوئی علاج نہیں یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کی پیداوار

ہے۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی نہایت صحیح ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے درمیان مذکورہ مناظرہ جسے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب احناف کی حقانیت وصحت پر بطور دلیل پیش کیا ہے اس پر غیر مقلد صاحب نے اعتراضات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے پہلا اعتراض یوں کیا ہے: ہم نے آگے اس کی سند پر سنگین قسم کی جرح پیش کر دی ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کا دعویٰ باطل ہے کہ وہابی اس میں کوئی نقص نکالیں۔ (امام حماد دین الحق ص ۳۹۲)

الجواب: وہابی صاحب سند پر جس سنگین جرح کا ذکر کر رہے ہیں اس میں اس نے امام ابراہیم نخعی اور امام حماد کو مجروح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہم نے ابھی اسی باب میں جاء الحق کی حدیث نمبر ۲۱ پر وہابی کے اعتراضوں کے جواب میں امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کا مقام وشان اسماء الرجال کی کتب سے بیان کر دی ہے اور حضرت حماد رضی اللہ عنہ کا مقام جہاں وہابی صاحب کی ان پر جرح آئے گی۔ وہاں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

مناظرہ کی اندرونی شہادات بھی اسے لچر ثابت کرتی ہیں حضرت مولانا محمد عبد العزیز صاحب محدث رحیم آبادی نے اس پر درایت کے لحاظ سے نہایت عمدہ بحث کی ہے جو ہم قارئین کے استفادہ کے لیے من وعن نقل کر رہے ہیں جس کا جواب نہ آج تک بن سکا ہے اور نہ انشاء الرحمٰن ممکن ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ پہلا فقرہ اس حکایت کا یہ ہے کہ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کرتے امام اوزاعی کے اس قول کا مطلب ہر عاقل یہی سمجھ سکتا ہے اس وقت کے علمائے حجاز (مکہ و مدینہ) متفق تھے ورنہ امام اوزاعی عراق والوں کے رفع الیدین نہ کرنے پر تعجب نہ کرتے اور انہیں کو اس کے نہ کرنے پر مخصوص نہ کرتے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس تخصیص کو مان نہ لیتے بلکہ یوں کہتے کہ اہل عراق کی کیا تخصیص ہے حرمین میں بھی فلاں فلاں

رفع الیدین نہیں کرتے اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت علمائے حرمین سب رفع الیدین کے قائل تھے اور ان میں یہ مسئلہ بلا اختلاف جاری تھا اور حرمین میں اس وقت بڑے بڑے علماء اور اولاد صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے امام جعفر صادق بھی وہیں تھے کیونکہ جناب امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں آپ کو امام جعفر صادق کی نسبت یہ خیال نہیں آیا کہ اہل بیت اور کی بہا فیہ۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں امام اوزاعی سے یہ کہا کہ لِاَجْلِ لَمْ یَصِحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہِ شَیْءٌ۔ یعنی باوجود اتفاق کے ہم لوگ رفع الیدین اس وجہ سے نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے غرض امام ابوحنیفہ اہل حرمین سے اپنی مخالفت کی وجہ کے بیان میں یہ دعویٰ کیا کہ رفع الیدین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں حالانکہ موقع یہ تھا کہ عبد اللہ بن مسعود والی روایت امام ابوحنیفہ پیش کرتے کیونکہ عراق والوں کے رفع الیدین نہ کرنے کی وجہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت کا ہونا ہے جیسا کتب حنفیہ اور اس مناظرہ کے پورے مضامین سے ثابت ہے نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہ ہونا۔ عراق والوں کو رفع الیدین نہ کرنے کی وجہ تھی پس اگر قصہ صحیح مانا جائے تو لازم یہ آئیگا کہ امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی سے ایک غلط بات کی جس کا بطلان خود ہی کر دیا کہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت پیش کر دی۔ دوسرا فقرہ اس مناظرہ کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین ثابت نہیں تب امام اوزاعی نے کہا کہ: کَیْفَ لَمْ یَصِحَّ وَقَدْ حَدَّثَنِی الزُّھْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ۔ (الحدیث)

امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کے دعویٰ کو یوں توڑا کہ یہ حدیث صحیح ہے مع سند کے پڑھ دی کہ تم کہتے ہو کہ اس بارے میں کچھ ثابت نہیں حالانکہ یہ حدیث صحیح موجود ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں اپنے دعویٰ کچھ نہیں کو یوں ثابت

کیا کہ عبداللہ بن مسعود والی حدیث پڑھی حالانکہ اس سے اثبات دعویٰ تو درکنار ابطال دعویٰ ہوتا ہے کیونکہ دعویٰ امام ابوحنیفہ کا یہ تھا کہ کچھ ثابت نہیں حالانکہ رفع الیدین کی حدیث کے ثبوت میں امام ابوحنیفہ نے کچھ کلام نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے اس کا معارضہ کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر چند رفع الیدین کی حدیث ثابت ہے مگر اس کی معارض موجود ہے اس معارض کو بسبب فقہ راوی کے ترجیح ہے اور یہ دعویٰ (کچھ ثابت نہیں) کی دلیل نہیں بلکہ اس کی مبطل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان سے نہایت بعید ہے کہ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ اور۔ (تاممبادرین الحق ص ۳۹۳)

الجواب اوّلاً: غیر مقلد سے یہ پوچھا جائے کہ اگر قوم وہابیہ کے نزدیک مذکورہ مناظرہ ہی مکذوبہ اور من گھڑت ہے تو آپ کو اتنے صفحے سیاہ کرنے کی کیا حاجت تھی صرف واقعہ کا مکذوبہ ہونا ہی ثابت کر دیتے یہی کافی تھا۔

ثانیاً: اگر آپ کے نزدیک واقعہ مکذوبہ و مصنوعی تھا تو پھر آپ نے اسے اہل عراق کے ترک رفع یدین سے مخصوص ہونے اور اہل حرمین کے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے پر دلیل کیوں بنایا آپ نے تو خود ثابت کر دیا کہ ہمارا مذہب ایسا ہے جسے ہر بے جوڑ دلیل کام دے سکتی ہے۔

ثالثاً: دو معتبر کتابیں مناقب امام اعظم۔ علامہ موفق اور جامع المسانید للامام ابی المؤید محمد بن محمود الخوارزمی میرے سامنے ہیں ان دونوں میں امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے مابین مناظرہ مذکورہ ہے مگر یہ کسی میں موجود نہیں کہ امام اوزاعی نے ترک رفع یدین کی تخصیص اہل عراق سے کی ہو البتہ یہ الفاظ ہیں کہ امام اوزاعی نے کہا: مَا لَكُمْ لَا تَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ۔ آپ لوگوں کو کیا ہے تم نماز میں رفع یدین نہیں کرتے۔ مگر غیر مقلدوں نے اپنی ذہنی اختراع سے پہلے اہل عراق کے الفاظ گھڑے پھر اہل عراق کی تخصیص پر استدلال کر دیا پھر بلا دلیل اہل حرمین کا رفع یدین پر متفق ہونا ثابت کر دیا۔

رابعاً: ایک طرف تو غیر مقلد اوزاعی کی اسی مناظرہ میں فتح ثابت کرتے ہیں مگر

دوسری طرف مناظرہ کو جھوٹا بھی کہتے ہیں اگر تمہارے نزدیک واقعہ جھوٹا ہے تو انہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فتحیابی کیسے ہوئی؟ اگر سچا ہے تو پھر سکت الاوزاعی یعنی اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام صاحب کے استدلال کا جواب نہ دے سکے کو بھی تسلیم کرو۔

خامساً: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل کی صحت کا انکار فرمایا اصل کا نہیں کہ جس سے اوزاعی کی روایت کے مقابلہ میں امام صاحب کے صحت ثابت کرنے سے نفی کا اثبات لازم آئے۔

سادساً: وہابی صاحب کا کہنا کہ امام اوزاعی کے اس قول کا صریح مطلب یہی ہے کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں حماد اور ابراہیم نخعی کے نام لینے کے قابل نہیں ہیں چنانچہ امام ابوحنیفہ کے کہنے پر اس نے استبعاد اور تعجب سے کہا کہ زہری اور سالم کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نام کیونکر لیا؟

الجواب: وہابیوں کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے کہ کوئی جس قدر عظیم سے عظیم بزرگ بھی ہو جب وہ ان کے مذہب کے خلاف روایت کرے تو یہ حضرات ان کی بے ادبی و گستاخی پر اتر آتے ہیں یہ بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے کہ زہری و سالم کے مقابلہ میں حماد و ابراہیم نخعی کے نام لینے کے قابل ہی نہیں میں وہابی جی سے پوچھتا ہوں کہ اگر واقع ہی امام اوزاعی کے نزدیک زہری و سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا روایت کے اعتبار سے امام حماد و ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل و ثقہ ہونا مسلم تھا تو پھر جب امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام اوزاعی کے سامنے اپنی سند کے راویوں کی ازروئے ثقاہت و فقاہت افضلیت و برتری کا ذکر کیا تو سن کر خاموش و لاجواب کیوں ہوئے؟ اسے چاہیے تھا کہ اس بات کا رد و انکار کرتے۔ وہابی صاحب حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضعیف ثابت کرنے کو لکھتے ہیں:

حماد کی نسبت تقریب میں یوں لکھا ہے کہ: حَمَّادُ بْنُ سُلَيْمَانَ مُسْلِمُ الْاَشْعَرِيُّ مَوْلَاهُمْ اَبُوْ اِسْمٰعِيْلَ الْكُوْفِيُّ الْفَقِيْهُ صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ مِنْ

اَلْخَامِسَۃِ۔ حماد کوفہ کا فقیہ سچا تو ہے مگر وہمی ہے پانچویں طبقہ کا ہے۔

(امام حماد و دین الحق ص ۳۹۳)

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب ترجمہ میں وہابیوں والا کام دکھا گئے ہیں اوّل یہ کہ صدوق کا معنی سچا تو ہے کیا حالانکہ اس کا معنی سچا ہے بنتا ہے آپ کا مقام گرانے کو تو زیادہ کر دیا دوم لہ اوھام کا معنی وہمی کیا حالانکہ اس کا معنی وہمی نہیں اس کا معنی ہے کہ اس کی روایتوں میں وہم پائے جاتے ہیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب نے ابن حجر کی تقریب التہذیب کا حوالہ دیا ہے اس کی جلد ۳ صفحہ ۱۷ پر ہے کہ علامہ عجلی نے حماد کو ثقہ اور ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں سے زیادہ فقیہ کہا ہے اور امام نسائی نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔ وہابی صاحب دوسرا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس وقت کے محدثین و فقہاء کے اقوال حماد کے بارے میں بہت نقل کیے ہیں جن میں سے بطور نمونہ کے میں یہاں نقل کرتا ہوں: سَمِعْتُ حَمَّادَ بْنَ سَلَمَۃَ قَالَ کُنْتُ اَسْئَلُ حَمَّادَ بْنَ اَبِیْ سُلَیْمَانَ عَنْ مُسْنَدَاتٍ وَ کَانُوْا یَسْئَلُوْنَہٗ عَنْ رَاْیِہٖ وَ کُنْتُ اِذَا جِئْتُ قَالَ لَا جَاءَ اللّٰہُ بِکَ وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِیْ حَمَّادٌ بِحَدِیْثٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ وَ کَانَ غَیْرُ ثِقَۃٍ وَقَالَ الْاَعْمَشُ مَرَّۃً حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَمَا نُصَدِّقُہٗ ۔ حماد بن سلمہ نے کہا کہ میں حماد بن ابی سلیمان سے حدیث پوچھتا تھا اور لوگ ان کی رائے پوچھتے تھے تو مجھ کو دیکھ کر گھبراتے تو کہتے خدا تجھ کو نہ لائے امام اعمش نے کہا کہ مجھ سے حماد نے ایک حدیث ابراہیم کی روایت سے بیان کی اور وہ ثقہ نہ تھے۔ ایک دفعہ امام اعمش نے یوں کہا کہ حماد نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ہم لوگ اس کو سچا نہ جانتے تھے۔ (امام حماد و دین الحق ص ۳۹۴)

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب یہ بتائیں کہ گھبراتے کس کا معنی ہے؟ نیز وہابی صاحب کے ان الفاظ سے کہ جن میں سے بطور نمونہ کے میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ سے ظاہر ہے کہ اس نے میزان الاعتدال سے اپنے مقصد کی عبارت چن کی باقی کو خلاف مقصد جان کر چھوڑ دیا کہ کہیں لینے کی دینی نہ آ جائے کیونکہ اسی میزان الاعتدال کی اسی

جگہ ہے کہ: قَالَ ابْنُ مُعِیْنٍ وَغَیْرُہٗ ثِقَۃٌ ۔ یعنی ابن معین اور کچھ دیگر محدثین نے کہا حماد ثقہ ہیں۔ اور ابن عدی نے کہا: حَمَّادٌ کَثِیْرُ الرِّوَایَۃِ لَہٗ غَرَائِبُ وَھُوَ مُتَمَاسِکٌ لَا بَاْسَ بِہٖ "حضرت حماد کثیر احادیث کے راوی ہیں ان کے لیے غرائب ہیں اور وہ قابل حجت ہیں ان کی روایتوں میں کوئی حرج نہیں۔ موطا امام محمد پر حاشیہ التعلیق الممجد ص ۵۳ پر عبدالحی لکھنوی صاحب امام حماد رضی اللہ عنہ کے بارے لکھتے ہیں:

قَالَ مَعْمَرٌ مَا رَاَیْتُ اَحَدًا اَفْقَہَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الزُّھْرِیْ وَ حَمَّادٌ وَ قَتَادَۃُ وَقَالَ ابْنُ مُعِیْنٍ حَمَّادٌ ثِقَۃٌ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَدُوْقٌ وَقَالَ الْعِجْلِیُّ کُوْفِیٌّ ثِقَۃٌ وَکَانَ اَفْقَہَ اَصْحَابِ اِبْرَاھِیْمَ وَقَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَۃٌ۔

"امام معمر فرماتے ہیں ان حضرات زہری اور حماد اور قتادہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو فقیہ نہ دیکھا ابن معین نے فرمایا: حماد ثقہ ہیں ابوحاتم نے کہا: بہت سچے ہیں علامہ عجلی نے کہا: حماد کوفہ کے ثقہ اور حضرت ابراہیم نخعی کے سب شاگردوں سے زیادہ فقیہ ہیں اور امام نسائی نے فرمایا: حماد ثقہ ہیں"۔

اب اس قدر حضرت حماد کی ثقاہت و فقاہت و صداقت پر شہادتوں کے باوجود وہابی نہ مانیں تو وہ نری ضد میں ہیں۔

منع رفع یدین پر عقلی دلائل

اب نماز میں رفع یدین پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی دلائل ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں: عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا یہ چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ رکوع سجدے کی

تکبیریں سنت ہیں کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک بار ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔

رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کر دیتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوگی۔ نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہی حال ہو جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔ (از طحاوی شریف)

خلاصہ: یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفائے راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحتاً مذکور ہے یا وہ سب مرجوح ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے۔ بلا وجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اسی لیے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔ رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے تو ترک رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

احناف کی واضح فتح

واضح رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ عقلی دلائل کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی میں ہی مذہبی سلامتی دیکھی اور یہ احناف کی واضح فتح ہے۔

جاء الحق سے اس باب کی دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں۔ مفتی صاحب فصل کے آغاز میں فرماتے

ہیں۔

غیر مقلدوں کے اعتراضوں کا جواب

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۱- رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئی وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی' وہی پرانا سبق۔

جواب: جی ہاں صرف اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سر و آنکھوں پر ہوتیں جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا ہے واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔ واضح رہے کہ وہابی صاحب مفتی صاحب کی مذکورہ عبارت کا کوئی جواب نہیں دیا۔

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۲: ابوداؤد کی براء بن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا: هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ - یہ حدیث صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر آپ نے اسے پیش کیوں کیا۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کونسا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ہر بات آنکھ میچ کر مان لیں۔ واضح رہے کہ مفتی صاحب کے اس جواب پر غیر مقلد کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں آیا۔

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۳: ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہوگئی تھی انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا: ثم لا یعود۔ ورنہ اصل حدیث میں الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مضر کیوں ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن ابی زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیونکر ضعیف ہوگی۔

(۳) تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی۔

یہ کیوں چوتھے (۴) یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

(۵) پانچویں یہ کہ عام علمائے و اولیاء، جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سوا مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ صلی گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانویں فیصد مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے

جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بیچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے سرکار فرماتے ہیں:

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ جسے عام المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ اور میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔ خیال رہے کہ شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے اعمال میں بھی جداگانہ لہٰذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے دیکھو مقدمہ۔ جاء الحق کی اس عبارت کا بھی وہابی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۴: تمہاری پیش کردہ حدیث جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازیخان کے ایک لائق وہابی۔

جواب: جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی۔ ہے کیونکہ مجمل بعد بیان متکلم محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان

دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق، عام، مجمل، مشترک معنوی، مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔ وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا

ہوگا تو ڈھونس جمانے کے لیے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں تک جو غیر مقلدوں کے اعتراض کے جواب جو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیے ہیں ان پر وہابی صاحب نے کچھ نہیں لکھا شاید جواب نہ دینے میں ہی ان کی عافیت جاتی ہو۔

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۵: ابوداؤد ترمذی دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے:

"ثُمَّ يُكَبِّرُ وَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ"۔ (الخ)

"پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ کندھوں کے برابر ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔ ابوحمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث بیان کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی۔ معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل۔ لہٰذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے"۔

نوٹ: یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے:

"حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى وهذا حديث احمد قال حدثنا

عبد الحميد يعني ابن جعفر اخبرني محمد بن عمرو ابن عطاء قال سمعت ابا حميد الساعدي في عشرة"۔ (الخ)

"ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہمیں یحییٰ نے حدیث بتائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ کی جماعت میں سنا"۔

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں دیکھو طحاوی۔

دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابوحمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی اور کہہ دیا کہ میں نے ان سے سنا ہے لہٰذا یہ غلط ہے۔ درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے اس لیے آپ کو قبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے: ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ۔ پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز شروع میں کیا تھا۔ فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی۔ تو ان بزرگوں نے فرمایا: جو ابوداؤد میں ہے: قَالُوْا فَلِمَا فَوَاللّٰهِ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرِنَا لَهٗ تَبَعَةً وَّاَقْدَمَنَا لَهٗ صُحْبَةً قَالَ بَلٰى۔ انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کی صحبت میں رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحمید بولے: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوحمید نہ تو صحابہ میں فقیہ و عالم ہیں نہ ان کو حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی۔ اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہ صحابی ہیں جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے وہ رفع یدین کے خلاف

روایت کرتے ہیں تو یقیناً ابوحمید کی روایت کے مقابلہ میں حضرت ابن مسعود کی روایت
زیادہ معتبر ہے جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل
عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابوحمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع
یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم
پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اس
منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل
نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی حدیث قیاس کے مطابق لہٰذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ
حدیث واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح
ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا
مَسَّتْہُ النَّارُ۔ آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔ دوسری حدیث
میں وارد ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھانا تناول فرما کر بغیر وضو کیے نماز
پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس شرعی کے
خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری واجب العمل ہوئی کہ قیاس
شرعی کے مطابق ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم
پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ
ہے۔

ساتویں یہ کہ ابوحمید ساعدی کی اس روایت میں عبدالحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو
ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ امام ماروی نے الجوہر النقی میں فرمایا
کہ عبدالحمید منکر الحدیث ہے یہ امام ماروی وہ ہیں جنہیں یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں: ھُوَ

اِمَامُ النَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ۔ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد بن عمرو ایسا جھوٹا
راوی ہے کہ اس کی ملاقات ابوحمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے کہ سمعت
میں نے ان سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اوّل درجہ کی
مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب اور متن
بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابوحمید ساعدی
کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہٰذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرض یہ کہ اس
حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی موضوع یا مدلس بھی
ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل
بھی نہیں چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جائے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابوحمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں
ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ۔ اگر
ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے بہر حال
تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابوحمید
ساعدی کی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ ان کی
لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں الحمد للہ کہ اس دلیل
کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ خیال رہے کہ
وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لیے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب
کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ ان کے مذہب
کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سوا ان اسناد کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیر
بے مرشد بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۔ جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی
ملے نہ پیر مرشد نیز رب فرماتا ہے: وَمَنْ یَّلْعَنْہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا۔ جس پر خدا

لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔ لیکن احناف کی کوئی اسناد مجروح ہو جانے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارا مسائل فقہیہ کا دارومدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الائمہ کاشف الغمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے استادوں کا استاد ہے جس کے زیر دامن ہزاروں اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریب زمانہ ہیں۔ مثال دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا' اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح آجاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہٰذا وہابیوں کے لیے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے غیر مقلدوں کی دلیل کے مذکورہ جوابات پر

غیر مقلد صاحب کا پہلا اعتراض

لکھتے ہیں، یہ نظریہ صرف طحاوی حنفی مقلد کا ہے۔ جو کہ بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (دوم مباد دین الحق ص۳۵۲)

الجواب اولاً: امام طحاوی کی بات کو طحاوی حنفی مقلد کا نظریہ کہہ کر رد کر دینا وہابی کے تعصب کی دلیل ہے لیکن یہی صاحب جب امام طحاوی کی کوئی بات مفید مذہب ہو تو بطور دلیل پیش کرتا ہے نیز امام طحاوی فقیہ' محدث' محقق ہیں، ان کا قول کسی راوی کی جرح و تعدیل میں حجت ہے۔

ثانیاً: اگر امام طحاوی کی بات وہابی جی کو اس لیے کر دی گئی کہ وہ مقلد تھے تو تمام محدثین مقلد ہی ہوئے ہیں صحاح ستہ کے مصنفین کو ہی دیکھ لیجئے سب مقلد ہی تھے تو پھر ان کی روایتوں کو دلیل نہ بنایا کرو اپنے جیسے غیر مقلد تلاش کرو۔

ثالثاً: وہابی جی کا کہنا کہ یہ صرف طحاوی کا نظریہ ہے خالصا جھوٹ اور حق سے فرار کا بہانہ ہے کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی نظریہ نہیں انہوں نے محدثین کرام کا مؤقف بیان کیا چنانچہ فرماتے ہیں:

"وَاَمَّا حَدِيْثُ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرَ فَاِنَّهُمْ يُضَعِّفُوْنَ عَبْدَالْحَمِيْدِ فَلَا يُقِيْمُوْنَ بِهٖ حُجَّةً فَكَيْفَ يَحْتَجُّوْنَ بِهٖ فِىْ مِثْلِ هٰذَا وَمَعَ ذٰلِكَ فَاِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ لَمْ يَسْمَعْ ذٰلِكَ الْحَدِيْثَ مِنْ اَبِىْ حُمَيْدٍ وَلَا مِمَّنْ ذُكِرَ مَعَهٗ فِىْ ذٰلِكَ الْحَدِيْثِ بَيْنَهُمَا رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ"۔ (معانی الآثار للطحاوی ج اص ۱۵۶)

اور عبدالحمید بن جعفر کی حدیث تو بے شک (محدثین) نے عبدالحمید کو ضعیف کہا ہے پس وہ اسے حجت نہیں بناتے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ بے شک محمد بن عمرو بن عطاء اس حدیث کو ابوحمید ساعدی سے نہیں سنا اور نہ اس سے جس کا ذکر اس حدیث کی سند میں ان کے ساتھ ہوا ان دونوں کے درمیان کوئی مجہول راوی چھوٹ گیا ہے۔ اس میں غور کی بات یہ ہے کہ وہابی صاحب مدلس کی روایت پر ایک نہیں بار ہا اعتراض

کر چکے ہیں بلکہ تدلیس کو جھوٹ کی ایک قسم قرار دیتے ہیں مگر جب اپنے مذہب کو دلیل درکار ہو تو سب کچھ ٹھیک و قابل قبول ہو جاتا ہے۔ غیر مقلد صاحب اپنی دلیل کے راویوں کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ عبد الحمید جعفر ثقہ ہیں۔ انہیں امام احمدؒ ابن معینؒ امام یحییٰ بن سعیدؒ امام ابن حبانؒ امام ابن سعد اور امام ساجی ثقہ و صدیق کہتے ہیں۔ امام ابن خثیم ان کی روایات کو صالح قرار دیتے ہیں امام ابوحاتم کا کہنا ہے کہ مقام ان کا سچائی ہے امام نسائی لیس بہ باس قرار دیتے ہیں۔ تہذیبؒ

امام ابن مدینی نے اس کی توثیق کی ہے (میزان) حافظ ابن حجر انہیں صدوق قرار دیتے ہیں (تقریب) امام بیہقی معرفۃ السنن والآثار میں لکھتے ہیں کہ: اِنَّمَا تَضْعِيْفُهٗ لِعَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ فَمَرْدُوْدٌ بِاَنَّ يَحْيٰى بْنَ مَعِيْنٍ وَثَّقَهٗ فِيْ جَمِيْعِ الرِّوَايَاتِ عَنْهُ وَكَذٰلِكَ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَاحْتَجَّ فِيْ صَحِيْحِهٖ۔

كذا فی نصب الرایہ۔ عبد الحمید بن جعفر کی تضعیف مردود ہے کیونکہ انہیں یحییٰ ابن معین نے تمام روایات میں ثقہ کہا ہے اور اس طرح امام احمد بن حنبل نے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے احتجاج کیا ہے۔

غیر مقلدوں کی مذہب پرستی

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب نے مکاری و خیانت سے تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرھما سے اپنے مذکور مطلوب کو مفیدہ اقوال پیش کیے اور ان محدثین کے اقوال جو مضر مذہب تھے چھوڑ دیا۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۱۲ جہاں سے وہابی صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ يَقُوْلُ كَانَ سُفْيَانُ يُضَعِّفُهٗ لِاَجْلِ الْقَدْرِ۔ میں نے یحییٰ بن سعید کو کہتے سنا کہ حضرت سفیان (عبد الحمید) کو اس کے قدری ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی جگہ یہ بھی ہے کہ: كَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يُضَعِّفُهٗ۔ حضرت یحییٰ بن سعید اس کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی جگہ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: قُلْتُ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ رُبَّمَا اَخْطَاَ۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے فرمایا: بسا اوقات عبد الحمید غلطیاں کر جاتے تھے۔ اوپر گزرا جس میں وہابی صاحب کے

بقول یحییٰ بن سعید اور ابن حبان نے عبد الحمید بن جعفر کو ثقہ کہا مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے ارشاد اس کے ضعیف پر آئے ہیں اور تہذیب التہذیب کی اسی جگہ ہے کہ: وَقَالَ النَّسَائِيُّ فِيْ كِتَابِ الضُّعَفَاءِ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔ امام نسائی نے کتاب الضعفاء میں فرمایا یہ قوی نہیں ہے۔ میزان الاعتدال) ج ۲ ص ۹۲ پر ہے۔ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَقِيْلَ كَانَ يُرْمٰى بِالْقَدْرِ۔ ابو حاتم نے فرمایا: اس کی روایت کو حجت نہ بنایا جائے اور کہا گیا کہ انہیں قدری کہا گیا ہے وہابی صاحب کا ایک اور دعویٰ ملاحظہ کریں لکھتے ہیں کہ۔ عبد الحمید کی ثقاہت کے علاوہ ان کا عیسیٰ بن عبد اللہ ثقہ متابع بھی موجود لہٰذا یہ بہانہ بھی بیکار ہے کہ عبد الحمید متکلم فیہ ہے۔ (امام نہاد دین الحق ص ۲۵۳)

الجواب اوّلاً: دعویٰ مردود ہے اس لیے کہ عیسیٰ بن عبد اللہ عبد الحمید کا متابع تب ہو جب کہ متن حدیث ایک ہو عیسیٰ بن عبد اللہ کی روایت کا عبد الحمید کی روایت سے متن مختلف ہے عیسیٰ بن عبد اللہ کی روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں کہ دس صحابہ نے ابو حمید ساعدی سے کہا کہ صدقت۔ تو نے سچ کہا۔

ثانیاً: عبد الحمید کو متابع تو تب مفید ہو جب کہ اس سے اوپر کے راوی محمد بن عمرو کی ابو حمید ساعدی سے ملاقات ثابت ہو اور سند میں مجہول راوی نہ آئے کیونکہ متابع متابع لہ کے ضعف کا تدارک کرتا ہے نہ کہ اوپر کی خرابی کا۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

مفتی صاحب کو وہم ہوا ہے اگر الجوہر النقی کی عبارت سے ہوا ہے تو یہ مفتی صاحب کی جہالت ہے کیونکہ انہوں نے یہ الزام امام شافعی پر لگایا ہے۔ رہا اہل حدیث کا موقف، تو مفتی صاحب ذرا اپنے ڈیرے سے نکل کر صحیح بخاری کا ہی مطالعہ فرماتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ پر حسب ذیل باب باندھا ہے۔ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین۔ یعنی باب رفع یدین کرے، جب دو رکعت پڑھ کر (نمازی) کھڑا ہو۔ علامہ شوکانی مرحوم لکھتے ہیں:

"وَرُوِیَ عَنْ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ اَنَّهُ يُسْتَحَبُّ رَفْعُهُمَا فِيْ مَوْضِعٍ الرَّابِعِ وَهُوَ اِذَا قَامَ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاَوْسَطِ قَالَ النَّوَوِيُّ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الصَّوَابُ فَقَدْ صَحَّ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ (نیل الاوطار)

"یعنی امام مالک وامام شافعی کا قول ہے کہ مستحب ہے رفع یدین کرنا چوتھی جگہ پر بھی اور وہ مقام ہے جب درمیانی تشہد سے کھڑا ہو جیسا کہ امام نووی نے کہا اور یہی قول درست ہے تحقیق آیا ہے یہ ابن عمر کی صحیح حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے"۔

یہی بات نواب صدیق بن حسن خان مرحوم نے لکھی ہے السراج الوھاج۔ (مسک الختام) اور اسی پر ہی حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دھلوی مرحوم اور محدث عظیم آوی کا فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ فتاویٰ علماء اہلحدیث) اگر ان دلائل سے بھی کسی قبر پرست کو یقین نہیں آتا وہ کسی بھی متبع سنت کو نماز پڑھتے کو دیکھ کر اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ لا نسلم کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۵۴)

وہابی جی کی مذکورہ نازیبہ اور دل سوز عبارت کا ترتیب وار جواب دینے سے قبل فقیر وہابی جی سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول صالحین کے مزارات کی زیارت اور ان کے لیے بغرض ایصال ثواب فاتحہ خوانی صدقات وخیرات نذر نیاز اور ان کی ایسی تعظیم و تکریم جو شرعاً جائز ہے اس کا نام قبر پرستی نہیں ان کاموں کے جواز پر چاروں مذاہب کے علماء اہلسنت نے کثیر کتب تصنیف کی ہیں اگر وہابی جی کے پاس چشم حق نما ہو تو ان کا مطالعہ کرے۔ اب وہابی جی کی عبارت کا ترتیب سے جواب ملاحظہ ہو۔

غیر مقلد اصل اعتراض سے جان نہیں چھڑا سکتے

اولاً: اگر غیر مقلد وہابی صاحب کے اصرار کو مان بھی لیا جائے کہ وہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو بھی اصل اعتراض سے جان

نہیں چھڑا سکتے کیونکہ اعتراض ان پر یہ ہے کہ اگر تم رفع یدین سنت جانتے ہو منسوخ تسلیم نہیں کرتے تو پھر جس جس جگہ بھی احادیث میں رفع یدین مذکور ہے سب پر عمل کرو یہ نہ ہو کہ بعض احادیث پر عمل بعض کا انکار تو سب پر عمل کی صورت میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت کے علاوہ حدیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ثابت ہے خواہ رکوع کو یا سجدہ کو جاتے کی خواہ جلسہ کو آنے کے لیے خواہ تشہد کو آنے کے لئے ہو جیسا کہ خود غیر مقلدوں کے ماضی قریب کے عربی عالم احمد محمد شاکر صاحب نے جامع ترمذی کے حاشیہ پر لکھا ہے فرماتے ہیں کہ: ثُمَّ ثَبَتَتْ اَحَادِيْثُ اُخْرٰى فِي الرَّفْعِ مَعَ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ السُّجُوْدِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنَ السُّجُوْدِ۔ (حاشیہ ترمذی احمد محمد شاکر ج ۲ ص ۴۱)

ماخوذ از ترک رفع یدین للمولانا فقیر اللہ۔ پھر نماز کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین پر احادیث ثابت ہیں یعنی سجدہ میں جاتے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت۔ اس پر موصوف غیر مقلد صاحب کے دلائل حسب ذیل ہیں: فَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ۔ كُلَّمَا كَبَّرَ وَرَفَعَ ووضع وبين سجدتين وفي رواية للطحاوي من حديث ابن عمر' كان يرفع يديه في كل خفض ورفع وركوع وسجود وقيام وقعود وبين السجدتين۔

(۱ جمری حاشیہ ترمذی احمد شاکر ج ۲ ص ۴۱ ماخوذ از حوالہ مذکورہ)

بروایت احمد حضرت ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب بھی آپ تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے اور سر جھکاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔ اور بروایت طحاوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خفض ورفع اور رکوع وسجود اور قیام وقعود اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔ ناصر البانی غیر مقلد صاحب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی سند یوں بیان کرتے ہیں:

"وَرُوِیَ عَنْ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ اَنَّهٗ يَسْتَحِبُّ رَفْعُهُمَا فِيْ مَوْضِعِ الرَّابِعِ وَهُوَ اِذَا قَامَ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاَوْسَطِ قَالَ النَّوَوِيُّ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الصَّوَابُ فَقَدْ صَحَّ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ (نیل الاوطار)

"یعنی امام مالک و امام شافعی کا قول ہے کہ مستحب ہے رفع یدین کرنا چوتھی جگہ پر بھی اور وہ مقام ہے جب درمیانی تشہد سے کھڑا ہو جیسا کہ امام نووی نے کہا اور یہی قول درست ہے تحقیق آیا ہے یہ ابن عمر کی صحیح حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے"۔

یہی بات نواب صدیق بن حسن خاں مرحوم نے لکھی ہے السراج الوھاج۔ (مسک الختام) اور اسی پر ہی حضرت شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دھلوی مرحوم اور محدث عظیم آدمی کا فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ فتاویٰ علماء الحدیث) اگر ان دلائل سے بھی کسی قبر پرست کو یقین نہیں آتا وہ کسی بھی متبع سنت کو نماز پڑھتے کو دیکھ کر اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ لا نسلم کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۵۳)

وہابی جی کی مذکورہ نازیبہ اور دل سوز عبارت کا ترتیب وار جواب دینے سے قبل فقیر وہابی جی سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول صالحین کے مزارات کی زیارت اور ان کے لیے بغرض ایصال ثواب فاتحہ خوانی صدقات وخیرات نذر نیاز اور ان کی ایسی تعظیم، تکریم جو شرعاً جائز ہے اس کا نام قبر پرستی نہیں ان کاموں کے جواز پر چاروں مذاہب کے علماء اہلسنت نے کثیر کتب تصنیف کی ہیں اگر وہابی جی کے پاس چشم حق نما ہو تو ان کا مطالعہ کرے۔ اب وہابی جی کی عبارت کا ترتیب سے جواب ملاحظہ ہو۔

غیر مقلد اصل اعتراض سے جان نہیں چھڑا سکتے

اولاً: اگر غیر مقلد وہابی صاحب کے اصرار کو مان بھی لیا جائے کہ وہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو بھی اصل اعتراض سے جان

نہیں چھڑا سکتے کیونکہ اعتراض ان پر یہ ہے کہ اگر تم رفع یدین سنت جانتے ہو منسوخ تسلیم نہیں کرتے تو پھر جس جس جگہ بھی احادیث میں رفع یدین مذکور ہے سب پر عمل کرو یہ نہ ہو کہ بعض احادیث پر عمل بعض کا انکار تو سب پر عمل کی صورت میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت کے علاوہ حدیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ثابت ہے خواہ رکوع کو یا سجدہ کو جانے کی خواہ جلسہ کو آنے کے لیے خواہ تشہد کو آنے کے لئے ہو جیسا کہ خود غیر مقلدوں کے ماضی قریب کے عربی عالم احمد محمد شاکر صاحب نے جامع ترمذی کے حاشیہ پر لکھا ہے فرماتے ہیں کہ: ثُمَّ ثَبَتَتْ اَحَادِيْثُ اُخْرٰى فِي الرَّفْعِ مَعَ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ السُّجُوْدِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنَ السُّجُوْدِ۔ (حاشیہ ترمذی احمد محمد شاکر ج ۲ ص ۴۱)

ماخوذ از ترک رفع یدین للمولانا فقیر اللہ۔ پھر نماز کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین پر احادیث ثابت ہیں یعنی سجدہ میں جاتے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت۔ اس پر موصوف غیر مقلد صاحب کے دلائل حسب ذیل ہیں: فَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ مِنْ حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ۔ كُلَّمَا كَبَّرَ وَرَفَعَ ووضع وبين سجدتين وفي رواية للطحاوي من حديث ابن عمر ' كان يرفع يديه في كل حفض ورفع وركوع وسجود وقيام وقعود وبين السجدتين۔

(العربی حاشیہ ترمذی احمد شاکر ج ۲ ص ۴۱ ماخوذ از حوالہ مذکورہ)

بروایت احمد حضرت ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب بھی آپ تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے اور سر جھکاتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔ اور بروایت طحاوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خفض ورفع اور رکوع وسجود اور قیام وقعود اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔ ناصر البانی غیر مقلد صاحب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی سندیوں بیان کرتے ہیں:

"وَسَنَدُهٗ صَحِيْحٌ وَلَهٗ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ بِلَفْظِ - اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ رَوَاهُ اِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ"۔ (ارواء الغلیل - ج ۲ص ۶۷ تا ۶۸)

"اس کی سند صحیح ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس کے لیے شاہد ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے"۔

اب ان احادیث کی روشنی میں ہر رکعت میں چھ بار رفع یدین بنتا ہے جب کہ غیر مقلد وہابی صاحبان ہر رکعت میں رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت صرف دو بار ہی رفع یدین کرتے ہیں اور رکعت میں چار بار رفع یدین ترک کرتے ہیں پھر اپنے کو عامل حدیث اہل حدیث کہتے ہیں یہ حال ہے ان غیر مقلدوں کے مذہب کا۔

وہابی اپنے جال میں خود پھنس گیا

ثانیاً: وہابی صاحب نے اپنے دعویٰ پر کہ ہم غیر مقلد تیسری رکعت کو اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں شوکانی صاحب کی نیل الاوطار اور نواب صدیق حسن خاں کی مسک الختام اور السراج الوہاج سے دلیل دی ہے مگر ان سے اس کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا کہ امام شافعی کے نزدیک تیسری رکعت کو اٹھتے وقت رفع یدین مستحب ہے یا نہیں یہ تو نہیں کہا کہ ہم غیر مقلدوں کے نزدیک مستحب یا سنت ہے اور صدیق حسن خاں صاحب کی عبارت تو غیر مقلد کے دعویٰ کے مفاد میں نہیں بلکہ مضر ہے چنانچہ وہ مسلک الختام کے ص ۳۸۱ پر لکھتے ہیں: وآنچہ بصحت رسیدہ است نزد شافعیہ رفع یدین ست نزد افتتاح ورفتن برکوع و سر برداشتن ازاں وقیام بہ رکعت سوم و در غیر ایں چہار موضع ثبوت نرسید و شیخ در ترجمہ گفتہ برداشتن دستہا در غیر تکبیر احرام مختلف فیہ ست میاں ما و شافعیہ و احادیث و آثار در ہر دو جانب آمد تحقیق در وے ایں ست کہ ہر دو بودہ است گاہے آں گاہے ایں از صحابہ ہر کس آنچہ دیدہ روایت کردہ یا در ابتداء بودہ است و در آخر منسوخ

گشتہ و از انکہ عظمائے صحابہ مثل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہ عالم بود وبہ شرائع اسلام و احکام آں متفقہ بود بہ احوال رسول خدا و ملازم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود در سفر وحضر و آں را منکر و ظاہراً ثانی ست و زار امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدم رفع روایت کنند و اگر فرضاً ہر دو بود راجح بود آنکہ وے کہ از جنس سکون است کہ مناسب بحال صلوٰۃ کہ خضوع و خشوع است وکلام دریں مقام واسع است اور وجو کہ شافعیہ کے نزدیک صحت کو پہنچا ہے شروع کی تکبیر اور رکوع کے قیام کے وقت اور ان چار جگہوں کے علاوہ ان کے نزدیک پائے صحت کو نہیں پہنچا شیخ نے ترجمہ میں کہا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا باقی تکبیروں میں ہاتھ اٹھانے میں ہمارے اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے بہر حال احادیث و آثار دونوں طرف آئے ہیں اور قدر تحقیق اس میں یہ ہے کہ یا تو رفع و ترک دونوں ہوئے ہیں کبھی وہ کبھی یہ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے جو کسی نے دیکھا روایت کر دیا یا رفع یدین ابتداء اسلام میں ہوا پھر منسوخ ہو گیا جیسا کہ اکابر صحابہ مثل ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے۔

حالانکہ وہ شریعت کے طریقوں اور احکام جاننے والے مہر عالم تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احوال سے موافق تھے اور سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہتے تھے لہٰذا اس میں ظاہراً ثانی احتمال ہے۔ یعنی نسخ کا اور امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ترک رفع یدین مروی ہے اور اگر فرضاً دونوں کو ثابت رکھیں تو بھی (ترک) راجح ہے کیونکہ وہ سکون کی جنس سے ہے جو کہ نماز کے حال کے لائق ہے اس لیے کہ نماز میں خشوع و خضوع چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ نواب صدیق حسن صاحب کے نزدیک عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے ترک رفع یدین راجح ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر غیر مقلد کا ایک اور اعتراض لکھتے ہیں: ہم نے اوپر حدیث کے الفاظ درج کر دیے ہیں قارئین ورق الٹ کر انہیں ایک بار پھر ملاحظہ کر لیں کہ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث سننے کے پہلے مذکورہ الفاظ کہے یا بعد میں امر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات پہلے کہی تھی لیکن جب ابوحمید الساعدی نے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتایا تو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یک زبان ہو کر ابوحمید ساعدی کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ: صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ابوحمید ساعدی تو نے سچ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر مفتی صاحب الٹی گنگا بہاتے ہیں کہ جو بات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پہلے کہی تھی مفتی جی اسے نماز کا طریقہ سننے کے بعد کی بتاتے ہیں پھر اس صریحا بددیانتی کو دلیل بنا کر حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غیر فقیہ کہتے ہیں: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصدیق کے بعد ابوحمید ساعدی کی کم یا زیادہ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر مدعی سست گواہ چست مفتی صاحب نے پھر بھی اعتراض کر ہی دیا ہے مفتی جی اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کم میسر آئی بلکہ مفہوم اس کا یہ ہے کہ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کم صحبت ہے یہ تو اسی طرح ہی ہے کہ کوئی یہ کہے دے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کم میسر آئی اس سے کوئی کودمغز بھی یہ نتیجہ نہیں نکالے گا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر فقیہ تھے کیوں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کم میسر آئی بلکہ ہر صاحب دماغ کہے گا کہ خلفاء کے مقابلہ میں امیر معاویہ کو کم رفاقت ملی۔ مگر کوئی فقاہت پر نچھاور ہونے والے اور خود کو عالم فاضل باور کرنے والے اور غیروں کو نامعلوم کیا کیا کہنے والے اور ساری زندگی تفقہ تفقہ کا ڈھول بجانے والے اتنی تھوڑی سی بات کو بھی نہیں پائے اور طحاوی سے لیکر مؤلف جا...باطل تک بدستور یہ اعتراض کر رہے ہیں۔ حنفیو ضد کو چھوڑیے اور خدارا ذرا غور کیجئے کہ کیا وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی کم رفاقت ملی تھی اور کیا وہ بھی غیر فقیہ تھے جنھوں نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کی تھی۔ بریلوی علماء کو اگر چالیسواں دسواں قل جمعرات محفل میلاد اور عرس وغیرہ سے فرصت ملے تو تاریخ رجال کو اٹھا کر حضرت

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی سیرت طیبہ کو بھی ملاحظہ کریں۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: ابوحمید الساعدی صحابی مشہور شھد احدا وما بعدھا۔

(تقریب ص ۳۹۵ تھذیب ج ۱۲ ص ۸۰)

یعنی ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں جنگ احد اور بعد کے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: شَهِدَ بَدْرًا وَاُحُدًا وَالْمَشَاهِد كلها مع رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الاستیعاب ج ۴ ص ۳۷۴) جنگ بدر اور احد میں اور اسی طرح تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ان تصریحات سے ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قدیم رشتہ غلامی ثابت ہو گیا۔ لہٰذا اس جلیل القدر بدری صحابی کو غیر فقیہ لکھنا خالص صحابہ دشمنی ہے جس نے شیعیت کی کوکھ سے جنم لیا۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۵۵ تا ۳۵۶)

الجواب اولاً: یا تو نام نہاد اہل حدیث صاحب مفتی صاحب کی عبارت کو نہیں سمجھے اور بلاوجہ اعتراض تھوپ دیا یا پھر لوگوں کو فریب کے درپے ہیں ورنہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر عالم و غیر فقیہ ہیں مفتی صاحب کی عبارت کا مفہوم یوں سمجھیں کہ اگر کہا جائے نہ تو فلاں شخص لوگوں میں عالم ہے اور نہ مفتی تو اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ سب لوگوں میں سے زیادہ عالم یا مفتی نہیں یہ مطلب نہیں کہ وہ شخص بے علم ہے۔

ثانیاً: وہابی چور مچائے شور کے مصداق ہیں کیونکہ فرقہ وہابیہ کی بنیاد ہی بے ادبی و گستاخی ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی توہین کو یہ لوگ توحید جانتے ہیں چونکہ ان کا یہ طریقہ بہت مشہور ہے اور خاص و عام سنی انہیں بے ادب و گستاخ جانتے ہیں۔ لہٰذا اس نے الفاظ کے ہیر پھیر سے صحابی کی بے ادبی اور صحابہ دشمنی کو مفتی صاحب کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ ہر بریلوی سنی مسلمان کے دل میں بلکہ رگ و ریشہ میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر بزرگان دین کا ادب و احترام رچا ہوا ہے۔ بالخصوص مفتی احمد یار

خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تو وہ بزرگ ہیں جن کی تصنیفات کثیرہ ہے لیکن کسی جگہ بے ادبی کا شائبہ تک موجود نہیں بلکہ انبیاء و اولیاء کی محبت وعقیدت کا درس ملتا ہے اس جگہ بھی مفتی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحبت میسر نہیں ہوئی اس کی یہ مراد نہیں کہ کم صحبت میسر ہوئی کیونکہ زمان اور مدت کی تقسیم پانچ درجوں پر ہوتی ہے۔

۱- زیادہ مدت یا زمانہ

۲- بہت زیادہ

۳- متوسط

۴- کم

۵- اور بہت کم

جب کہ وہابی صاحب کی عقل شریف میں یہ آیا کہ زیادہ کے بعد کم کا درجہ ہے حالانکہ زیادہ کے بعد متوسط مدت کا درجہ ہے پھر کم کا اسی طرح کیفیت کے درجے ہیں لہٰذا کسی کی بابت کہا جائے کہ فلاں لوگوں میں زیادہ عالم نہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ اسے بے علم کہا جا رہا ہے۔ نیز کسی صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ مدت بھی صحبت مل جانا سب سعادتوں سے بڑی سعادت اور نبوت کے بعد سب مرتبوں سے بڑا مرتبہ ہے۔

رابعاً: صحابہ کی دشمنی تو وہابی سے ظاہر ہوئی جس نے اپنے پاس سے ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غیر عالم اور غیر فقیہ کہا اور منسوب مفتی صاحب کی طرف کر دیا حالانکہ ان کی عبارت اوپر لکھی جا چکی ہے اس میں حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کو غیر عالم اور غیر فقیہ کہنا موجود نہیں ہے۔

خامساً: وہابی صاحب نے جس بات سے اپنے مذہب کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ دس صحابہ نے ابوحمید ساعدی کو کہا کہ تو نے سچ کہا ہے حالانکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ابوعاصم ان الفاظ کو کہ قالوا جمیعاً

صدقت۔ بیان کرنے میں منفرد ہیں اور کسی راوی نے ان کے استاد عبدالحمید بن جعفر سے یہ الفاظ روایت نہیں کیے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۵۶)

سادساً: غیر مقلدوں کی زیر بحث روایت میں متعدد خرابیاں موجود ہیں جن کا ذکر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی کے حوالہ سے کیا ہے کہ اس میں عبدالحمید ابن جعفر راوی سخت مجروح ہے اور اس کا ایک راوی محمد بن عمرو بن عطاء مدلس ہے اس نے ابوحمید ساعدی سے ملاقات نہیں کی مگر کہتا ہے میں نے ان سے حدیث کو سنا ہے اور ابوعاصم ان الفاظ کو کہ قالوا جمیعاً صدقت۔ بیان کرنے میں منفرد ہے جب کہ دوسری طرف ترک رفع یدین پر جلیل القدر فقیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ مبارکہ کو خوب جاننے والے صحابی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حسن اور ابن حزم نے صحیح کہا اس میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں سب نے کہا ہاں پھر آپ نے نماز پڑھائی اور تکبیر اولیٰ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کیا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو دیکھنے والے سب صحابی اور تابعی ہوں گے۔ مگر سب نے آپ کی نماز کے طریقہ کی صحت کو تسلیم کیا کسی نے اعتراض و انکار نہ کیا تو یہ عدم رفع یدین کی ترجیح یا نسخ رفع یدین کی بین دلیل ہے۔ غیر مقلد کا ایک اور اعتراض لکھتے ہیں: آپ نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت سے تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین پر استدلال کیا ہے اور اسی طرح اکابر احناف بھی یہی استدلال کرتے ہیں اور احناف کا موقف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی کی رفع الیدین کرتے رہے۔ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں: مفتی جی جب ابوحمید ساعدی رضی عنہ کی حدیث اس وجہ سے تکبیر تحریمہ کی ہمیشگی پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے تو اسی دلیل سے ہم کہتے ہیں چونکہ عندالرکوع اور عند رفع الراسہ من الرکوع کے رفع یدین کا بھی اسی میں ذکر ہے لہٰذا ان مواضع کی رفع الیدین کی ہمیشگی ثابت ہوئی۔ (دام نہاد دین الحق ص ۳۵۷)

الجواب اوّلاً: یہ غلط ہے کہ احناف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی ہمیشگی اس روایت سے ثابت کرتے ہیں۔ تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے پر تو اس کے علاوہ بے شمار احادیث وارد ہیں اس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں۔

ثانیاً: کسی آیت یا حدیث کا بعض منسوخ ہونے سے کل منسوخ ہونا لازم نہیں آتا جب ایک آیت یا حدیث میں کئی حکم ہوں تو ان میں سے وہی حکم منسوخ ہو گا جس کے نسخ پر دلیل قائم ہو جائے اور جس کے نسخ پر واضح و قوی دلیل قائم نہ ہو وہ منسوخ نہ ہو گا۔

غیر مقلد وہابی کا بے جا استدلال

لکھتے ہیں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بتایا ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ اس پر گواہ ہیں اور دس صحابہ نے اس طریقہ کو قبول کیا۔ اگر رفع یدین منسوخ ہو گیا تھا تو صحابہ کرام نے اعتراض کیوں نہ کیا جیسا کہ صحابہ کرام کسی منسوخ حکم پر عمل کرتے دیکھ کر عموماً فرمایا کرتے تھے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۵۸)

الجواب اوّلاً: کسی صحابی کا محض حدیث کو بیان کرنا اس کے عدم نسخ کی دلیل نہیں ہوتا کیوں کہ بعض اوقات کسی حدیث کا منسوخ ہونا معلوم نہیں ہوتا تو راوی بیان کر دیتا ہے رہا دس صحابہ کی تصدیق کا دعویٰ تو یہ ہم امام طحاوی کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ ان الفاظ کو روایت کرنے میں ابو عاصم منفرد ہے اور کوئی اس کا متابع موجود نہیں۔

ثانیاً: کبھی صحابی نسخ کے علم کے باوجود بیان کر دیتا ہے جس کا مقصد ہوتا ہے کہ قبل از نسخ یہ بھی ایک طریقہ تھا۔ غیر مقلد صاحب کا اس روایت سے ایک اور بے تکا استدلال۔ حدیث کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں جن میں کان یرفع کے الفاظ ہیں جو دوام پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ آپ کو بھی اقرار ہے کہ کان کا لفظ ہمیشگی کے لیے آتا ہے الغرض ان الفاظ کا یہی مفہوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ساری زندگی رفع الیدین کرتے رہے۔ رہی آپ کی پیش کردہ روایات تو وہ موضوع (من گھڑت) ہیں تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۵۸)

الجواب اوّلاً: وہابی جی نے یہ تو سن رکھا ہے کہ کان دوام پر دلالت کرتا ہے مگر یہ اسے معلوم نہیں کہ کب اور کس صورت میں اور کس طرح کے دوام پر دلالت کرتا ہے وہابی جی کان مطلق دوام پر دلالت نہیں کرتا مگر جب کہ مضارع پر داخل ہو تو اس صورت میں فعل مضارع کو ماضی استمراری کے معنی میں کر دیتا ہے لیکن حال و استقبال میں دوام پیدا نہیں کرتا لہٰذا اگر کوئی فعل ماضی میں ہوتا رہا پھر منسوخ ہوا۔ تو وہ کان کے عمل کے منافی و متضاد نہیں۔

ثانیاً: اگر آپ واقعہ ہی کلیہ مسلمہ جانتے ہیں کہ کان مطلقاً فعل کے دوام کو ثابت کرتا ہے تو پھر حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث جسے امام ترمذی نے حسن فرمایا ہے میں بھی تو کان ہے پھر آپ اس کا دوام کیوں نہیں مانتے چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا حَتّٰى يَفْرُغَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ مبارک اٹھاتے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے۔

ثالثاً: اگر بقول آپ کے احناف کی ترک رفع یدین پر سب روایات موضوع (من گھڑت) ہیں تو پھر آپ کے غیر مقلد پیشوا صدیق حسن بھوپالی صاحب کیوں کہتے ہیں کہ رفع یدین سے ترک رفع یدین کی روایات راجح ہیں۔ جیسے کہ ان سے مسک الختام کا حوالہ گزرا۔ بتاؤ ان کو جاہل جانتے ہو؟ جاء الحق سے عبارت گزر چکی جس میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عام صحابہ کا عمل اس حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس پر غیر مقلد اعتراض میں لکھتے ہیں: یہ صریحاً کذب بیانی ہے کہ صحابہ کرام کا عمل ترک رفع یدین تھا حقیقت یہ کہ کسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ ترک ثابت نہیں۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ أَهْلِ النَّظَرِ مِمَّنْ أَدْرَكْنَا مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ

الْعِرَاقِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ وَ يَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ الْعِلْمِ بَيْنَ اَهْلِ زَمَانِهِمْ فَلَمْ يَثْبُتْ عِنْدَ اَحَدٍ مِنْهُمْ عِلْمٌ فِيْ تَرْكِ رَفْعِ الْاَيْدِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ"۔

(جز ءرفع الیدین مترجم ص ۳۰)

"جن اہل علم کو ہم نے پایا حجاز اور عراق سے ان میں عبد اللہ بن زبیر علی عبد اللہ بن ابی طالب بن جعفر یحیٰی بن معین احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ یہ تمام اپنے دور کے اہل علم ہیں ان میں سے کسی کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک رفع یدین ثابت نہیں ہے اور نہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے" (انتھیٰ)۔

الجواب: وہابی جی نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر امام بخاری کی جز رفع الیدین کی عبارت میں ایسی تحریف و ہیر پھیر کیا کہ یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے جز رفع الیدین کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَعَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَيَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ يُثْبِتُوْنَ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرَوْنَهَا حَقًّا وَهٰؤُلَاءِ اَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ اَهْلِ زَمَانِهِمْ ۔ اب اسے اور جو وہابی صاحب کی پیش کردہ عبارت اوپر لکھی گئی اسے غور سے دیکھیں اور غیر مقلد وہابی جی کی تحریف و ہیر پھیر پہ عبارت کا اندازہ کریں اور سوچ لیں کہ ایسے لوگوں کی بات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ وہابی صاحب اعتراض کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔ رہا مفتی صاحب کا آثار پیش کرنا تو مفتی صاحب نے کل چار آثار پیش کیے ہیں جو محض ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہیں جب کہ ای حدیث ابو حمید ساعدی کی دس جلیل القدر صحابہ نے تصدیق کی ہے جس سے واضح ہے کہ ان دس جلیل القدر صحابہ کا عمل بھی رفع الیدین کرنا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے تصدیق کی ہے لہٰذا عام صحابہ کا عمل

رفع الیدین پر ہوا نہ کہ ترک پر۔ (دام نہاد دین الحق ص ۲۵۹)

الجواب اوّلاً: ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث جس پر فریق ثانی کا پورا زور ہے اور شور مچا رہا ہے کہ اس کی دس صحابہ کرام نے توثیق و تصدیق کی ہے ہم نے بفضلہ تعالیٰ اس کے ضعف کی وجوہ بیان کر دی ہیں۔

ثانیاً: غیر مقلد صاحب کا یہ کہنا کہ مفتی صاحب نے کل چار اثر پیش کیے ہیں۔ جو کہ سب ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ یہ خالصا غلط بیانی ہے ہم نے بفضلہ تعالیٰ ان کی صحت پر دلائل دے دیئے ہیں مزید اس پر یہ کہ حاشیہ درایہ پر ہے۔

ترک رفع یدین پر ابن مسعود کی حدیث کو ابن حزم وغیرہ حفاظ نے صحیح کہا

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَعْنِيْ حَدِيْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ صَحَّحَهُ ابْنُ حَزْمٍ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْحُفَّاظِ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَمَا قَالُوْهُ فِيْ تَعْلِيْلِهٖ لَيْسَ بِعِلَّةٍ۔ (الدرایۃ ا ص ۱۵۰)

اور یہ حدیث یعنی ابن مسعود کی حدیث اسے ابن حزم اور اس کے علاوہ حفاظ نے صحیح کہا ہے اور وہ صحیح حدیث ہے اور جنہوں نے اس میں علت بتائی وہ کوئی علت نہیں۔

دوم۔ فریق ثانی کے گھر کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی صاحب لکھتے ہیں:

ودر جامع الاصول حدیث ابن مسعود را از ابی داؤد ونسائی وحدیث براء بن عازب را از ابی داؤ' نیز آوردہ گفت دیدم رسول خدا را چوں افتتاح کرد برمی داشت دو دست خود را تا نزدیک دو دوش ثم لا یعود وفی روایۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف وآنکہ ابوداؤد گفت ایں حدیث صحیح نیست احتمال دراد کہ مراد عدم صحت ایں طریق خاص بود پس ضرر نکند در صحت اصل حدیث و احتمال دارد کہ اثبات حسن حدیث بود موافق آنچہ ترمذی گفتہ است و حدیث حسن بخلاف صحیح پا است۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام جزء اول ص ۲۶۳ اور جامع الاصول میں ابو داؤد اور نسائی سے حدیث ابن مسعود منقول ہے اور براء بن عازب

کی حدیث ابوداؤد سے ہے کہ براء بن عازب نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے پھر پوری نماز میں نہ اٹھاتے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے اور ایک روایت میں لا یعود کی جگہ لم یرفعهما اور وہ جو کہ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں احتمال ہے کہ عدم صحت سے مراد کوئی خاص طریقہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث کو حسن ثابت کرنا مقصود ہو اس کے موافق جو کہ ترمذی نے فرمایا اور حدیث حسن بلا اختلاف حجت ہے۔

سوم تا پنجم۔علامہ نیموی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو طحاوی اور ابن ابی شیبہ سے صحیح سند سے نقل کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو طحاوی اور ابن ابی شیبہ اور بیہقی سے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو طحاوی ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی المعرفہ سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آثار باب ترک رفع الیدین۔ اسی کے اس باب کے آخر میں ہے: وَاَمَّا الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَلَمْ يَثْبُتْ عَنْهُمْ رَفْعُ الْاَيْدِيْ فِيْ غَيْرِ تَكْبِيْرَةِ الْاِحْرَامِ ' اور بہر حال چاروں خلفاء راشدین سے تکبیر تحریمہ کے سوا نماز میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہوا۔ غیر مقلد صاحب ایک مضطرب۔ معلل اور منفرد کی روایت کو لے کر شور کر رہا تھا کہ ابوحمید ساعدی کی دس صحابہ نے تصدیق کی اب بتائے چاروں خلفاء راشدین کے پیچھے کتنے صحابہ نماز پڑھتے تھے کیونکہ یہ حضرات صحابہ کے امام تھے کیا صحابہ نے ان سے اختلاف کیا اس کا نام تصدیق نہیں تو اور کیا ہے نیز خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا رفع یدین نہ کرنا اس کے نسخ کی دلیل ہے غیر مقلدین کتب احادیث میں رفع یدین کے روایتوں کے پائے جانے کی بات کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے کیا منسوخ روایات کتب احادیث میں نہیں پائی جاتیں ان کا پایا جانا عدم نسخ کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

اعتراض نمبر ۲: بخاری و مسلم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ

اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ۔

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے''۔

یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس منسوخ کا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دار قطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

نسخ رفع یدین کا واضح ثبوت

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِيْ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ تَكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔ فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے۔ ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہے کیونکہ ایک میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہیں جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو کہ خارجی المذھب تھا۔ یعنی ناصبی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفع الیدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جسے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اعتراض نمبر ۹ کے تحت لکھنے کے جوابات دیے ہیں یہی حدیث تام نہاد دین الحق کے مؤلف صاحب اپنی دلیل کے طور پر لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ کوئی شاذ ہی ایسی حدیث کی کتاب ہوگی۔ جو احکام پر لکھی گئی ہو مگر اس میں یہ حدیث نہ ہو ورنہ تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے پھر اس حدیث کی صحت پر بھی کوئی کلام نہیں۔ دنیا بھر کے منکرین رفع الیدین کی گاڑی اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی مگر اس پر کوئی آنچ نہیں آئیگی۔ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے: هٰذَا الْحَدِيْثُ عِنْدِیْ حُجَّةٌ عَلَى الْخَلْقِ كل مَنْ سَمِعَهٗ فَعَلَيْهِ اَنْ يَّفْعَلَ لِاَنَّهٗ لَيْسَ فِیْ اِسْنَادِهٖ شَیْءٌ۔ (تام نہاد دین الحق ص ۳۳۲ تا ۳۳۳)

الجواب اوّلاً: قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ غیر مقلد صاحب نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت پر خوب لافیں ماری ہیں مگر یہ اس کی خوش فہمی ہے کہ زیر بحث روایت پر کوئی آنچ نہیں آئیگی کیونکہ اس روایت کے متن میں شدید اضطراب ہے جس محدث نے بھی اس کے تمام متون کو جمع کیا ہے وہاں یہ اضطراب دیکھا جا سکتا ہے بطور مثال ملاحظہ ہو۔

غیر مقلدوں کی پیش کردہ حدیث میں اضطراب

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِی السُّجُوْدِ ـ لَفْظُ حَدِيْثِ الْقَعْنَبِیِّ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِی الصَّحِيْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِیِّ وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكٍ وَزَادَ فِيْهِ اِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ"۔ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۶۹ باب رفع الیدین عن الرکوع وعند رفع منہ۔ اسی باب میں ہے:

"عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ ـ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ بَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ رَفَعَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِی الصَّحِيْحِ عَنْ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى"۔

سالم بن عبداللہ اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہتے اور سجدہ میں جاتے ہوئے ایسا نہ کرتے یہ

لفظ قعنبی کے ہیں جسے بخاری نے صحیح میں روایت کیا عبد اللہ بن مسلمہ سے قعنبی اور اسے عبد اللہ بن وہب نے مالک سے روایت کیا اور اس میں زیادہ کیا جب تکبیر فرمائی رکوع کے لیے۔ عبد اللہ نے نافع اس نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب اس نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور دو رکعتوں کے بعد تیسری کو کھڑے ہوئے اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان کیا امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں عیاش عن عبد الاعلی سے روایت کیا۔ مذکورہ روایتوں میں اضطراب واضح ہے عبد اللہ قعنبی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو اس میں رکوع کو جاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کرتے اور عبد اللہ بن وہب نے یہی روایت امام مالک سے کی تو اس میں جب رکوع کے لیے تکبیر فرمائی کے لفظ زیادہ کر دیے اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا طریقہ نماز یہ مذکور ہوا کہ آپ نے دو رکعتوں کے بعد تیسری کو آتے ہوئے رفع یدین کیا اور اسے رسول اللہ کا طریقہ بتایا۔ اب غیر مقلدین بتائیں کہ کس پر عمل کریں گے اور کسے چھوڑیں گے جسے بھی چھوڑیں اہلحدیث نہ ہوئے تارک حدیث ہوئے۔

اضطراب کی دوسری مثال

جامع ترمذی ج ا ص ۵۹ باب رفع الیدین عن الرکوع میں ہے۔

"سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ مَنْکِبَیْہِ وَاِذَا رَکَعَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَزَادَ ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ فِیْ حَدِیْثِہٖ وَکَانَ لَا یَرْفَعُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ"۔

"سالم اپنے باپ عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب نماز شروع فرمائی تو ہاتھوں کو اٹھایا حتیٰ کہ کاندھوں کے برابر کر دیا اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا اور ابن ابی عمر نے اپنی حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں

سجدوں کے درمیان ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اب اس میں سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرنے کا اضافہ ثابت ہے"۔

مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۲ پر ہے کہ: عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع عند التکبیر للرکوع و عند التکبیر حین یھوی ساجدا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی تکبیر کے وقت اور سجدہ جاتے ہوئے تکبیر میں رفع یدین فرماتے تھے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کو جاتے وقت رفع یدین بھی ثابت ہے اس کے راوی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا عمل سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا بھی آیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۰۲ پر ہے: عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ السَّجْدَۃِ الْاُوْلٰی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سجدہ اولیٰ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد نافع اور طاؤس تابعی بھی دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے ملاحظہ ہو۔ عَنْ اَیُّوْبَ قَالَ رَءَیْتُ نَافِعًا وَطَاؤُسًا یَرْفَعَانِ اَیْدِیَھُمَا بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۰۲)

ایوب سے ہے کہ میں نے حضرت نافع اور طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نماز میں دیکھا دو سجدوں کے درمیان ہاتھ اٹھاتے تھے۔ وہابیوں کی پیش کردہ حدیث کے ایک متن میں سجدوں میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے اس کے راوی ابن عمر سے بھی سجدوں میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد نافع اور طاؤس تابعی کا سجدوں میں رفع یدین مذکور ہے مگر وہابی حضرات اس پر عمل نہیں کرتے بعض حدیثوں کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہوتے ہیں۔

رفع یدین کی حدیث میں اضطراب و اختلاف کب سے ہوا

اب عرض کرتا جاؤں کہ متن حدیث میں مذکورہ اضطراب و اختلاف محض بعد میں نہیں آیا بلکہ ابتداء میں راوی حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگردوں

سالم و نافع میں ابن عمر سے روایت کرنے میں ہی پایا جاتا ہے چنانچہ اس حقیقت کو حاشیہ مؤطا امام محمد صفحہ نمبر ۹۰ پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فَاِنَّ الْحَدِیْثَ اَخْرَجَهُ الزُّبَیْدِیُّ عَنِ الزُّهْرِیِّ عِنْدَ اَبِیْ دَاوٗدَ وَلَیْسَ فِیْهِ ذِکْرُ الرَّفْعِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَاَیْضًا لَمْ یَخْتَلِفْ فِیْهِ عَلَی الزُّهْرِیِّ بَلْ اِخْتَلَفَ سَالِمٌ وَّ نَافِعٌ عَلَی ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ سَهِرَ اللَّیَالِیَ فِیْ تَفَحُّصِ کُتُبِ الْحَدِیْثِ وَرَوَی الطِّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ عَنْ اِبْنِ عمر اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ عِنْدَ التَّکْبِیْرَةِ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ التَّکْبِیْرَةِ حِیْنَ یَهْوِیْ سَاجِدًا۔ قَالَ الْهَیْثَمِیُّ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ۔ فَالْحَقُّ اِنَّ الْحَدِیْثَ اِبْنِ عُمَرَ مَعَ اِنَّهٗ مَخْرَجٌ فِی الصَّحِیْحَیْنِ مُضْطَرِبٌ فِیْ مَوَاضِعِ الرَّفْعِ وَلَعَلَّ ذٰلِكَ السِّرُّ فِیْ اِنَّ الْاِمَامَ مَالِکًا لَمْ یَاْخُذْ بِهٖ فِیْ قَوْلِهِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا فِی الْمُدَوَّنَةِ قَالَ مَالِكٌ لَا اَعْرِفُ رَفْعَ الْیَدَیْنِ فِیْ شَیْءٍ مِنْ تَکْبِیْرِ الصَّلٰوةِ لَا فِیْ خَفْضٍ وَّلَا فِیْ رَفْعٍ اِلَّا فِی اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ ابْنُ الْقَاسِمِ وَکَانَ رَفْعُ الْیَدَیْنِ عِنْدَ مَالِكٍ ضَعِیْفًا اِلَّا فِیْ تَکْبِیْرِ الْاِحْرَامِ۔ (الخ)

''بے شک حدیث جسے زبیدی نے زہری سے بیان کیا ابوداؤد کی روایت ہے اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں اس حدیث میں اختلاف فقط زہری پر نہیں ہوا' بلکہ سالم و نافع نے ابن عمر سے روایت پر اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہر اس پر پوشیدہ نہیں جو راتوں جاگا کتب حدیث سے تلاش و تحقیق میں اور طبرانی نے اوسط میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی تکبیر کے وقت اور سجدہ جاتے ہوئے تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ علامہ ہیثمی نے کہا کہ سند اس کی صحیح ہے۔ پس حق یہ ہے کہ حدیث ابن عمر صحیحین

(بخاری و مسلم) میں مروی ہونے کے باوجود مضطرب ہے رفع یدین کی جگہوں میں شاید یہی راز ہے اس میں کہ امام مالک نے اس روایت کو معمول بہ نہ بنایا اس کے مشہور قول کے مطابق اور وہی مراد ہے جو مدونہ کتب میں آیا کہ امام مالک نے فرمایا کہ میں نماز کی تکبیروں میں سے کسی چیز میں رفع یدین نہیں جانتا نہ جھکنے کی تکبیروں اور نہ اوپر آنے کی تکبیروں میں مگر شروع نماز کی تکبیروں میں ابن قاسم نے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا امام مالک کے نزدیک رفع یدین ضعیف تھا''۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ زیر بحث حدیث کے متن میں اضطراب و اختلاف بعد کا نہیں بلکہ شروع میں ہی حضرت ابن عمر کے شاگردوں سالم و نافع سے واقع ہوا بعد ازیں امام زہری کے شاگردوں میں مزید بڑھا اسی اضطراب کی وجہ سے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے راوی ہونے کے باوجود اپنے مشہور قول کے مطابق اسے معمول بہ نہیں بناتے کیونکہ وہ تکبیر اولیٰ کے سوا رفع یدین کو ضعیف جانتے ہیں۔

رفع یدین پر کوئی قولی حدیث نہیں آئی

ثانیاً: نماز کا پورا مسنون طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی و فعلی دونوں طرح مروی ہے مگر نماز کے اندر رفع یدین کے بارے ایک بار بھی نہیں ثابت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو رفع یدین کرو بلکہ وہ حدیث شریف جس میں نماز کا طریقہ مذکور ہے رفع یدین کا ذکر نہیں آیا ملاحظہ ہو۔

''حدثنی محمد بن المثنی قال نا یحیی بن سعید عن ابیه عن ابی هریرة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم فرد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ارجع فصل انك لم تصل فرجع الرجل فصلی کما کان یصلی ثم جاء الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال رسول

الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ارجع فصل انك لم تصل حتى فصلى ذلك ثلاث مرات فقال الرجل والذى بعثك بالحق ما احسن غير هذا علمنى قال اذا قمت الى الصلوٰة فكبر ثم اقرء ماتيسر معك من القران ثم اركع حتىٰ تطمئن راكعا ثم ارفع حتى تعتدل قائما ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالسا ثم افعل ذلك فى صلوٰتك كلها"۔

(مسلم شریف ۱۷۰)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی کے تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو ایک آدمی بھی مسجد میں داخل ہوا پس اس نے نماز پڑھی پھر آیا تو حضور کو سلام عرض کیا آپ نے اسے سلام کا جواب دیا پھر ارشاد فرمایا: واپس جا کر نماز پڑھو تیری نماز نہ ہوئی وہ واپس ہوا تو نماز دوبارہ پڑھی جیسے کہ اس نے پہلے پڑھی تھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سلام عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جواب دیا پھر فرمایا: لوٹ تو نماز کا اعادہ کر بلاشبہ تو نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ تین بار ایسا ہی فرمایا تو اس شخص نے عرض کی کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق پر بھیجا جو اس سے اچھا طریقہ ہے مجھے تعلیم فرمائیں فرمایا: جب تو نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہے پھر جو تجھے قرآن میں سے آسان ہو پڑھ لے پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان ہو جائے پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان آ جائے پھر سجدہ سے اٹھ یہاں تک کہ اطمینان آ جائے پھر سجدہ سے اٹھ یہاں تک کہ جلسہ میں اطمینان ہو جائے۔ پھر یہی طریقہ اپنی ساری نماز میں بجالا"۔

مذکورہ حدیث مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نماز کا طریقہ ارشاد

فرمایا: مگر نماز میں رفع یدین کو اس میں شامل نہ فرمایا اگر یہ بھی مسنون ہوتا تو آپ ضرور ارشاد فرماتے۔ الغرض کسی حدیث میں نہیں آیا کہ آپ نے فرمایا ہو رفع یدین کرو۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۷ بخاری شریف حضرت نافع سے روایت کی:

اَنَّ اِبْنَ عُمَرَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ یَدَیْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ رَفَعَ یَدَیْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ اِبْنُ عُمَرَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے دیکھو سیدنا عبد اللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے رفع سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے تم صرف رکوع پر کرتے ہو۔

دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے دوسرے یہ کہ ہم دوسری فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہٰذا حدیثیں جمع ہو گئیں چنانچہ طحاوی شریف میں ہے:

فَقَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ اِبْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَارَاٰهُ طَاؤسٌ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ

اَلْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ وَتَرَكَهٗ وَفَعَلَ مَا ذَكَرَهٗ عَنْهُ مُجَاهِدٌ۔

جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا جب سیدنا عبد اللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا جو مجاہد نے دیکھا (رفع یدین نہ کرنا) بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

نوٹ: غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض کے مفتی صاحب کے جوابات کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔

''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھ کے بیچ میں کیا اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے''۔

جواب: حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ روایت سیدنا عبد اللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے بڑے عالم وفقیہہ صحابی تھے نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے

حکم دیا تھا کہ:

لیلینی منکم اولو الاحلام والنهی۔

ترجمہ: تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم وعقل والا ہو۔

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا:

فقال اعرابی لا یعرف شرائع الاسلام ولم یصل مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا صلوٰۃ واحدۃ وقد حدثنی من لا احصی عن عبد اللہ ابن مسعود انہ کان یرفع یدیہ فی بدء الصلوٰۃ فقط وحکاہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عبد اللہ عالم بشرائع الاسلام وحدودہ متفقۃ احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملازم لہ فی اقامتہ واسفارہ وقد صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالا یحصی.

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے ساتھی تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے

اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت نا قابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی کرتے ہوئے لکھتے ہیں مفتی صاحب نے حدیث کے الفاظ درج کرنے اور معنی کرنے میں اپنے منصب مفتی کا ذرہ بھر پاس نہیں کیا اصلی الفاظ ہیں۔

لیلنی منکم اولو الاحلام ذالنھی ۔ مشکوۃ و صحیح مسلم۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اس کا معنی کرتے ہیں۔

معناہ البالغون العقلاء ۔ یعنی ان دونوں الفاظ احلام اور نہی) کا معنی بالغ عقل والے نواب قطب الدین دہلوی حنفی نے ترجمہ مشکوۃ میں اور مولوی عابد الرحمن صدیقی کاندھلی حنفی نے صحیح مسلم کے ترجمہ میں یہی معنی کیا ہے جس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلی صف میں کھڑے ہونے کا حکم بالغ مردوں کو تھا اور یہ چیز کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ میں تشریف لائے تھے عاقل بالغ تھے لہٰذا مفتی صاحب کا یہی کہنا کہ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے دعویٰ بلا دلیل ہے مفتی جی یہاں ہوئے ہوں گے سے کام نہیں چلے گا کوئی صریحا دلیل پیش کیجئے ۔(نام نہاد دین الحق ص ۳۲۵)

الجواب اولاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو مذکورہ حدیث میں الفاظ اپنے پاس سے درج کیے اور نہ معنی میں کمی و زیادتی کی وہابی جی کا الزام محض غلط ہے غالباً جس پر الفاظ درج کرنے کا اطلاق کر رہے ہیں وہ مفتی صاحب کا (لیلینی) ہے تو کاش وہابی جی مسلم شریف کی عبارت کا بین سطور بھی دیکھ لیتے تو اس الزام کی نوبت نہ آتی مسلم شریف کی مذکورہ بالا حدیث کے متن الفاظ (لیلنی) اور اس جگہ بین سطور لیلینی) کے الفاظ ہیں جو اس طرف اشارہ ہے کہ مسلم کے کسی نسخہ میں یہ بھی الفاظ ہیں جب کہ دونوں طرح الفاظ میں معنوی کوئی فرق نہیں تو پھر مفتی صاحب کو الفاظ درج

کرنے سے کیا غرض اب معنی کی طرف آئیں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی) کا معنی فرمایا ہے (تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم وعقل والا ہو۔ (شارح مسلم علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَاُوْلُوا الْاَحْلَامِ هُمُ الْعُقَلَاءُ وَقِيْلَ الْبَالِغُوْنَ وَالنُّهٰى بِضَمِّ النُّوْنِ ۔ فَعَلٰى قَوْلِ مَنْ يَّقُوْلُ اُوْلُوا الْاَحْلَامِ الْعُقَلَاءُ يَكُوْنُ اللَّفْظَانِ بِمَعْنٰى فَلَمَّا اخْتَلَفَ اللَّفْظُ عُطِفَ اَحَدُهُمَا عَلَى الْاٰخَرِ تَاكِيْدًا وَعَلَى الثَّانِيْ مَعْنَاهُ الْبَالِغُوْنَ الْعُقَلَاءُ ۔

یعنی اولوا الاحلام عقلاء ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بالغ ہیں اور النھی ضمہ نون کے ساتھ کا معنی اہل عقول ہیں پس اس کے قول پر جو کہتا ہے کہ (اولوا الاحلام) کا معنی عقلاء ہے تو یہ دو لفظ ایک معنی میں ہیں پس جب لفظ مختلف ہوا تو ایک کا دوسرے پر تاکید کے طور پر عطف کیا گیا اور ثانی قول پر اس کا معنی بالغ عقل والے ہیں۔ اس سے نیچے فرماتے ہیں۔

اہل فضل کو مقدم کرنا سنت ہے

فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَقْدِیْمُ الْاَفْضَلِ فَالْاَفْضَلُ اِلَی الْاِمَامِ لِاَنَّهٗ مُسْتَحِقٌّ بِالْاِكْرَامِ وَلِاَنَّهٗ اِحْتَاجَ اِلَى اِسْتِخْلَافٍ فَيَكُوْنُ هُوَ اَوْلٰى وَلِاَنَّهٗ يَتَفَطَّنُ لِتَنْبِيْهِ الْاِمَامِ عَلَى السَّهْوِ لِمَا لَا يَتَفَطَّنُ غَيْرُهٗ وَيَضْبِطُوْا صِفَةَ الصَّلٰوةِ وَيَحْفَظُوْهَا وَيَنْقُلُوْهَا وَيُعَلِّمُوْهَا النَّاسَ وَيَقْتَدِيْ بِاَفْعَالِهِمْ مَنْ وَّرَاءَهُمْ وَلَا يَخْتَصُّ هٰذَا التَّقْدِيْمُ بِالصَّلٰوةِ بَلِ السُّنَّةُ اَنْ يُّقَدَّمَ اَهْلُ الْفَضْلِ فِیْ كُلِّ مَجْمَعٍ اِلَى الْاِمَامِ وَكَبِيْرِ الْمَجْلِسِ كَمَجَالِسِ الْعِلْمِ وَالْقَضَاءِ وَالذِّكْرِ وَالْمُشَاوَرَةِ مَوَاقِفِ الْقِتَالِ وَاِمَامَةِ الصَّلٰوةِ وَالتَّدْرِيْسِ وَالْاِفْتَاءِ وَاِسْمَاعِ الْحَدِيْثِ وَنَحْوِهَا وَيَكُوْنُ النَّاسُ فِيْهَا عَلٰى مَرَاتِبِهِمْ فِی الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ

وَالْعَقْلِ وَالشَّرَفِ وَالسِّنِّ (الخ) شرح نووی مسلم ج ۱ ص ۱۸۱

یعنی اس حدیث میں افضل کی تقدیم کا ثبوت ہے پس افضل امام سے قریب ہو اس لیے کہ وہ اکرام کا مستحق ہے اور اس لیے کہ بعض اوقات امام کو اپنا قائم مقام بنانے کی حاجت ہوتی ہے پس تا کہ افضل قائم مقام ہو اور اس لیے کہ وہ مناسب ہے امام کو سہو پر تنبیہ کیلئے جس کے لیے اس کا غیر لائق نہیں نیز اس صفت والے امام سے قریب ہوں گے تو نماز کا طریقہ ضبط کے ساتھ یاد کر لیں گے اور اسے لوگوں کو بتائیں اور سکھائیں گے اور ان کے پیچھے والے ان کے افعال کی پیروی کریں گے اور یہ تقدیم محض نماز تک ہی نہیں بلکہ سنت ہے کہ اہل فضل وشرف کو ہر مجمع میں امام کی طرف مقدم کیا جائے۔ اور سربراہ مجلس کی طرف جیسا کہ علم و قضاءت اور ذکر ومشاورت کی مجالس اور جہاد کے موقعوں میں اور نماز کی امامت وتدریس وافتاء اور سماع حدیث کے لیے اور اسی طرح دیگر مواقع میں لوگ کو ان کے مراتب کے مطابق مقام دیا جائے جو ان کے مراتب علم ودین اور عقل وشرف اور عمر کے اعتبار سے ہیں اس بیان سے معلوم ہوا حدیث کا جو معنی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی علم وعقل والے وہ جامع اور حدیث کی مراد کے موافق ہے اور وہابی جی نے خیانت کی کہ شرح نووی سے اپنے مقصد کا جملہ لے کر باور کیا کہ اس سے مراد محض بالغ ہیں حالانکہ مذکورہ شرح سے قطع نظر بھی محض بالغ مراد لینا حدیث کے ظاہر کے بھی خلاف ہے کیونکہ ارشاد ہے: لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلٰثًا (الخ) چاہیے کہ تم میں سے میرے قریب بالغ اور علم اور عقل والے ہوں پھر وہ جو (اس صفت) میں اس سے قریب ہوں (یلونھم) تین بار فرمایا: اگر بالغ نابالغ کی بات ہوتی تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرما دیتے کہ میرے پاس بالغ کھڑے ہوں ان کے پیچھے نابالغ آپ کا تین بار (یلونھم) فرمانا یعنی جو مرتبہ ووصف میں ان سے قریب ہوں پھر جو ان سے قریب پھر جو ان سے قریب ہوں۔ نشاندہی کرتا ہے حدیث سے مراد ہے علم وعقل و شرف میں افضل ترین کو صف اول میں کھڑے ہونے کا ارشاد تھا غرض یہی تھی جو علامہ

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی۔ اس حدیث کے پیش نظر مفتی صاحب کا کہنا کہ حضرت وائل بن حجر پچھلی صف میں ہوتے ہوں گے دعویٰ بلا دلیل نہ ہوا۔

اب غیر مقلد کا دوسرا اعتراض ملاحظہ ہو: لکھتے ہیں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث رفع یدین کی صحیح ہے جیسا کہ مفتی صاحب بھی اس کے معترف ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت عدم رفع کی صحیح نہیں تفصیل آگے آ رہی ہے لہٰذا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ تعارض کے لیے دونوں احادیث کا ہم پلہ ہونا شرط ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۳۵)

الجواب: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترک رفع یدین پر حدیث کی صحت ہم نے بفضلہ تعالیٰ اسی باب میں بھرپور طریقہ سے ثابت کر دی ہے اور رہا غیر مقلد کا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نماز میں رفع یدین کی صحت کا دعویٰ یہ دعویٰ تو تب مسموع ہو جب کہ غیر مقلدوں کا اس پر عمل بھی ہو نیز اس کا نسخ ثابت نہ ہو ابن حجر کی یہی روایت ابوداؤد شریف میں موجود ہے جس میں سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین مذکور ہے مگر غیر مقلدین اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس جگہ رفع یدین نہیں کرتے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

نسخ رفع یدین کی دلیل

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَالَ ثُمَّ الْتَحَفَ ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ وَأَدْخَلَ يَدَيْهِ فِيْ ثَوْبِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ أَخْرَجَ يَدَيْهِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ سَجَدَ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ أَيْضًا رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلْحَسَنِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ فَقَالَ هِيَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ مَنْ فَعَلَهُ وَتَرَكَهُ مَنْ تَرَكَهُ۔ (الخ)

جزء اوّل ص ۱۰۵ وائل بن حجر سے ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر ہاتھوں کو کپڑے میں چھپا لیتے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کپڑے میں داخل کر لیتے پھر جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو ہاتھ کپڑے سے باہر نکالتے اور انہیں بلند کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دو ہاتھ اٹھاتے جب سجدہ فرماتے تو اپنا چہرہ ہاتھوں کے درمیان رکھ دیتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو بھی رفع یدین کرتے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جاتے محمد نے کہا کہ میں نے یہ حدیث حسن بن ابی الحسن کے سامنے بیان کی تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ایسی ہی تھی پھر جس نے ایسا کیا سو کیا اور جس نے اسے چھوڑا سو چھوڑا۔ اب اس حسن بن ابی الحسن کا فرمانا کہ رسول اللہ کی نماز ایسی ہی تھی پھر جس نے ایسا کیا سو کیا اور جس نے اسے چھوڑ اسو چھوڑا۔ اس میں سوال ہے کہ چھوڑنے والوں نے رفع یدین کیوں چھوڑا اسی لیے چھوڑا کہ انہیں رفع یدین کا نسخ ثابت ہو گیا تھا اور جن حضرات نے اس وقت تک نہ چھوڑا انہیں نسخ کی اطلاع نہ ہوئی تھی یاد رہے اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر ہم اسی باب میں ان احادیث کا ذکر کر آئے ہیں جن کی اسناد صحیح یا حسن ہیں اور ان میں سجدہ کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین ثابت ہے ان سے اس حدیث کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور غیر مقلد ان پر عمل نہیں کرتے۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۹ اور مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اسکا جواب ملاحظہ ہو اگر تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیے تو آپ نماز عید اور وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب: اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے الکل پچو بہانے بنانے جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں عیدین و وتر کے رفع یدین سنت [illegible]

نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں اسی لیے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعتیں وغیرہ خصوصی صفات ہیں ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اے وہابیو! ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔ یاد رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس منہ توڑ جواب کا وہابی صاحب سے کوئی حل و جواب نہیں ہو سکا۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۱۰

رفع یدین بھی نماز کا فرض ہے وہابیوں کی نئی دریافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرائیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ:

إِذَا تَحَرَّمْتَ بِالصَّلٰوةِ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ إِذَا كَبَّرْتَ وَإِذَا رَكَعْتَ وَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَإِنَّهَا صَلٰوتُنَا وَصَلٰوةُ الْمَلٰئِكَةِ الَّذِيْنَ فِي السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ۔

جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا لہٰذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابو حنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقتدیین کی

مخالف نہ کرو۔

نوٹ ضروری: ڈیرہ غازی خان کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب ولہجہ میں مذکور ہے۔ اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب: وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہمنوا نے جھوٹی حدیث گڑھ تو لی مگر گڑھنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لیے بھی سلیقہ درکار ہے تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لیے اسناد پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں نحر کے معنی ہاتھ اٹھانا رکوع سے پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی کیا جبرائیل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اے جبرائیل انحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لیے گئے اور کیسے لیے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو اگر قرآن وحدیث کے ایسے معنی ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوۃ کے معنی روٹی کھانا زکوۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا صوم کے معنی چارپائی پر سونا جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کر لو چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لیے کیوں ایسی حدیثیں گڑھتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر صلوۃ پر معطوب ہے اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے تو چاہیے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جزء ہے نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو

تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کر لو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھا یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ وتابعین کا عمل ہے فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز یا ناجائز۔

پانچواں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابوبکر صدیق ۔عمر فاروق۔ علی المرتضیٰ۔ عبد اللہ ابن عباس۔ عبد اللہ ابن عمر۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہو ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خان کے ایک وہابی کو معلوم ہوا حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹا یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المؤمنین مولاء کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتواں یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود ہی اس پر عمل نہ فرمایا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسی نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوۃ کے منکرین پر

فرمایا ملا جی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ لینی چاہیے۔ مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور اپنے لیے اسی بے تکی حدیثیں گھڑ لیتے ہیں خوف خدا نہیں کرتے شاید اہل حدیث کے معنی ہیں حدیث بنانے والے حدیث ڈھالنے والے یاد رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے غیر مقلدوں کے مذکورہ اعتراض کے جوابات پر غیر مقلد وہابی نے کچھ نہیں لکھا تاکہ وہابیوں کے کرتوں پر مزید لوگ آگاہ نہ ہوں اور جگ رسوائی نہ ہو نیز اس کے جواب نہ دینے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واقع ہی نام نہاد اہل حدیثوں نے مذکورہ حدیث گھڑی ہے تو جو لوگ اپنے خود ساختہ مذہب کو دلیل مہیا کرنے کو حدیث گھڑنے سے بھی دریغ نہ کریں ان پر کیا اعتماد کیا جائے' جاء الحق سے

غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۱۱

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَهُوَ مَذْهَبِیْ ۔ جب کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول حدیث کے خلاف ہے اس لیے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہی حنفیت ہے۔ (عام وہابی)

جواب: جی ہاں اور خاص کر جب کہ حدیث کے محقق آپ جیسے حقہ پینے والے محقق ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری مسلم کو مسلم حدیث کو حدث فرمائیں جناب حضرت امام صاحب نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے: اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَهُوَ مَذْهَبِیْ ۔ جب حدیث ثابت ہو گی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے یعنی اے مسلمانوں! ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث تمحیص کی اسناد اور متن خوب گرما گرم جرح و قدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے لہٰذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے

ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرو سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں صرف غواص کا کام ہے اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کریگا تو وہ ہلاک ہو جائیگا حکیم کی تجویز سے استعمال کرو قرآن و حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے امام اعظم طبیب اعظم ہیں قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں امام برحق مجتہد ہو دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے الٹی پچو سے بیان کر دیے ہیں اے نا سمجھو نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچ سمجھے ایک بیمار کے لیے نسخہ نہیں لکھتا تو امام اعظم ابوحنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے کیسے لکھ دیے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔ واضح رہے کہ اس پر بھی غیر مقلد صاحب نے کچھ نہیں لکھا اس طرح مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ کے متعدد عقلی و نقلی دلائل اور اعتراضات کا غیر مقلدوں کی طرف سے جواب نہ آنا مذہب احناف کی حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔ یہاں تک بفضلہ تعالیٰ جاء الحق کے چھ بابوں پر بحث پوری ہوئی جس میں ہم نے قارئین کرام کے استفادہ کے لیے جاء الحق کی پوری عبارت لکھ دی اور غیر مقلد کے اس پر اعتراضات و دلائل لکھ کر ان کا دلائل سے رد و محاسبہ کیا اب یہاں تک شائع کرنے کے بعد باقی پر کام جاری رکھنے کا پروگرام ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ فقیر کی اس سعی قلیل کو قبول فرما کر اس پر اجر عظیم و کثیر عطا فرمائے اور اسے ہر خاص و عام کے لیے مفید و نافع بنائے۔

اللھم ربنا آمین بحرمۃ رسولك الكريم الامين

فقیر عبد مصطفیٰ غلام رضا محمد محب علی قادری

غفر اللہ لہ و والدیہ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

ہم غیر مقلد صاحب کا سند دکھانے کا مطالبہ پورا کرتے ہیں

اخبرنا ابو الحسن الفضل ببغداد انبا ابو عمر ابن السماك ثنا محمد بن عبدالله بن المناوی نا ابو حذیفة ثنا سعید بن زربی عن ابیه عن انس قال من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور وضعك یمینك علی شمالك فی الصلاة تحت السرة" تفرد به زربی ولیس بالقوی

(خلافیات البیہقی ص ۳۷ مخطوط مکتبہ ظاہریہ دمشق شام)

لیس بالقوی کی جرح کا جواب:

امام بیہقی نے لیس بالقوی کہا تو یہ درجہ حسن کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ وہابی مولوی ارشاد الحق اثری توضیح الکلام فی وجوب القراۃ خلف الامام میں لکھتا ہے:

یطلق لیس بالقوی علی الصدق (توضیح الکلام ص ۶۸ الاثری)

اور اثری عبدالرحمٰن معلمی کے حوالے سے لکھتا ہے:

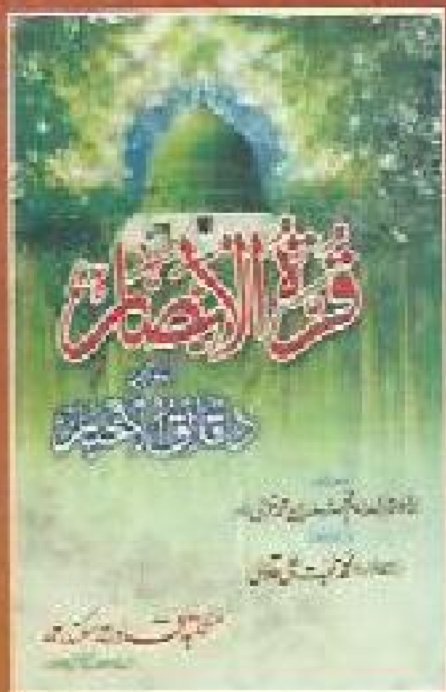
وکلمة لیس بالقوی انما تنفی الدرجة الکاملة من القوة

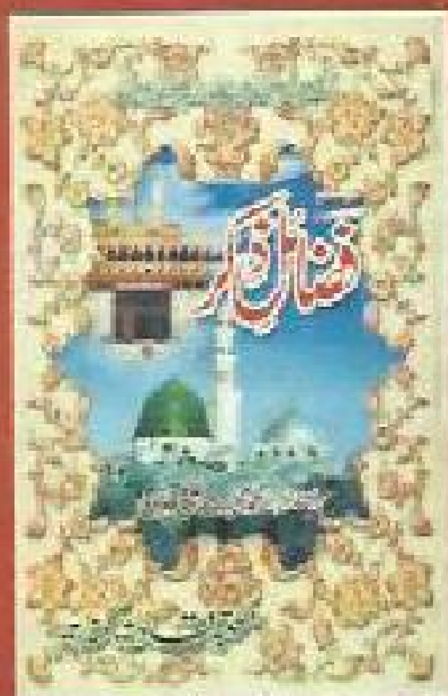
(التنکیل جلد ا ص ۲۴۲) (توضیح الکلام ص ۶۹)

پھر اثری علامہ لکھنوی کی غیث الغمام ص ۱۵۸ کے حوالہ سے لکھتا ہے:

ان مجرد الجرح بکون الراوی لیس بالقوی لاینافی کون حدیثه حسنا ان لم یکن صحیحًا (توضیح الکلام ص ۶۹)

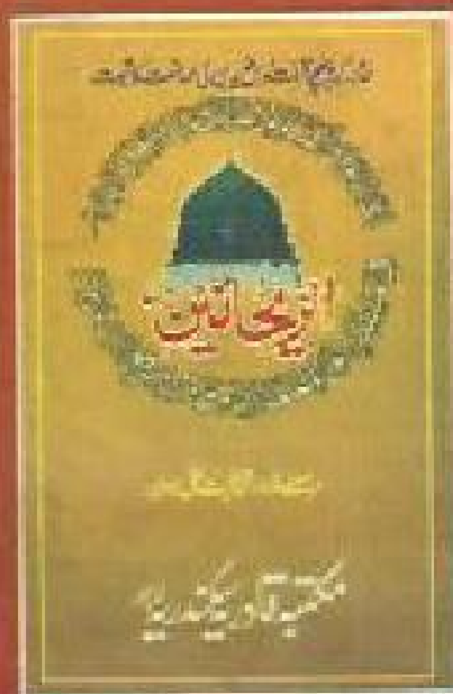
قابلِ مُطالعہ کتابیں











مکتبہ قادریہ سکندریہ حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور